اسرار و حقائق

تالیف:
سید علی محمد نقوی

مدرسة الولایة (جامعة الحجة) بھارہ کہو، اسلام آباد

اسرار و حقائق

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسرار وحقائق

تالیف:

سید علی محمد نقوی

مدرسة الولایة (جامعة الحجة) بھارہ کہو، اسلام آباد

Presented by Ziaraat.Com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب : بیان الاسرار کتاب جامع الاسرار والحکم

مؤلف : سید علی محمد نقوی

ناشر : مدرسۃ الولایۃ (جامعۃ الحجۃ) اسلام آباد

کمپوزنگ : غلام حیدر، میکسیما کمپوزنگ سینٹر 03465927378

تعداد : ۱۰۰۰

طبع : اول

قیمت :

ملنے کا پتہ :

Presented by Ziaraat.Com

انتساب

تمام اہل تحقیق کے نام

سید علی محمد نقوی

Presented by Ziaraat.Com

فہرست ابواب

(۱) باب التوحید
(۲) باب القرآن
(۳) باب الفقہ
(۴) باب المعارف (سوال وجواب)
(۵) باب حکم ولطائف
(۶) باب الحکایات
(۷) باب المرثیہ (سوال وجواب)

Presented by Ziaraat.Com

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
کتاب التوحید	۱۵
توحید خدا	۱۸
متکلم	۱۹
قادر	۱۹
صفات سلبیہ	۲۰
قرآن کریم میں بیانِ توحید	۲۲
عموم قدرت	۲۵
ارادہ خداوند کا بیان	۲۶
خداوند فعل کو ایجاد کرتا ہے از روئے علم بصلاح	۲۶
مزید وضاحت	۲۸
خداوند کے علیم ہونے کا کیا مطلب ہے؟	۳۰
سب چیزوں کا خالق خدا ہے، خدا کا خالق کون ہے؟	۳۰
توحید کا مزید بیان	۳۱
حقیقت توحید کیا یہ ہے کہ خدا ایک ہے	۳۲
مراتب توحید	۳۳
دلیل توحید	۳۳
توحید ذاتی کا دوسرا پہلو	۳۴
دلیل	۳۵
توحید افعالی	۳۵
کیا توحید افعالی نفی علیت ہے؟	۳۶
توحید عبادی	۳۶
کلمہ ھو	۳۷
باب القرآن	۳۸
فضیلت قرآن	۳۸
ارتباط وانس با قرآن	۴۰
خط قرآن	۴۵
اعراب گذاری	۴۵
نقطہ گذاری	۴۵
اعراب گذاری کی تکمیل	۴۵
قراء سبعہ	۴۶
بعض تفسیری مناہج	۴۷
قرآن کے بارے معلومات	۵۰
نزول قرآن	۵۳
حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے نزولِ وحی	۵۳
قلب رسول خدا ﷺ محل وحی	۵۴
قلب سے مراد کیا ہے؟	۵۴
جمع وتدوین قرآن	۵۵
محکم ومتشابہ	۵۶

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
حدیث سبع احرف	۵۷
قرآات سبعہ	۵۷
قرآء سبعہ اوران کے رواۃ	۵۷
باب الفقہ	۵۹
مقدمہ	۵۹
سود	۶۱
نماز استسقاء کے آداب ومستحبات	۶۳
شرط واقعی وشرط علمی	۶۴
قمار کی بازی کا کیا حکم ہے؟	۶۴
فلسفۂ روزہ	۶۵
مسائل خمس	۶۶
فریضۂ حج	۶۸
احرام	۶۸
طواف النساء	۶۸
رمی جمرات	۶۹
قربانی	۶۹
ظہر شرعی	۷۰
باب المعارف	۷۱
سوال وجواب	۷۱
گناہ کے اقسام	۷۶
گناہان کبیرہ	۷۷
زمین کے ساکن	۸۰
جنوں میں نبی؟	۸۱

عنوان	صفحہ نمبر
نسناس کی مزید وضاحت	۸۱
کیا جن جنت میں جائیں گے؟	۸۲
شیطان کیوں خلق ہوا؟	۸۳
خلقت شیطان	۸۳
شیطان کے ساتھی	۸۴
شیطان کے سوالات	۸۴
پہلا سوال یہ تھا کہ خلقت کا کیا فائدہ ہے	۸۵
دوسرا سوال یہ تھا کہ تکلیف وشریعت کی کیا ضرورت تھی؟	۸۵
مسئلہ رؤیت خدا	۸۷
رؤیت خدا کے بارے میں اہل بیت رسول کا نظریہ	۸۸
روایات میں رؤیت خدا	۸۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبۂ رؤیت	۸۹
اس تقاضے کا کیا مطلب ہے؟	۸۹
رزق ونعمت کے حوالے سے اہم بحث	۹۰
رزق	۹۱
عزت وذلت	۹۸
ادیان الٰہی میں عبادت وعبودیت	۹۹
عرفان کی رُو سے قلب	۱۰۳
قرآن میں نفس کے معنی	۱۰۵
نفس روایات کی نظر میں	۱۰۶

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
پُرخوری (زیادہ کھانا) کے نقصانات اور بھوک کے فوائد	۱۰۷
علامہ مجلسیؒ کی روایات آداب کھانے کے بارے (از حلیۃ المتقین)	۱۰۸
کھانے کے آداب واوقات	۱۰۸
کھانے کے بقیہ آداب	۱۰۹
دعا	۱۰۹
روٹی کی فضیلت	۱۱۰
گوشت، کھانے کی اشیاء	۱۱۰
مومن کی ضیافت	۱۱۰
پانی پینے کے آداب	۱۱۱
چار عرفانی وفلسفی سفر الاسفار الاربعۃ الالٰہیۃ و العقلیۃ	۱۱۱
اخذ میثاق اور عالم ذر	۱۱۴
ابدال کی تعداد	۱۱۸
ابدال کا فائدہ	۱۱۹
اخباری مسلک کی تاسیس	۱۲۰
وجہ تاسیس	۱۲۰
اصولیوں اور اخباریوں میں فرق	۱۲۱
اجتہاد تعریف وتاریخ	۱۲۱
اجتہاد کی تاریخ	۱۲۱
تقلید	۱۲۳
لغوی معنی	۱۲۳

عنوان	صفحہ نمبر
تقلید کے اصطلاحی معنی	۱۲۳
اجتہاد وتقلید کے بارے اخباری نظریہ	۱۲۳
اجتہاد وتقلید کے بارے اصولیوں کا نظریہ	۱۲۴
حدیث طینت کا بیان	۱۲۵
جبر کی پیدائش	۱۳۱
قول بالاختیار	۱۳۴
عورت کی خلقت	۱۳۹
جنت کے دروازے	۱۴۱
وسعت جنت	۱۴۲
جنت کی مادی نعمات	۱۴۲
خلقت جنت وجہنم	۱۴۶
مقام اعراف اور اصحاب اعراف کی وضاحت	۱۴۷
برزخ کا وجود قرآن و روایات سے ثابت ہے	۱۵۲
برزخ روایات کی روشنی میں	۱۵۳
برزخی زندگی کیسے ہوگی	۱۵۳
مَلِك رُومان فتّان القبور	۱۵۴
منکر ونکیر	۱۵۵
جن سے سوال ہوگا	۱۵۶
پھر کیا ہوتا ہے؟	۱۵۶
فشار قبر	۱۵۶
فشار قبر کے اسباب	۱۵۷

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
ارتباط با دنیا	۱۵۸
قبروں پر جانا	۱۵۹
برزخ میں انسانوں کی تقسیم	۱۵۹
برزخ مومن کی تربیت گاہ	۱۶۰
مسئلہ چاند	۱۶۰
رؤیت ہلال	۱۶۱
طول البلد و عرض البلد کا اختلاف	۱۶۳
مسئلہ رؤیت	۱۶۳
سحر یعنی جادو کیا ہے؟	۱۶۳
نوروز	۱۶۴
اسلامی نکتہ نظر سے	۱۶۵
شفاعت	۱۶۷
عوالم کا بیان، یہ سب عوالم ملکوت کہلاتے ہیں	۱۷۱
بعض روایات کا ذکر	۱۷۱
عرش اور کرسی کا بیان	۱۷۵
اقوال دربارۂ عرش	۱۷۷
علم حضوری اور علم حصولی	۱۸۰
فقر	۱۸۱
فقر سالک کا شعار ہے	۱۸۲
فقراء کے اقسام	۱۸۲
درجاتِ فقر	۱۸۳
فقر مادی	۱۸۳
توبہ	۱۸۵
توبہ در قرآن	۱۸۶
معاد جسمانی کیسے ہوگا؟	۱۸۷
باب الحکم و اللطائف	۱۸۹
لطیفہ	۱۸۹
فائدہ	۱۸۹
روایت	۱۸۹
حکمت	۱۸۹
فائدہ	۱۹۰
خزینہ	۱۹۱
فاضل	۱۹۱
موعظہ	۱۹۲
روایت	۱۹۲
لطیفہ	۱۹۲
حکمت	۱۹۲
بقراطی	۱۹۴
کامیابی وظفر	۱۹۴
طلب	۱۹۴
سوال	۱۹۴
نکتہ	۱۹۴
فکریہ	۱۹۵
انگوٹھی کس ہاتھ میں ہے	۱۹۶
ادب	۱۹۷
طب	۱۹۷

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
حماقت	۱۹۹
فیصلہ	۲۰۰
عمل	۲۰۱
جاہل کی پہچان	۲۰۱
روایت طبی	۲۰۱
فائدہ احضار	۲۰۲
دعائے حافظہ	۲۰۲
مسئلہ	۲۰۲
عمل برائے حج	۲۰۲
عمل دیگر	۲۰۲
عمل برائے الفت بین زوجین	۲۰۲
یا باسط	۲۰۳
حاجت روائی	۲۰۳
ٹوٹکہ	۲۰۳
شیخ عطار	۲۰۳
علاج	۲۰۴
اقوال زریں	۲۰۴
نادرہ	۲۰۴
حافظ بیت	۲۰۵
عمل رزق	۲۰۵
دیوانہ	۲۰۵
۱۵ شعبان	۲۰۷
عمل وسعت رزق	۲۰۷

عنوان	صفحہ نمبر
بخار کے لئے	۲۰۷
فرق	۲۰۹
برترین ادب اسلامی	۲۰۹
عجیب	۲۱۰
موعظہ	۲۱۱
حافظہ	۲۱۲
عمل غلبہ	۲۱۲
شیر کی زیادتی	۲۱۳
شیطان کی بدبختی	۲۱۳
طول عمر	۲۱۳
عجیبہ	۲۱۴
حلَب	۲۱۴
حسین بن منصور حلاج	۲۱۴
دقت نظر	۲۱۶
انسانوں کی عمریں	۲۱۷
انبیاءؑ کے پیشے	۲۱۸
سجدہ اذان واقامت کے درمیان	۲۱۹
نسب رسول خدا ﷺ	۲۲۰
ذوالقرنین	۲۲۰
ذوالقرنین کون تھے؟	۲۲۰
دفع وسوسہ (وہم)	۲۲۱
عبادت میں میانہ روی	۲۲۱
عدل یا سخاوت	۲۲۲

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
مسجد دمشق	۲۲۲
قبر حضرت بلالؓ	۲۲۳
دنیا	۲۲۳
محبت حضرت علی علیہ السلام	۲۲۳
فائدہ فی طہارۃ النبیؐ	۲۲۳
زیارت خدا	۲۲۴
معنی سلام	۲۲۴
نماز جعفر طیار	۲۲۴
طریقہ نماز	۲۲۵
خلفاء بنی امیہ و بنی عباس	۲۲۵
معنی الظلام	۲۲۵
استخارہ پر عمل	۲۲۵
راسخون فی العلم	۲۲۵
عمل برائے قضاء حاجات	۲۲۶
چار محترم مہینے	۲۲۶
ہاتھ دھونا	۲۲۶
قبر حضرت آدم علیہ السلام	۲۲۶
دعا برائے دفع ہم و غم اور کرب و حزن و خوف	۲۲۶
شجرہ طوبیٰ	۲۲۷
عمل سورہ حمد	۲۲۷
مہمان	۲۲۸
ہدیہ برائے اہل و عیال	۲۲۸
ختم مجرب	۲۲۸

عنوان	صفحہ نمبر
عمل برائے حاجت	۲۲۸
ختم لا الہ الا اللہ	۲۲۹
تاریخ	۲۲۹
اختلاف امتی رحمۃ	۲۲۹
حروف نورانیہ	۲۳۰
کمال اعداد	۲۳۰
حکایت عجیبہ	۲۳۰
بشیر	۲۳۱
کلب سلوقی	۲۳۱
اسباب رزق	۲۳۱
وصیت و نصیحت	۲۳۲
مسخرہ فرعون	۲۳۲
فائدہ شریعت	۲۳۲
حدیث	۲۳۳
صفاء قلب	۲۳۳
رؤیہ صادقہ	۲۳۴
انجیل	۲۳۴
حجاز	۲۳۴
جُعِلتُ فِداكَ	۲۳۴
چار عالم	۲۳۴
ختم مجرب	۲۳۴
آب نیسان	۲۳۵
فشار قبر کیوں؟	۲۳۶

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
فشارِ قبر کیا ہے؟	۲۳۶
وہ اعمال جن سے فشارِ قبر میں کمی ہوگی	۲۳۷
ذوالفقار	۲۳۸
شکل	۲۳۸
پانی پینے کے آداب	۲۳۹
ابن سینا	۲۳۹
سببِ علم	۲۴۱
اوزان ومقادیر شرعیہ	۲۴۱
اوزان کی وضاحت	۲۴۲
مزاح	۲۴۳
عمل	۲۴۳
فارسی	۲۴۳
مجسمہ آزادی	۲۴۳
حدیث	۲۴۴
خزینہ	۲۴۵
دعاء برائے والدین	۲۴۵
حقیقت شکر	۲۴۵
حقیقت عصمت	۲۴۶
حکومت کیا ہے اور کیوں ہے؟	۲۴۶
حکومت الٰہی جہانی	۲۴۷
ابلیس لعین کی گفتگو	۲۴۸
مطالبہ شیطان از خداوند عالم	۲۴۹
احترام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۴۹
لطف خداوند متعال	۲۵۰
ازلی وابدی یعنی سرمدی	۲۵۰
سات آسمان	۲۵۰
شراب کیوں حرام ہے؟	۲۵۱
کسی ملت کی نابودی	۲۵۲
تغییر قبلہ	۲۵۲
محبت سادات	۲۵۳
استاد کا احترام	۲۵۳
شفاء	۲۵۳
وسوسہ کیلئے	۲۵۳
تنگدستی و وسوسہ	۲۵۳
جفری فائدہ	۲۵۳
عدالت	۲۵۴
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام	۲۵۴
فلسفہ وعرفان	۲۵۴
انبیاءؑ وائمہؑ میں عصمت کا منشاء	۲۵۵
موی مبارک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۵۶
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۵۶
حقیقت محمدیہ	۲۵۷
عرفانی فائدہ (مظہریت اسماءِ الٰہی)	۲۵۸
حکماء کے اقوال	۲۵۹
شعر مولانا روم	۲۵۹
حکمت افلاطون	۲۵۹

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
صفت علماء زمان	۲۶۰
حکایت	۲۶۰
بیضاوی	۲۶۱
حکایت مجنون	۲۶۱
شعری حکمت	۲۶۱
علم الٰہی	۲۶۲
مصلحت کے تقاضے	۲۶۳
قرآنی نکتہ	۲۶۳
ام شریک	۲۶۵
حرمت شراب	۲۶۵
آداب نامہ نگاری	۲۶۶
توکل	۲۶۶
نور وجہ خدا	۲۶۷
شرائط خلافت	۲۶۷
البیرونی	۲۶۷
زندگی	۲۶۸
آپ کی تالیفات	۲۶۹
نماز	۲۷۰
صفت اطوار دل	۲۷۱
حدیث	۲۷۲
عبد حقیقی	۲۷۳
ذوالقرنین کون تھے؟	۲۷۴
سدرۃ المنتھیٰ	۲۷۵
امید بہ خدا	۲۷۶
خود فراموشی	۲۷۶
خدا فراموشی	۲۷۷
دنیا کیا ہے؟	۲۷۷
دین کیا ہے؟	۲۷۷
رزق میں فرق کی وجہ	۲۷۸
اتفاق کیا ہے؟	۲۷۸
حقیقی رہبر	۲۷۹
احترام والدین کے تقاضے	۲۷۹
موسیٰ علیہ السلام	۲۸۰
انعام خداوندی	۲۸۰
حضرت خضر علیہ السلام	۲۸۰
حکمۃ	۲۸۰
آفات	۲۸۱
غسلین	۲۸۱
آداب شب زفاف	۲۸۱
کز و بیان	۲۸۲
ازدواج نورانی	۲۸۲
غذاء ملائکہ	۲۸۳
آداب مشورہ	۲۸۳
وہ جس سے مشورہ کیا جائے	۲۸۴
کنوز البرّ (نیکی کے خزانے)	۲۸۴
تواضع کی تعریف	۲۸۵

Presented by Ziaraat.Com

عنوان	صفحہ نمبر
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند	۲۸۵
عریف ونقیب اور منکب	۲۸۵
گناہ گار کی مدح کا اثر	۲۸۷
آثارِ گناہ	۲۸۷
مہر نبوت	۲۸۸
تاثیر شجرہ طوبیٰ وامام صادق علیہ السلام	۲۸۸
حسن البصری	۲۸۹
رحم خداوند	۲۹۰
سفر	۲۹۰
باب الحکایات	۲۹۱
امام علیہ السلام کا خواب	۲۹۱
شیعہ واقعی	۲۹۱
عبرت کی ہنسی	۲۹۲
حجر بن عدی	۲۹۲
جھوٹی گواہی	۲۹۵
داستان حضرت ابراہیمؑ و ماریا	۲۹۹
شجاع نامہ بر	۳۰۱
شجاعت مسلمان	۳۰۲
نامہ بر کون کون تھے؟	۳۰۳
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ بر	۳۰۳
شجاعت زن مؤمنہ	۳۰۴
فرعونِ امت اسلام	۳۰۵
مسلمان مجاہد	۳۰۶
تاریخ کا عجیب واقعہ	۳۰۷
قصیم کون ہے؟	۳۰۷
عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب	۳۰۷
سامری	۳۰۹
حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت	۳۱۰
ایک مومنہ عورت	۳۱۰
خولہ مادرِ محمد حنفیہ	۳۱۱
انسانیت	۳۱۲
حقیقی راہ نجات	۳۱۳
ائمہ کا دشمنوں سے رویہ	۳۱۳
شب نور باران	۳۱۵
شریک سفر	۳۱۶
باب المرأة (عورت)	۳۱۷
عورت و مرد میں فرق و وحدت؟	۳۱۸
عورت کی اہمیت	۳۲۴
سند	۳۲۵
متن	۳۲۵
نقصان عقل	۳۲۵
تاویل وتوجیہہ	۳۲۵
جواب	۳۲۸
معیار قوامیت	۳۳۰
نشوز	۳۳۱
عورتوں کے بارے بعض روایات	۳۳۴

Presented by Ziaraat.Com

عنوان | صفحہ نمبر

- مخالف روایات ۳۳۵
- موافق روایات ۳۳۵
- عورت کی گواہی ۳۳۶
- کیا مرد سے عورت کا قصاص لے سکتے ہیں؟ ۳۳۸
- مرد و عورت میں فرق یا خصوصیات ۳۳۸
- مرد کی خصوصیات ۳۳۹
- عورت کی خصوصیات ۳۳۹
- مرد و عورت کے درمیان فرق کے حوالے سے بعض نظریات ۳۴۳
- بعض خواتین کے واقعات ۳۴۴
- قول شیطان ۳۴۵
- شوہر کی اطاعت اور اس کا اجر ۳۴۵
- لیلیٰ غفاریہ ۳۴۶
- ام سلیم ۳۴۶
- حارثہ بن سراقہ ۳۴۷
- پانچ فاطمہ ۳۴۷
- ازدواج نور با نور ۳۴۹
- دعوت برائے ولیمہ میں اہل مسجد کو دعوت دیں امیر ہوں یا غریب سب آئیں ۳۵۰
- رخصتی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ۳۵۰
- سیدہ نفیسہ ۳۵۰

Presented by Ziaraat.Com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کتاب التوحید

سب علوم سے افضل ترین علم توحید ہے کیونکہ کسی علم کی عظمت اس کے موضوع کے لحاظ سے ہوتی ہے اور یہاں موضوع ذاتِ خداوند ہے جو کہ علم مطلق، حسن مطلق، غناء مطلق اور کمال مطلق ہے یہ عالم کے لئے شرف ہے کہ وہ ذات، صفات اور افعالِ خدا کا علم حاصل کر رہا ہے۔

یہاں دو مرحلہ ہیں: (۱) خداوند عالم کی معرفت حاصل کرنا، (۲) اس کی توحید کا بیان و اثبات۔

پہلی بحث ذاتِ خدا کی معرفت ہے اس پر ادلہ کی طرف مختصر اشارہ کرنے سے پہلے کچھ سوالات کے جواب ضروری ہیں۔

سوال نمبر ۱:۔ خداوند عالم نا محدود ہے اور ہماری عقل و فکر محدود ہے پس کیسے ممکن ہے کہ ایک محدود موجود ایک نامحدود وجود کے بارے جان سکتا ہے؟

جواب:۔ یہ درست ہے خداوند ہر جہت سے نا محدود ہے اس کا وجود نا محدود، علم و قدرت میں نا محدود، زمان و مکان کے لحاظ سے نا محدود نہ ایسی کوئی جگہ ہے کہ جہاں خدا نہ ہو نہ ایسا کوئی زمانہ، نہ ایسی کوئی چیز ہے جس کو خدا نہ جانتا ہو نہ ایسا کوئی کام ہے جو خدا نہ کر سکتا ہو، وجود خداوند کے بعد اس کائنات میں ہر چیز محدود ہے زمان و مکان کے لحاظ سے یا دوسری جہات میں۔ اور یہ واضح ہے کہ ایک وجود محدود کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ نا محدود وجود کا کما حقہ ادراک کر سکے، اسی وجہ سے خداوند کے بارے میں ہمارا علم اجمالی ہے ہمیں علم ہے کہ وہ ہے اور صفات کمالیہ رکھتا ہے اب ان کی خصوصیات کیا ہیں اس کا ہمیں علم نہیں ہے نہ صرف ذات خداوند سے ہم لاعلم ہیں بلکہ اس کائنات کے بہت سے حقائق ہمیں معلوم نہیں ہیں ہمیں کیا پتہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے کوہ طور پر جو نور چمکا تھا وہ کیا تھا۔ ہمیں کیا پتہ کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام اور بساط سلیمان علیہ السلام کی حقیقت کیا تھی، ہمیں کیا پتہ کہ وہ نور اول جسے خالق نے کبھی قلم کہا، کبھی روح کہا، کبھی عقل کہا، اور کبھی نور محمدؐ کہا، کیا تھا اور کہاں سے جدا ہوا۔

Presented by Ziaraat.Com

ہمیں کافی حقائق معلوم نہیں ہیں صرف آثار کے ذریعے ہم انہیں جانتے و پہچانتے ہیں اس سے زیادہ جاننا ہمارے امکان میں نہیں ہے۔

رسول خدا ﷺ خدا کی مخلوق کی ترجمانی فرماتے ہوئے محضر خدا میں یوں گویا ہوئے: ﴿الٰهی ما عرفناك حق معرفتك﴾۔ خدایا ہم نے تجھے کما حقہ نہیں پہچانا۔

سوال۲:۔ کیا خدا کو نامرئی عظیم انرجی کہہ سکتے ہیں جو ہر جگہ حاضر ہو اور سب موجودات کی خالق ہو؟

جواب:۔ خداوند عالم کو انرجی کہنا صحیح نہیں ہے یہ تعبیر غیر خدا کے بارے استعمال ہوتی ہے۔ خداوند غیر متناہی وجود ہے جو ہر جگہ پر حاضر ہے اور طبیعی موجودات کے صفات سے منزہ ہے۔ توحید کی بحث میں ہم بیان کریں گے کہ یہ توحید کے منافی ہے خداوند ہر قسم کی انرجی کا خالق ہے نہ کہ خود انرجی ہے۔

سوال۳:۔ خداوند کو کس نے پیدا کیا؟

انگریز فلسفی برٹرنڈ رسل کہتا ہے کہ بچپن میں خدا کے وجود پر اعتقاد رکھتا تھا کیونکہ خدا علۃ العلل ہے یعنی جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ علت رکھتا ہے یہ سلسلہ ذات خدا پر منتہی ہوتا ہے کہ وہ ہر علت کی علت ہے، لیکن بعد میں میں اس عقیدہ سے منحرف ہو گیا کیونکہ اگر ہر علت کی علت ہونا چاہئے تو پھر خدا کو خلق کرنے والی علت بھی ہونا چاہئے۔

جواب:۔ مادی طرز تفکر رکھنے والے افراد کا یہ بہت مشہور اعتراض و سوال ہے۔

نا محدود سلسلہ علل ممکن نہیں ہے یہ بات کائنات کے تمام فلاسفہ کا متفقہ فیصلہ ہے، لہٰذا سب کے نزدیک ایک ازلی وجود ہونا چاہئے البتہ مادی اسے مادہ کہتے ہیں لیکن الٰہی اسے خداوند کہتے ہیں اور وجود ازلی کیلئے علت فرض نہیں کی جا سکتی کیونکہ جو حقیقت ہمیشہ سے ہو تو اس کی علت کیسے ہو سکتی ہے علت کا محتاج وہ وجود ہوتا ہے جو ایک وقت میں نہ ہو اس کے بعد موجود ہوا ہو۔

پس مادی اور الٰہی میں فرق یہ نہیں کہ ایک علۃ العلل کو مانتا ہے اور دوسرا نہیں مانتا بلکہ اس کے دونوں قائل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ الٰہی اس پہلی علت کو علم و ارادہ والی مانتے ہیں اور مادی اسے فاقد علم و ارادہ سمجھتے ہیں۔

رسل کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ریاضی، طبیعی اور معاشرتی مسائل کے ماہر تھے لیکن مذہبی اور فلسفہ اولی کا ادراک صحیح نہیں رکھتے تھے، ہم اس وجود ازلی کو صرف علۃ العلل کے طریقے سے ثابت نہیں کرتے کہ مادیوں کے کچھ سوچنے کی گنجائش رہ جائے بلکہ ہم اس وجود ازلی کو اس کائنات کے عجیب و دقیق نظام سے ثابت کرتے ہیں، اس جواب سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ آپ نے جو یہ کہا کہ ہر موجود اس کائنات میں علت کا محتاج ہے، یہ درست نہیں ہے، بلکہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ موجود جو ایک وقت نہیں تھا اور پھر موجود ہوا ایسے وجود کے لئے علت کی ضرورت ہے، ایک مثال پر توجہ کریں:

Presented by Ziaraat.Com

ہم جب کمرے میں نظر کرتے ہیں اور روشنی نظر آتی ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ روشنی خود کمرے سے پیدا ہو رہی ہے یا کہیں اور سے؟ مسلّم ہے خود کمرہ سے نہیں ہے کیونکہ اگر کمرے سے پھوٹ رہی ہوتی تو کبھی کمرہ تاریک نہ رہتا جبکہ کبھی تاریک ہوتا ہے کبھی روشن، اس کا مطلب یہ ہے کہ روشنی کسی اور منبع سے آرہی ہے روشنی کا منبع جو بھی ہے وہاں سے آرہی ہے، اب سوال یہ ہے کہ روشنی کیوں روشن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روشنی کے یہ ذرات خود روشن ہیں چونکہ یہ ذرات ہمیشہ روشن رہتے ہیں جہاں بھی ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ روشنی ان کی ذاتی خصوصیت ہے اور ان کے وجود میں شامل ہے پس وجودِ خدا بھی اسی طرح ہے اس کا وجود کلی ذات ہے اور وہ ماہیت نہیں رکھتا ہے لہٰذا اسے علت کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:۔ کیا خدا کو دیکھا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ خداوند کو نہ دنیا میں دیکھنا ممکن ہے نہ آخرت میں۔

کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (انعام:۱۰۳) خدا کو آنکھوں کے ذریعے ادراک نہیں کیا جاسکتا اور وہ آنکھوں کو ادراک کرتا ہے۔

دیکھا جانا مادہ کی خصوصیات میں سے ہے اور جو چیز زمان و مکان کے حدود سے مقید نہ ہو وہ مجرد ہے اور مجرد قابل رؤیت نہیں ہے، بعض متشابہ آیات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خدا کو دیکھنا ممکن ہے چونکہ وہ خود قرآن میں فرماتا ہے: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (قیامۃ:۲۲) یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ (اعراف:۱۴۳) پہلی آیت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ چہرے اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھ رہے ہوں گے حالانکہ کسی کو دیکھنے کیلئے یہ ترکیب استعمال نہیں ہوتی بلکہ یہاں مراد رحمت خدا کی امید ہے کہ لوگ رحمت خدا کی آس لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور دوسری آیت میں ظاہری معنی یہ ہیں کہ رب موسیٰ ؑ نے پہاڑ پر تجلی کی، کہ اس سے مراد ایک نور کا پہاڑ پر ظہور ہے اس آیت میں پہلے خود خدا فرما چکا ہے ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔" لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو یعنی یہ کہنا مقصد تھا کہ پہاڑ پر جو نور چمکے گا وہ مخلوق خدا ہے چونکہ اس کا اظہار خود خدا نے کیا اور نور فرد خاص میں تعیّن نہیں رکھتا لہٰذا ﴿تَجَلَّىٰ رَبُّهُ﴾ اسے تجلی رب کے طور پر ذکر کیا اور جناب موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ ایک مخلوق نور کا دیکھنا جب ممکن نہیں تو اس کے خالق کو کیسے دیکھا جاسکتا۔

قرآن کی متشابہ آیات کی تفسیر کے لئے دوسری آیات سے مدد لینا ضروری ہے جب خداوند جسم و جسمانیات، مادہ و مادی خصوصیات سے منزہ ہے لہٰذا وہ قرآن میں فرماتا ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ اسے آنکھیں ادراک نہیں کر سکتی تو اس کا مطلب ہے کہ خدا کا دیکھنا ممکن نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

توحید خدا

خداوند کی توحید کا مطلب عام طور پر یہ لیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہے حالانکہ اس کی توحید کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ وہ واحد ہے اور احد ہے واحد یعنی جو شریک نہ رکھتا ہو اور احد یعنی جو جزء نہ رکھتا ہو بناء بر ایں توحید کا صحیح مطلب یہ ہوگا: ﴿لا جزء له، ولا ندّ له، ولا ضدّ له ولا شريك له﴾ نہ اس کی کوئی جزء ہے کہ وہ مرکب ہو، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے، نہ کوئی ضد اور نہ کوئی شریک ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿و كمال توحيده الاخلاص له و كمال الاخلاص له نفى الصفات عنه﴾

اس کی توحید کا کمال یہ ہے کہ اس کے لئے اخلاص ہو اور کمالِ اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت نے اس کی دلیل اسی خطبہ میں ارشاد فرمائی ہے:

﴿لشهادة كل صفةٍ انها غير الموصوف و شهادة كل موصوف انه غير الصفة﴾

صفاتِ خدا عین ذات ہیں، یعنی صفاتِ مخلوق میں ذات الگ چیز ہوتی ہے۔

اور صفت دوسری چیز، جیسے ہمارا علم ہے یہ ہماری ذات کے علاوہ ہے اور ہماری ذات پر عارض ہے لیکن صفاتِ خدا اس طرح نہیں ہیں بلکہ اس کا علم اس کا عین ذات ہے یعنی اس کی ذات تمام عین علم، عین قدرت و تمام حیات ہے۔ پس اس خطبہ میں خدا سے صفات زائد بر ذات کی نفی مراد ہے، ہماری صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ ایک دوسری کی عین ہیں لیکن صفاتِ خدا اس طرح نہیں ہیں بلکہ اس کی صفات بھی ایک دوسرے کا عین ہیں یعنی یوں نہیں ہے کہ اس کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں بلکہ اس کی ذات قائم مقام صفات ہے اس کی ذات تو بسیط ہے ہم اپنی تعبیرات میں اس کی ذات کے جس پہلو کو دیکھتے ہیں ایک صفت انتزاع کر کے اس پر حمل کرتے ہیں۔

صفات کمالیہ خداوند عالم، قدرت، اختیار، ارادہ، حیات، سمع، بصر، تکلم، صدق اور ازلیت ہیں یعنی خداوند عالم ہے، قادر ہے، مختار ہے، مرید ہے، سمیع و بصیر ہے، متکلم ہے، صادق ہے اور ازلی و ابدی ہے۔

سوال ۵:۔ اس کے سمیع و بصیر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ سمیع یعنی سننے والا اور بصیر یعنی دیکھنے والا، کیا خدا بھی ہماری طرح سنتا اور دیکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آلات سمع و بصر کے ذریعے دیکھنا اور سننا بشر کی صفات میں سے ہے خدا کا دیکھنا اور سننا اس لحاظ سے ہے کہ تمام دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی اشیاء کا وہ عالم ہے اور کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے وہ اپنے علم نامتناہی کے ساتھ ان

Presented by Ziaraat.Com

چیزوں سے آگاہ ہے یہی وجہ ہے کہ علماء ان صفات کو الگ ذکر نہیں کرتے بلکہ صفت علم میں داخل شمار کرتے ہیں کیونکہ انسان اپنی آنکھ اور کان کے ذریعے ان چیزوں کو دیکھ کر اور سن کر ان کا عالم ہوتا ہے اور خداوند ان اعضاء کے بغیر مکمل طور پر ان سے آگاہ ہے لہٰذا انسان کی نسبت بطریق اولیٰ اسے سمیع و بصیر کہہ سکتے ہیں تمام عالم اس کی بارگاہ میں حاضر ہے لہٰذا وہ بغیر کسی آلہ و عضو کے سمیع و بصیر ہے۔

سوال ۶:۔ خداوند کے حی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ خدا حی ہے یعنی زندہ ہے لیکن اس کے زندہ ہونے کا وہ مطلب نہیں ہے جو غیر خدا میں حیات کا ہے، غیر خدا حی ہے یعنی اسے ایک صفت عارض ہے وہ جدا ہو جائے تو وہ زندہ نہیں رہے گا بلکہ خدا میں حیات کا مطلب علم و قدرت ہے وہ حی ہے یعنی وہ عالم و قادر ہے۔

متکلم

اس سے بھی مراد وہ نہیں ہے جو مخلوق میں مراد ہے مخلوق متکلم ہے یعنی آلہ تکلم کے ذریعے کلام کرتا ہے لیکن خداوند میں متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی جسم میں یا فضا میں حروف اور آوازیں ایجاد کرتا ہے اپنی قدرتِ کاملہ سے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تو وہاں درخت میں کلام ایجاد کی۔ وہ آسمان میں ایجاد کرتا ہے اور ملائکہ سنتے ہیں، یا آسمان میں الواح میں ایجاد نقوش کرتا ہے اور ملائکہ اسے پڑھتے ہیں اور وحی لے آتے ہیں یا خدا اسے انبیاء اور اوصیاء کے قلوب میں ایجاد فرماتا ہے۔

تکلم خدا کی ذاتی صفات میں سے نہیں ہے بلکہ صفات فعل میں سے ہے جو کہ حادث ہوتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا محل حوادث ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایسا فعل انجام پاتا ہے تو ہم ایسی صفت خدا کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اسے متصف کرتے ہیں کہ وہ متکلم ہے۔

صفاتِ کمالیہ میں سے یہ ہے کہ وہ معانی و حروف کا عالم ہے اور ان کے ایجاد پر قادر ہے یہ دونوں یعنی علم و قدرت صفاتِ قدیمہ میں سے ہے اور عین ذات ہیں۔

قادر

قدرت خدا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ**۔ (ھود:۱۰۷)

بناء برین یہاں اس طرح کے سوال ہو سکتے ہیں کہ وہ کیا اپنے جیسا بنا سکتا ہے اور سوئی کے سوراخ سے اونٹ گزار سکتا ہے یا انڈے میں اس کائنات کو داخل کر سکتا ہے۔ ان سب سوالات کے جوابات معصومین علیہم السلام نے ارشاد فرمائے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

ان سب سوالوں کا جواب بطور اجمال یہ ہے کہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ قدرت اس چیز کے متعلق ہوتی ہے جسے عقل وخرد ممکن شمار کرے لیکن جو چیزیں امکان ذاتی نہیں رکھتی عقل انہیں محال وممتنع شمار کرتی ہے وہ متعلق قدرت قرار نہیں پاسکتیں۔ یعنی کسی شیٔ کے وجود پذیر ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک انجام دینے والا اس کام کی قدرت رکھتا ہو، دوسرا اس عمل میں قابلیت ہو کہ جسے فلسفہ کی اصطلاح میں قابلیت محل سے تعبیر کیا جاتا ہے اب اگر ایک فعل وعمل کسی شیٔ کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو یہ نقص اس عمل کا ہے نہ کہ قادر کی قدرت میں نقص ہے متعلق قدرت اس قابل نہیں ہے نہ کہ قادر کی قدرت میں نقص پایا جاتا ہے مثلاً کسی بہت ماہر درزی سے کہیں کہ اس مٹی کے ڈھیر سے ایک قمیص سی کر دو تو وہ کہے گا کہ مٹی تو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے قمیص تیار ہو سکے یہاں یہ کوئی بھی نہیں کہے گا کہ یہ درزی ماہر نہیں ہے۔

پس جو امور طبعاً اور ذاتاً محال ہیں وہ قدرت کے قلمرو سے خارج ہیں۔

ان کے مورد میں لفظ قدرت کا استعمال صحیح نہیں ہے اور شریک خداوند کا محال ذاتی ہونا قطعی ادلہ سے ثابت ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خداوند اس پر قادر نہیں ہے جیسا کہ حضرت امیر علیہ السلام سے سوال ہوا کہ خداوند آیا اس کائنات کو انڈے میں جگہ دے سکتا ہے تو حضرتؑ نے فرمایا: خداوند کو عجز سے متصف نہیں کر سکتے لیکن یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

یہ کام بھی ذاتاً محال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظرف مظروف سے بڑا ہونا چاہئے پس انڈا کائنات سے بڑا ہو دوسری طرف سے کائنات بڑی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات انڈے سے بڑی ہو یہ جمع بین نقیضین ہے جو کہ ذاتاً محال ہے۔

صفاتِ سلبیہ

(۱) وہ صفات جو خدا میں نہیں پائی جاتی اور ان کی خدا سے نفی کرنا ضروری ہے صفات سلبیہ کہلاتی ہے۔ خداوند واحد ہے یعنی شریک نہیں رکھتا اس کے لئے شریک نہ ہونا کئی جہات سے ہے نہ ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں، نہ عبادت میں اور نہ افعال میں۔

جیسے وجود صانع فطری و بدیہی ہے اسی طرح اس کی وحدت بھی فطری ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو اس کی طرف سے بھی انبیاء وصحف نازل ہوتے جبکہ ایسا نہیں ہوا۔

(۲) حق تعالیٰ مرکب نہیں ہے وہ چونکہ احد ہے جزء نہیں رکھتا۔ وہ بسیط مطلق ہے کیونکہ اگر وہ جزء رکھتا ہو تو اس جزء کا محتاج ہوگا اور جب محتاج فرض کر لیا تو وہ ممکن الوجود ہوگا جبکہ وہ واجب الوجود بالذات ہے اسی سے ثابت ہوگیا کہ خداوند کا جسم بھی نہیں ہے کیونکہ جسم بھی مرکب ہے اجزاء سے اور یہ بھی

Presented by Ziaraat.Com

ثابت ہو گیا کہ وہ مکان میں اور کسی جہت میں نہیں ہے کیونکہ جو بھی مکان یا جہت میں ہوتا ہے وہ یا جسم ہے یا جسم میں حلول کئے ہوئے ہے اسی طرح حرکت اور انتقال بھی اس میں محال ہوں گی کیونکہ یہ سب جسم وجسمانیات کے احوال ہیں۔

(۳) وہ مثل نہیں رکھتا ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ وہ کوئی شبہ ونظیر نہیں رکھتا جو اس کی ذات، صفات و افعال میں اس کا شریک ہو اور نہ وہ ضد رکھتا ہے جو اس کے ساتھ معارضہ کر سکے اور وہ خلقت میں نہ کوئی مددگار و معاون رکھتا ہے بلکہ سب اس کی ذات کے محتاج ہیں اپنے وجود میں بھی اور بقاء وجود میں بھی اور قطعاً شیعہ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدا نے کائنات کی خلقت و رزق ایسے امور آل محمدؑ کے حوالے کر رکھے ہیں یہ ہستیاں اس مقصد کے لئے اس دنیا میں نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ ان کے وجود کا مقصد لوگوں کی خدا کی طرف رہنمائی کرنا تھا اور لوگوں کو خدا تک پہنچانے کیلئے وسیلہ بننا تھا، کائنات کے امور کو خدا اپنی تدبیر احسن کے ذریعے مدبرات و موکلات کے ذریعے انجام دے رہا ہے، البتہ آل محمدؑ کی شفاعت و سفارش کے ذریعے وہ بلاؤں کو رد کرتا ہے، بے رزق کو رزق عطا فرماتا ہے یا اجل غیر حتمی کو ٹال دیتا ہے جیسا کہ روایات سے یہ امور بطور مسلّم ثابت ہیں۔

(۴) وہ قابل رویت نہیں ہے اسے نہ دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے نہ آخرت میں۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

(۵) خداوند عالم محل حوادث نہیں ہے۔

یعنی مختلف حوادث اس پر طاری نہیں ہوتے جیسے: سہو ونسیان، لذت، الم و درد، بیماری، جوانی و پیری، کھانا پینا یا اکتاہٹ وغیرہ کیونکہ ان حالات سے متصف ہونا عجز کی علامت ہے اور احتیاج کو ثابت کرتا ہے جبکہ خداوند ہر قسم کے عجز و احتیاج و نقص سے منزہ و پاکیزہ ہے۔

(۶) وہ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے کیونکہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد، عیسائی عقیدہ تثلیث یعنی پدر، پسر اور زن موجب شرک ہے جو کہ درست نہیں ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کئے ہوئے ہے جیسے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا خدا ان میں حلول کئے ہوئے ہے یا خدا ان کے ساتھ متحد ہے یہ سب مستلزم عجز و نقص ہیں جو کہ عین کفر ہے۔ متصوفہ میں سے بعض بھی ایسے کفریہ عقائد رکھتے ہیں اور ائمہؑ نے ان سے اظہار برائت فرمایا ہے، حسین بن منصور حلاج نے ایسا عقیدہ اظہار کیا کہ لیس فی جُبتی سوی اللہ۔

Presented by Ziaraat.Com

میرے اس لباس میں خدا کے سوا کچھ نہیں ہے اور امام زمانہ علیہ السلام کی توقیع میں اس پر لعن فرمائی گئی ہے۔

قرآن کریم میں بیانِ توحید

پہلے توحید کی چار جہات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کے ذریعے توحید ذات کو بیان فرمایا ہے مختلف آیات میں توحید صفات کی طرف اشارہ ہوا ہے اور ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (انبیاء:۲۵) میں توحید در عبادت بیان ہوئی ہے اور توحید افعالی یہ ہے کہ تمام کائنات کا خالق وہ ہے وہی مسبب الاسباب اور علۃ العلل ہے اس کے مقابل کوئی مستقبل مدبر و مسبب نہیں ہے جو بھی ہے اسی کے منشاء سے ہے وہ فرماتا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ﴾ (فاطر:۳) یعنی اے لوگو! تم اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو کیا اس کے علاوہ کوئی اور خالق ہے جس نے تمہیں نعمت وجود سے سرفراز فرمایا۔ وہی تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، پس تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

توحید افعالی کے چھ جہات ہیں یعنی اگر ان چھ جہات میں توحید کے قائل ہوں گے تب آپ کی توحید افعالی مکمل ہوگی۔

(۱) توحید خالقیت:۔ یعنی خدا کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے۔ وہ فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ﴾ (انعام:۱۰۲)

(۲) توحید حاکمیت:۔ انسان کی آزادی کا اصول ایک مسلمہ اصول ہے لہٰذا کسی بشر کو اس پر حق حاکمیت حاصل نہیں ہے خدا ہی حاکم مطلق ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ﴾ (یوسف:۴۰)

(۳) توحید اطاعت:۔ خدا کے علاوہ بطور مستقل علی الاطلاق کوئی بھی اطاعت کا حق نہیں رکھتا۔ انبیاء و معصومین علیہم السلام کی اطاعت اطاعتِ خدا ہی کا مظہر ہے کیونکہ اطاعت مطلقہ مالکیۃ ومملوکیت کے مربوطہ احکام میں سے ہے جو کہ صرف خداوند کے لئے ثابت ہے حتیٰ اطاعت رسولؐ کے لئے بھی یوں فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (نساء:۶۴) کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ خدا کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۴) توحید تشریع:۔ قانون وہی بنا سکتا ہے جو روح انسانی کے تمام پہلوؤں سے مکمل شناسائی رکھتا ہو اور

Presented by Ziaraat.Com

ان کی اصلاح پر انتہائی مہارت رکھتا ہو اور خود نفع ونقصان سے برتر ہو ایسی ذات صرف ذاتِ خدا ہے۔

(۵) توحید ربوبیت:۔ یعنی اس کائنات کا مدیر ومدبر وہی ہے ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ (رحمٰن، آیت:۱۷)، یا فرمایا: ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (جاثیہ، آیت:۳۶)

(۶) توحید مالکیت:۔ حقیقی مالک خدا کی ذات ہے ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران:۱۸۹)

سوال ۶:۔ توحید کی ادلّہ میں سے ایک دلیل قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کہ اگر زمین وآسمان میں اللہ کے غیر کئی خدا ہوتے تو زمین وآسمان میں فساد بپا ہو جاتا ہے۔ اسے برہان تمانع کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خداؤں کا متعدد ہونا کیوں موجب فساد ہے ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ دو خدا مل کر اس نظام کو چلائیں۔

جواب:۔ اس کے دو بیان ہیں ایک علمی اور دوسرا فلسفی۔

(۱) ایک کتاب کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ ایک شخص نے لکھی ہے یا چند اشخاص نے۔ اگر ایک نے لکھی ہوگی تو اس کے جملات، عبارات، اسلوب، باب بندی اور مطالب میں ایک خاص ہم آہنگی ہوگی کیونکہ یہ ایک فکر ونظر کا نتیجہ ہے لیکن اگر دو افراد نے لکھی ہو تو ایسی ہم آہنگی اس میں نظر نہیں آئے گی، یہ کائنات بھی ایک کتاب تکوین ہے اس کی تمام سطور وابواب واسلوب میں کمال نظم وہم آہنگی موجود ہے یہ بات دنیا کے تمام سائنس دان، دانشمند اور علماء تسلیم کرتے ہیں، کہیں بھی اس کے نظم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہوا اس کائنات پر قانون جاذبہ ودافعہ کی حکومت ہے، قانون علت ومعلول سب میں جاری ہے تولید نسل کا سلسلہ ہر جاندار میں جاری وساری ہے، یہ سب آثار ایک خاص وحدت ونظم رکھتے ہیں اگر بنانے والے دو ہوتے تو قطعاً اس طرح کی وحدت اس کائنات کے اجزاء میں نظر نہ آتی۔

ہشام بن حکم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ خدا کی توحید پر کیا دلیل ہے تو آپؑ نے فرمایا: ﴿اتصال التدبیر وتمام الصنع کما قال اللّٰہ: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ اس کائنات کے نظام میں اتصال اور صناعت کی تکمیل اسکے خالق کی وحدت کی دلیل ہے جیسا کہ خود خداوند نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ (بحار، ج ۳، ص ۲۰)

(۲) دوسرا بیان فلسفی ہے کہ اگر کائنات پر دو خدا کی حکومت ہو تو یا تو یہ دونوں ایک جیسے ہوں گے یا ایک

Presented by Ziaraat.Com

دوسرے کے مباین ہوں گے، اگر ایک دوسرے کے مماثل ہوں تو یقیناً ایک جہت ایسی ہوگی جس میں دونوں کا اختلاف ہوگا ورنہ دو نہیں ہو سکیں گے اور اس کا لازمہ ترکیب ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خداوند بسیط ہے نہ کہ مرکب ہے پس دو خدا ہوں جو ایک دوسرے کے مکمل مباین ہوں اور ان میں کسی قسم کا اشتراک نہ ہو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دو موجود مباین کے آثار و افعال بھی آپس میں مباین ہوں گے یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں کا اثر ایک جیسا ہو، جب ایسے دو خدا اس کائنات کے حاکم ہوں گے کہ جن کی تدبیر ایک دوسرے کے مباین ہو تو اس کائنات میں نظم باقی نہیں رہے گا جس کے نتیجہ میں یہ کائنات باقی نہیں رہے گی، سورہ مؤمنون، آیت: ۹۱ میں اس استدلال کی طرف اشارہ ہے۔

سوال ۷:۔ کیوں خدا سے ڈرنا چاہئے جبکہ وہ تو غفور و رحیم ہے پھر روایات و قرآن میں یہ کیوں کہا گیا ہے کہ خدا سے ڈرو؟

جواب:۔ یہ بات تو مسلّم ہے کہ خوف انسان میں نعمت الٰہی ہے اگر صحیح جگہ پر ہو۔ اسی سے انسان محتاط ہو جاتا ہے اور بہت سے خطرات سے بچ جاتا ہے ہیپاٹائیٹس والے کے استعمال شدہ بلیڈ وغیرہ استعمال کرنے سے ڈرتا ہے اسی وجہ سے اس مرض کی سرایت سے بچ جاتا ہے، اس طرح خوف اگر انسان کے اندر نہ ہوتا تو پھر بہت سے انسان تلف ہو جاتے، البتہ یہ ضروری ہے کہ خوف منطقی اور عقلائی ہونا چاہئے یعنی انسان انہی چیزوں سے ڈرے جو واقعاً خطرناک ہیں، بعض چیزیں ایسی نہیں ہیں ان سے ڈرنا بزدلی کہلاتا ہے جو کہ شکست و ناکامی کا باعث بنتا ہے، جہاں بہانگ دہل آگے بڑھنا چاہئے وہاں پیچھے ہٹ جانا یہ بزدلی ہے، قرآن کہتا ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النازعات:۴۰)

جو بھی مقام پروردگار سے ڈرے اور نفس کو خواہشات سے روکے۔

یہاں خدا سے ڈر کو مقام خدا سے ڈر سے تعبیر کیا گیا ہے، مقام خدا کیا ہے اس سے مراد خدا کی عدالت و انصاف ہے، خدا کے عدل و انصاف سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے جن کے اعمال اچھے ہیں انہیں یہ ڈر نہیں ہے، وہ جن کا نامہ اعمال سیاہ ہے وہ عدالت خدا سے ڈریں گے کیونکہ اگر خداوند ان کے ساتھ عدل و انصاف سے فیصلہ فرمائے گا تو پھر وہ جہنم میں جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی عدالت سے ڈرنے کا مطلب اپنے اعمال بد سے خوف ہے پس جہاں پر خدا سے ڈرنے کی بات ہوئی ہے وہاں صرف یہی مراد ہے، حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے: ﴿ولا یخافنّ الّا ذنبه﴾ (نہج البلاغہ، کلمات قصار) ''ہر شخص کو صرف اپنے گناہ سے ڈرنا چاہئے۔''

سوال ۸:۔ جب خدا سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے تو پھر اولیاء اللہ اور معصومینؑ میں کیا کہیں گے وہ بھی سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے تھے؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب :۔ جتنا ان کا مقام و مرتبہ بلند ہے اتنا ہی خدا کے سامنے ان کی جوابدہی زیادہ ہے اسی بناء پر وہ ہم سے زیادہ خوف خدا رکھتے تھے اس کے علاوہ وہ ہمارے لئے نمونہ و اسوہ تھے لہٰذا انہوں نے خدا کی عبادت اور اس سے خوف کے انتہائی عالی عملی نمونے پیش کئے تا کہ ہمارے لئے مشعل راہ رہیں۔

سوال ۹:۔ خداوند کے صفات ثبوتیہ میں قدرت اور ارادہ کا ذکر ہوا ہے ان کی وضاحت کریں۔

جواب :۔ قادر اسے کہتے ہیں جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی استعداد رکھتا ہو یعنی کام کا کرنا یا نہ کرنا اس کے لئے برابر ہو۔ چاہے تو کرے چاہے تو نہ کرے، اس فاعل کو فاعل مختار کہتے ہیں، اس کے مقابل فاعل موجب ہے یعنی جو فاعل کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار نہ ہو جیسے آگ حرارت کے لحاظ سے فاعل موجب ہے۔

بعض قدیم حکماء اور فلاسفہ خداوند کو فاعل موجب سمجھتے تھے کہ خداوند سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ بغیر ارادہ و اختیار کے ہے چونکہ اثر علت موجبہ سے متاخر نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ عالم قدیم ہے۔

لیکن یہ عقیدہ واضح البطلان ہے جسے علم کلام میں دلیلوں کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔

بعض دوسرے فلاسفہ خداوند کو فاعل مختار سمجھتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں چونکہ اس کی مشیت ازل سے اس کائنات کی خلقت کے بارے تھی لہٰذا یہ عالم زمانے کے لحاظ سے قدیم ہے یعنی صرف رتبہ کے لحاظ سے واجب الوجود سے متاخر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خداوند فیاض مطلق ہے لہٰذا اس کا فیض کبھی منقطع نہیں ہوسکتا لہٰذا کوئی ایسا زمانہ فرض نہیں ہوسکتا کہ اس میں افاضہ وجود نہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فیاض مطلق وہ ہے لیکن اسے فیض کے لئے محل قابل کی ضرورت ہے یعنی وہ ظرف ہونا چاہیئے جو خداوند سے فیض لے سکے اور ہر شئ قابلیت و ظرفیت اس کے ایجاد کی مصلحت سے مربوط ہے، اگر ایک شئ کے ایجاد کی مصلحت نہ ہو تو اس کی ظرفیت بھی نہیں ہوگی۔

عموم قدرت

اس کی قدرت عام ہے تمام مقدورات کے متعلق ہوتی ہے وہ ہر شئ کے ایجاد پر قادر ہے اور عجز و ناتوانی سے اس کی ذات منزہ ہے، چونکہ اس کی قدرت کا منشاء اس کی ذات ہے اور تمام ممکنات کی نسبت اس کی ذات سے برابر ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس کی قدرت محالات کے متعلق نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت صفات ذات الاضافہ میں سے ہے کہ جس کے ساتھ دوسری طرف کی ضرورت ہے یعنی ایک قادر ہے تو مقدور بھی ہونا چاہئے، قادر کی قدرت تمام و کامل ہو تو مقدور میں بھی قابلیت موجود ہونی چاہئے تا کہ اس پر قدرت کا اثر ظاہر ہو سکے اور جو شئ محال ہے وہ اصلاً قابل وجود نہیں ہے لہٰذا قدرت اس کے متعلق ہی نہیں ہوتی لہٰذا قدرت خدا میں کوئی نقص نہیں ہے بلکہ امر محال میں نقص ہے کہ وہ

Presented by Ziaraat.Com

قابل وجود نہیں ہے۔

اس نظریہ عموم قدرت کے مقابل پانچ نظریات ہیں جو کہ جوابات کے ساتھ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک نظریہ نظام کا ہے کہ خداوند فعل قبیح پر قادر نہیں ہے کیونکہ وہ عادل ہے لہٰذا فعل قبیح اس سے صادر نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عادل فعلِ قبیح نہیں کرتا نہ کہ کرنہیں سکتا۔ نہ کرنے اور نہ کرسکنے میں فرق واضح ہے۔

ارادہ خداوند کا بیان

انسانوں کے اختیاری افعال میں ارادہ کا مطلب وہ علم ہے جو کسی کام کے فائدے کے بارے میں ہو اور شوق مؤکد سے حاصل ہوتا ہے، بندے میں اس ارادہ کے مقدمات درج ذیل ہیں: الف: فائدہ کا تصور، ب: فائدہ کی تصدیق و اذعان۔ اور ج: پھر شوق مؤکد و عزم و جزم حاصل ہے کہ جس کے بعد انسان کے اعضاء میں اس فعل کے انجام کی حرکت پیدا ہوتی ہے اور فعل اس سے صادر ہوتا ہے، اس بناء پر اعضاء کی حرکت دینے والا آخری مقدمہ ارادہ ہے۔

لیکن خداوند میں ارادہ کا مطلب علم بصلاح ہے اور جو مقدمات ارادہ کے لئے انسانوں میں بیان ہوئے خداوند کے بارے یہ محال ہیں چونکہ یہ مقدمات عوارض اور حالات ہیں جو فاعل پر طاری ہوتے ہیں جبکہ خداوند محل حوادث نہیں ہے۔

خداوند فعل کو ایجاد کرتا ہے از روئے علم بصلاح

ارادہ کے معنی اور اس کے صفت ذات یا صفت فعل ہونے میں حکماء اور متکلمین کے درمیان اختلاف ہے، متکلمین نے اسے صفت فعل شمار کیا ہے تا کہ صفت ذات ماننے سے عالم کا قدیم ہونا لازم نہ آئے لیکن فلاسفہ نے ارادہ کو صفت ذات شمار کیا ہے، اور حق یہ ہے کہ ارادہ صفت ذات ہے اور اس سے عالم کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ اگر ارادہ علم مطلق ہوتا یعنی خود فعل کے بارے علم، تو یہ لازمہ ممکن تھا لیکن ارادہ علم مطلق نہیں ہے بلکہ علم بصلاح فعل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند ازل سے یہ بات جانتا ہے کہ فلان کام فلان وقت مصلحت رکھتا ہے یہی علم باعث بنتا ہے کہ وہ شئ اسی خاص وقت میں خداوند ایجاد کرے لہٰذا مراد ارادہ سے جدا نہیں ہوگی اور عالم کا قدیم ہونا بھی لازم نہیں آئے گا یہاں مزید وضاحت کے لئے عرض یہ ہے کہ ایجاد بمعنی مصدری یعنی خلق کرنا ایک ربط ہے موجِد اور موجَد کے درمیان اور یہ امر حادث ہے، ایک ایجاد بمعنی اسم مصدری ہے یعنی وہ چیز جو ایجاد بمعنی مصدری کے نتیجہ میں حاصل ہو یعنی فعل خداوند اور مخلوقات، یعنی افعال خداوند سے مراد مخلوقات ہیں اور ایجاد بمعنی مصدری کو روایات میں ''مشیت'' سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ روایات میں ہے ﴿خلقت الاشياء بالمشية و خلقت المشية بنفسها﴾ یعنی میں نے اشیاء کو مشیت کے ساتھ خلق کیا اور مشیت خود بخود موجود ہوئی ہے کیونکہ جب مخلوق ایجاد خدا سے موجود ہوتی ہے تو ایجاد خود بخود موجود ہو جاتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے، ایجاد کو ایک اور ایجاد کے ذریعے موجود کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (کلم الطیب)

ارادہ کے بارے میں چھ اور قول ہیں۔

حسن بصری قائل تھے کہ ارادہ خدا میں افعال کے مصالح کے بارے میں خداوند کا علم، لیکن یہ حکمت ہے نہ کہ ارادہ، حکمت یعنی ان تمام مصالح و فوائد کا علم جو فعل پر مترتب ہوتے ہیں۔ جبکہ ارادہ علم بصلاح فعل ہے یہ کہ فلان فعل فلان وقت میں صلاح رکھتا ہے چونکہ اس وقت اس پر یہ فوائد و مصالح مترتب ہیں، حکیم و مرید میں فرق ہے۔

امام بخاری کے نزدیک ارادہ یعنی مغلوب و مقہور نہ ہونا، یہ اس قول کی بناء پر ہے کہ جو صفات ثبوتیہ کو صفات سلبیہ کی طرف لوٹاتے ہیں قادر ہے یعنی عاجز نہیں ہے عالم ہے یعنی جاہل نہیں ہے پس مرید ہے یعنی مجبور نہیں ہے۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے اس لئے کہ سلب لازمہ ثبوت ہے نہ کہ عین ثبوت ہے لہٰذا ارادہ کا معنی مجبور نہ ہونا نہیں کر سکتے۔

اشاعرہ کا نظریہ یہ ہے کہ ارادہ ایک الگ صفت ہے جو علم و قدرت کے علاوہ ہے اور زائد بر ذات ہے، یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے۔

اشاعرہ تمام صفات خدا کو زائد بر ذات سمجھتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ خداوند کی صفات کمالیہ عین ذات ہیں اور سب صرف واجب الوجود سے انتزاع ہوتی ہے۔

سوال:۔ مدرک کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ خداوند کے صفات ثبوتیہ میں ادراک کو بھی ذکر کیا جاتا ہے، انسانوں میں ادراک کے معنی محسوس جزئی امور کو حواس ظاہرہ و باطنیہ کے ذریعے درک کرنا ہے جبکہ خداوند میں ادراک کے معنی جزئیات کے بارے علم کے ہیں چونکہ خداوند میں حواس کے ساتھ درک کا تصور محال ہے لہٰذا خداوند کو قرآن میں جو سمیع و بصیر و مدرک کہا گیا ہے اس سے مسموعات، مبصرات اور مدرکات یعنی امور جزئیہ کا عالم ہے پس ادراک کے معنی بھی علم کی طرف لوٹتے ہیں۔

سوال:۔ نہج البلاغہ خطبہ اول میں مولا امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

﴿و کمال توحیدہ الاخلاص لہ و کمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ﴾ یعنی توحید خداوند کا کمال خداوند کے لئے اخلاص میں ہے اور اس کے لئے کمال اخلاص اس سے صفات کی نفی میں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ صفات خداوند اس کی عین ذات ہیں اور بشر کی صفات کی طرح زائد بر ذات نہیں ہیں، یعنی بشر کی صفات میں ذات الگ چیز ہے اور صفت الگ چیز ہے، جیسا کہ صفت علم ہے یہ ہماری ذات کے غیر ہے اور ہماری ذات

Presented by Ziaraat.Com

پر عارض ہوتی ہے لیکن خداوند کی صفات اس طرح نہیں ہیں۔ اس کا علم اس کی عین ذات ہے یعنی خداوند ایسی ذات ہے کہ تمام کی تمام علم ہے قدرت ہے، حیات ہے وغیرہ، اور مولا کی مراد نفی صفات سے خداوند سے صفات زائد بر ذات کی نفی ہے۔

مزید وضاحت

ہم صفت علم بھی رکھتے ہیں اور صفت قدرت بھی، لیکن دونوں کا مقام ہمارے اندر مختلف ہے، علم ہمارے مغز و روح سے متعلق ہے اسی سے ہم مطالب کو سمجھتے ہیں اور ادراک کرتے ہیں، جبکہ قدرت کا تعلق ہمارے اعضاء و جوارح سے ہے لہٰذا ہمارے صفات نہ ہمارے عین ذات ہیں اور نہ ایک دوسرے کے عین ہیں۔

لیکن خداوند میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی ذات پوری کی پوری علم ہے قدرت ہے حیات ہے یعنی علم اس کی ذات پاک کے کسی ایک حصے سے متعلق نہیں ہے کہ قدرت اس کی ذات کے دوسرے حصے سے متعلق ہو بلکہ اس کی تمام ذات علم ہے، تمام ذات قدرت ہے، یوں اس کی صفات بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ مفہوم کے لحاظ سے اگرچہ قدرت کا وہ مفہوم نہیں ہے جو علم کا ہے یا حیات کا ہے لیکن مصداق کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں روشنی (نور) ہر شیٔ کو ہمارے لئے منور و روشن کرتی ہے یہ روشن کرنا صفات نور میں سے ہے لیکن یہ نور کے کسی ایک حصے سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا عین ہے۔

سوال :۔ خداوند کے قادر مطلق ہونے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ اپنے جیسا موجود خلق کر سکتا ہے (اگر ایسا کرے تو شریک ہونا لازم آئے گا، اگر نہ کر سکے تو قادر مطلق نہیں ہے) نیز کیا وہ اس عظیم کائنات کو انڈے میں داخل کر سکتا ہے کہ نہ کائنات چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو، نیز کیا وہ ایسا موجود خلق کر سکتا ہے کہ جسے وہ نابود نہ کر سکے۔

جواب :۔ یہ سوالات چونکہ قدرت کے بارے ہیں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ جو امر ممکن ہے عقلاً قدرت اس کے متعلق ہو سکتی ہے اور جو چیز محال ہے عقلاً قدرت اس کے متعلق نہیں ہو سکتی۔

سوال :۔ ارادہ و مشیت میں کیا فرق ہے اور ان کا مطلب کیا ہے؟

جواب :۔ یہ دونوں صفت فعل خداوند ہیں۔ بعض متکلمین کے نزدیک دونوں سے مراد ایک ہی ہے لیکن بعض دوسرے متکلمین دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ قرآنی استعمالات کے پیش نظر کہہ سکتے ہیں کہ مشیت صرف تکوینی امور میں استعمال ہوئی ہے لیکن ارادہ امور تکوینی و تشریعی دونوں میں استعمال ہوا ہے، البتہ یہ دونوں لفظ خداوند کی ایک ہی صفت سے حکایت کرتے ہیں۔

خداوند کا اپنے افعال کے بارے ارادہ ارادۂ تکوینی ہے اور بندوں کے افعال کے بارے ارادۂ تشریعیہ ہے جس

Presented by Ziaraat.Com

کا مطلب فعل کا امر کرنا ہے یا نہی کرنا ہے اور ارادہ تکوینی وہی ایجاد فعل ہے۔ علامہ طباطبائی کے نزدیک یہ ارادہ خداوند کے صفات فعل میں سے ہے انہوں نے فرمایا: یہ ارادہ جو خداوند کی طرف منسوب ہے اس کے مقام فعل سے انتزاع ہوتا ہے۔ (نہایۃ الحکمۃ، مرحلہ۱۲، فصل ۱۰)

فلاسفہ کے نزدیک ارادہ تکوینیہ کا مطلب خداوند کا یہ علم ہے کہ فعل اس کائنات کے نظام احسن سے ہم آہنگ ہے۔ (اسفار ملا صدرا، ج ۶، ص ۳۱۷)

اشاعرہ کے نزدیک خداوند کا ارادہ اس کی ایک صفت ہے غیر از علم وقدرت اور صفات ذاتی وازلی میں سے ہے۔ (شرح مواقف سید شریف، ج ۸، ص ۸۱ تا ۸۷)

بعض نے کہا: حقیقت ارادہ ابتہاج ورضا ہے جس کی دو قسمیں ہیں ابتہاج ذاتی کہ ارادہ ذاتی ہے اور ابتہاج فعلی کہ ارادۂ فعلی ہے، محقق شیخ محمد حسین اصفہانی المعروف کمپانی اس کے قائل تھے۔

اگر صفت اختیار کو صفت ارادہ سے جدا کر لیں تو صفت اختیار باقی رہتی ہے یعنی فعل کے صادر ہونے سے پہلے بھی ہے اور صادر ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس کا مطلب ہے یہ صفت ذات ہے جبکہ ارادہ اس طرح نہیں ہے پس یہ صفت فعل ہے روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ﴿اَلْمَشِيَّةُ مُحْدَثَةٌ﴾ (توحید صدوق، صفت ذات) کہ مشیت الٰہی امر حادث ہے۔

۲۔ صفوان بن یحییٰ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے ارادہ انسان کی خصوصیات ذکر کیں اور فرمایا: خداوند میں یہ سب محال ہیں پھر فرمایا: ﴿فَاِرَادَةُ اللّٰهِ هِيَ الْفِعْلُ لَا غَيْرَ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾۔ (توحید صدوق، صفات ذات، حدیث ۱۷) ارادہ خدا وہی اس کا فعل ہے نہ کہ کچھ اور وہ شیٔ کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ عاصم بن حمید نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا خداوند ازل سے مرید تھا؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُرِيْدَ لَا يَكُوْنُ اِلَّا الْمُرَادُ مَعَهٗ بَلْ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا قَادِرًا ثُمَّ اَرَادَ﴾ ترجمہ: مرید ہے تو مراد بھی ساتھ ہوگی، بلکہ خدا ہمیشہ سے قدر کا عالم رہا ہے اور پھر ارادہ کیا۔ (توحید صدوق، صفات ذات)

۴۔ بکیر بن اعین نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا خداوند میں علم ومشیت ایک ہی ہے یا مختلف؟ فرمایا: علم غیر از ارادہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں ان شاء اللہ ہم فلان کام کریں گے یعنی اگر خدا نے چاہا تو۔ لیکن ان علم اللہ نہیں کہتے کہ اگر خدا جانتا ہے تو میں یہ کام کروں گا۔ ہم جو ان شاء اللہ کہتے ہیں اس کا مطلب

Presented by Ziaraat.Com

ہے اس سے پہلے مشیت نہیں تھی، جب اس کی مشیت کسی کام کے بارے متعلق ہو جاتی ہے تو وہ ہو جاتا ہے اور اس کا علم اس کی مشیت پر سابق ہے۔ (توحید صدوق، صفات ذات)

۵۔ امام رضاؑ نے فرمایا: ﴿المشیۃُ و الارادۃُ مِنْ صِفَاتِ الْاَفْعَالِ﴾ یعنی مشیت وارادہ خداوند کی صفت فعل ہے۔ (توحید صدوق، صفات ذات)

۶۔ نیز آپ نے عمران صابی کے ساتھ مناظرہ میں فرمایا: ﴿و اعلم اَنَّ الْاِبْدَاعَ وَالْمشیۃ وَالْاِرَادَۃُ معناھا وَاحِدٌ وَ اَسْمَائُھا ثَلَاثَۃٌ﴾ (توحید صدوق، صفات ذات) یہ تین نام ہیں لیکن مطلب ایک ہے۔ (استفادہ از کتابخانہ تبیان، انٹرنیٹ)

خداوند کے علیم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ چونکہ خداوند کے افعال اس کے صفات ذاتیہ جیسے علم، قدرت، کمال کی محبت سے سرچشمہ پاتے ہیں۔ لہٰذا ہمیشہ ایسے ہوں گے کہ مصلحت دار ہوں یعنی زیادہ سے زیادہ کمال وخیر کے حامل ہوں گے ایسے ارادہ کو ارادۂ حکیمانہ کہتے ہیں اور مقام فعل سے صفت حکیم انتزاع ہوتی ہے۔ اور اس کائنات کی خلقت مظہر حکمت خدا ہے یعنی خداوند نے اس کائنات کو اس طرح خلق کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کمال وخیر اس پر مترتب ہو، اور یہ بھی حکمت کا تقاضا ہے کہ خداوند مخلوق کو اس کے کمال مطلوب تک پہنچائے لیکن چونکہ یہ عالم عالم تزاحم ہے یعنی موجودات کے کمالات ایک دوسرے سے ٹکراؤ رکھتے ہیں لہٰذا حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ ان میں اس طرح نظم برقرار ہو کہ زیادہ سے زیادہ کمال وخیر ان پر مترتب ہو سکے یعنی کائنات نظام احسن رکھتی ہو، اب آپ دیکھیں کس طرح زمین میں وہ اجزاء متفرق ہیں جو پودوں کی پیدائش و پرورش کا سبب ہیں، یہی پودے جانوروں کی غذا بنتے ہیں ان میں نطفہ تشکیل پاتا ہے اور نسل بڑھنے کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ اگر کائنات میں یہ نشوونما کا سلسلہ برقرار نہ ہو پاتا تو یہ خلاف حکمت تھا، لیکن کائنات کے سسٹم میں کوئی نقص نہیں ہے لہٰذا خداوند حکیم مطلق ہے، ہم اس کائنات سے استفادہ کرنے میں جہالت کا شکار ہوتے ہیں اور کما حقہ ان مواہب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہ کمی ہماری طرف سے ہے اس حکیم مطلق نے کمال مطلوب اور خیرات کے حوالے سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

سب چیزوں کا خالق خدا ہے، خدا کا خالق کون ہے؟

بعض دفعہ ایسا سوال ذہن میں آجاتا ہے کہ اس کائنات کو خدا نے خلق کیا ہے تو خدا کو کس نے خلق کیا ہے؟ برٹرینڈرسل مشہور انگریز فلسفی جسے سیاست نے فلسفی بنا دیا، اپنی کتاب ''میں کیوں مسیحی نہیں ہوں'' میں لکھتا ہے: میں ایک مدت تک خدا کا قائل تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کائنات کا خالق خدا ہے لیکن بعد میں متوجہ ہوا کہ اگر یہ بات مانتا ہوں تو

Presented by Ziaraat.Com

قانون علت و معلول کا انکار کرنا ہوگا چونکہ اس عقیدے کے مطابق ہر چیز کا خالق خدا ہے اور خدا کا کوئی خالق نہیں ہے یعنی ہر چیز کی علت ہے اور کوئی موجود بغیر علت کے نہیں ہوسکتا لیکن خدا کی علت کوئی نہیں۔ یہ اس مشہور قانون کے خلاف ہے لیکن میں اس عقیدہ کو چھوڑ کر مادی ہوگیا، آپ نے دیکھا جہالت کا عظیم مظاہرہ کیوں کہ عربی کی ضرب المثل ہے "فرّ من المطر و قام تحت المیزاب" بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ مادیوں سے پوچھیں کہ ہر چیز کی علت مادہ ہے اور مادہ کی علت کیا ہے تو وہ کہیں گے اس کی کوئی علت نہیں ہے رسل صاحب نے یہ کیوں نہ سوچا کہ یہی خلاف قانون اسے نظریہ مادی میں پیش آئے گا جبکہ الٰہی ہونے کی صورت میں تو ایسا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور نہ ضرورت ہے الٰہی مذہب چھوڑنے کی، صرف ایک مغالطہ دور کرنے کی ضرورت ہے ایک ہوتا ہے موجود۔ اور ایک ہوتا ہے معلول، ان دونوں میں برابر کی نسبت نہیں ہے کہ ہر موجود معلول ہے۔ نہ معلول ہر موجود نہیں ہے بلکہ جو چیز بھی پہلے نہ ہو اور پھر ہو جائے وہ ضروری ہے کہ کسی علت کی معلول ہو، یعنی ہر ممکن کی علت ضروری ہے اگر ایک ممکن موجود ہونا چاہے تو بغیر علت کے موجود نہیں ہوسکتا۔ نہ کہ ہر موجود کے لئے علت کی ضرورت ہے، بلکہ جو موجود ہمیشہ سے ازل سے ہو، وہ بے نیاز مطلق ہے اسے علت کی ضرورت نہیں ہے خداوند موجود ازلی وابدی ہے، کبھی بھی وہ فاقد وجود نہیں تھا کہ وجود کے لئے اسے علت کی ضرورت پڑے، لہٰذا خدا کے لئے علت کی تلاش درحقیقت اس کے وجود کی حقیقت سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ تسلسل کے بطلان کے پیش نظر ایسا وجود عقلاً ماننا پڑے گا کہ جو ازلی وابدی ہو یعنی سلسلہ ہستی ایک موجود پر جا کر متوقف ہو کہ وہ موجود صرف علت ہو اور معلول نہ ہو، ہستی بخش ہو نہ کہ ہستی پذیر ہو۔ مفیض ہو نہ کہ مستفیض ہو، ایک فلسفی قاعدہ ہے ﴿کلّ مابالعرض لا بدّ ان ینتھی الی مابالذات﴾ کہ ہر ما بالعرض کا ما بالذات پر اختتام ہونا ضروری ہے۔ سب کائنات ما بالعرض ہے اور خداوند ما بالذات ہے جیسے مثال دیتے ہیں کہ ہر چیز کی رطوبت پانی سے ہے اور پانی کی رطوبت ذاتی ہے۔ ہر چیز میں سفیدی بیاض (سفیدی) سے ہے اور بیاض کی سفیدی ذاتی ہے۔

توحید کا مزید بیان

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں: ﴿قال لی ابو جعفر علیه السلام اِنَّمَا یَعْبُدُ اللّٰهَ مَنْ یَعْرِفُ اللّٰهَ فَاَمَّا مَنْ لَا یَعْرِفُ اللّٰهَ فَاِنَّمَا یَعْبُدُهُ هٰکَذَا ضَلَالًا، قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَمَا مَعْرِفَةُ اللّٰهِ؟ قَالَ تَصْدِیْقُ اللّٰهِ وَ تَصْدِیْقُ رَسُوْلِهٖ وَ مُوَالَاةُ عَلِیّ علیه السّلام وَالْاِئْتِمَامُ بِهٖ وَبِاَئِمَّةِ الْهُدٰی وَالْبَرَائَةُ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَدُوِّهِمْ هٰکَذَا یُعْرَفُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ﴾ (اصول کافی، ج ۱، ص ۱۸۰، باب معرفۃ الامام)

امام محمد باقرؑ نے ابوحمزہ ثمالی سے فرمایا: صرف وہی خدا کی عبادت کرتا ہے جو خدا کی معرفت رکھتا ہے اور جو خدا کی معرفت نہیں رکھتا وہ اسی طرح گمراہی کے ساتھ عبادت خدا کرتا ہے اور معرفت خدا صرف یہ نہیں کہ خداوند ایک ہے

Presented by Ziaraat.Com

اس نے ہمیں خلق کیا بلکہ معرفت خدا سے مراد خدا کی معرفت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اور علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا اقرار اور ان کی پیروی اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی ولایت و پیروی اور ان کے دشمنوں سے اظہار برأت کرنا۔ یہ حقیقت معرفت خدا اور توحید ہے۔ عبدالرحمٰن بن کثیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا: ﴿فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (روم:۳۰) قَالَ هِیَ التَّوْحِیْدُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾۔ (بحار، ج ۳، ص ۲۷۰، باب ۱)

امام علیہ السلام نے آیت فطرت کے بارے فرمایا کہ یہ توحید ہے۔ رسالت رسول خداؐ ہے اور ولایت علی مرتضیٰؑ ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: ﴿کَلِمَةُ التَّوْحِیْدِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ﴾ یعنی کلمہ توحید صرف لا الٰہ الا اللہ کہنا نہیں ہے بلکہ ساتھ رسالت رسولؐ اور ولایت علیؑ کا اقرار بھی ضروری ہے۔

یہاں سے ان احادیث کا معنی سمجھ آتا ہے کہ جن میں معصومین علیہم السلام فرماتے ہیں: ﴿بنا عُبِد اللّٰه و بنا عُرِف اللّٰه﴾ خداوند کی عبادت ہمارے ذریعے سے ہوئی اور خداوند کی معرفت ہمارے ذریعے سے ہوئی۔ یعنی معرفت خدا وہ ہے جو معصوم سے معلوم ہو عبادت وہ عبادت ہے جو معصوم کے ذریعے پہنچے۔

حقیقت توحید کیا یہ ہے کہ خدا ایک ہے

شریح بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ جنگ جمل میں ایک اعرابی نے حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا: خداوند کے ایک ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اصحاب نے اسے کہا: یہ کون سا موقع ہے ایسا سوال کرنے کا؟ مولا علیہ السلام نے فرمایا: اسے سوال کرنے دو ہماری اس قوم سے جنگ بھی اسی مقصد کی خاطر ہے، پھر آپ نے اس اعرابی کو جواب دیا، فرمایا: ﴿اِنَّ الْقَوْلَ فِیْ اَنَّ اللّٰهَ وَاحِدٌ عَلٰی اَرْبَعَةِ اَقْسَامٍ فَوَجْهَانِ فِیْهَا لَا یَجُوْزَانِ عَلَی اللّٰهِ وَ وَجْهَانِ یَثْبُتَانِ فِیْهِ، فَاَمَّا اللَّذَانِ لَا یَجُوْزَانِ عَلَی اللّٰهِ فَقَوْلُ الْقَائِلِ اللّٰهُ وَاحِدٌ یَقْصِدُ بِهٖ بَابَ الْاَعْدَادِ فَهٰذَا مَا لَا یَجُوْزُ لِاَنَّ مَا لَا ثَانِیَ لَهٗ لَا یَدْخُلُ فِیْ بَابِ الْاَعْدَادِ اَمَا اِنَّهٗ کَفَرَ مَنْ قَالَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ، قَوْلُ الْقَائِلِ هُوَ وَاحِدٌ مِنَ النَّاسِ یُرِیْدُ بِهِ النَّوْعَ مِنَ الْجِنْسِ فَهٰذَا مَا لَا یَجُوْزُ عَلَیْهِ لِاَنَّهٗ تَشْبِیْهٌ وَ جَلَّ رَبُّنَا عَنْ ذٰلِكَ وَ تَعَالٰی وَ اَمَّا الْوَجْهَانِ اللَّذَانِ یَثْبُتَانِ فِیْهِ فَقَوْلُ الْقَائِلِ هُوَ وَاحِدٌ لَیْسَ لَهٗ فِی الْاَشْیَاءِ شِبْهٌ کَذٰلِكَ رَبُّنَا، وَ قَوْلُ الْقَائِلِ، اِنَّهٗ عَزَّوَجَلَّ اَحَدِیُّ الْمَعْنٰی یَعْنِیْ بِهٖ اَنَّهٗ لَا یَنْقَسِمُ فِیْ وُجُوْدٍ وَلَا فِیْ عَقْلٍ وَلَا وَهْمٍ کَذٰلِكَ رَبُّنَا﴾۔ (توحید شیخ صدوق، ص ۸۳، ج ۳)

آپ نے فرمایا: جب کوئی کہتا ہے اللہ ایک ہے تو اس کے چار معنی ہو سکتے ہیں، ان میں سے دو خدا پر ممنوع ہیں اور دو خدا میں ثابت ہیں۔ وہ دو جو ممنوع ہیں۔ ایک یہ کہ کہنے والا ایک کہے اور مراد عددی ایک ہو، یہ نہیں ہو سکتا ہے چونکہ

Presented by Ziaraat.Com

جو ثانی نہ رکھتا ہو وہ اعداد سے کیسے ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں کا ثالث ثلاثہ والا نظریہ شرک ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی خداوند کو لوگوں میں سے ایک قرار دے کہ جنس کی نوع اس کی مراد ہو، یہ بھی باطل ہے کہ تشبیہ ہے اور خداوند تشبیہ سے منزہ ہے، اور جو دو معنی خدا میں صحیح ہیں ایک یہ کہ کہیں خداوند ایک ہے یعنی کوئی شبیہ و نظیر نہیں رکھتا، ہمارا رب اسی طرح ہے۔ اور دوسرا یہ کہ کوئی کہے وہ احدی المعنی ہے یعنی جزء نہیں رکھتا، نہ جزء خارجی، نہ عقلی نہ وھمی۔

گویا توحید یعنی خدا کو ایک کہنا دو طرح سے ہے ایک یہ کہ وہ واحد ہے دوسرا یہ کہ وہ احد ہے، واحد کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نہ کوئی مثل ہے، نہ نظیر، نہ ضِدّ ہے نہ کوئی شبیہ۔ اور احد کا یہ مطلب ہے کہ وہ جزء نہیں رکھتا بسیط الحقیقہ ہے۔
نہج البلاغہ میں مختلف مقامات پر مولاؑ نے توحید کے معنی بیان فرمائے ہیں: ﴿**واحد لا بعدد**﴾ (خطبہ:۱۸۰)، ﴿**واحد بلا تاویل عدد**﴾ (خطبہ:۱۴۸) یہ پہلے معنی کی نفی ہے مذکورہ بالا چار معنوں میں سے، اور ﴿**لا کالاشیاء**﴾ جو فرمایا یہ دوسرے معنی کی نفی ہے۔ ﴿**واحد لیس له فی الاشیاء شبیه**﴾ تیسرے معنی کا اثبات ہے اور ﴿**لا تناله التجزئة و التبعّض**﴾ (خطبہ:۸۱) چوتھے معنی کا اثبات ہے۔ مولاؑ نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو خط میں لکھا: ﴿**واعلم یا بنیّ انه لَو کانَ لِرَبِّكَ شَرِيكٌ لَأَتَتْكَ رُسُلُه وَ لَرَأَيْتَ آثَارَ مُلْكِهِ وَ سُلْطَانِهِ وَ لَعَرَفْتَ أَفْعَالَهُ وَ صِفَاتَهُ وَ لٰكِنَّهُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ كَمَا وَصَفَ نَفْسَه**﴾ (خطبہ:۳۱)

بیٹا اگر تیرے رب کا کوئی شریک ہوتا تو اس کی طرف سے بھی تمہارے پاس رسولؐ آتے تم اس کی مملکت و سلطنت کے آثار دیکھتے اور اس کے افعال و صفات کو پہچانتے لیکن خداوند واحد ہے جیسا کہ خداوند نے اپنی وصف خود بتلائی ہے۔

مراتب توحید

پہلے بیان ہو چکا کہ مراتب توحید چار ہیں: (۱) توحید ذات، (۲) توحید صفات، (۳) توحید افعال، (۴) توحید عبادت۔

(۱) توحید ذاتی:۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند واحد ہے اور احد ہے، واحد یعنی اس کا کوئی شبیہ و مثل و نظیر نہیں ہے اور احد یعنی اس کی ذات جزء سے منزہ ہے، کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ علم کا سب سے بلند مرتبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: معرفت خدا اس طرح جیسے اس کے لائق ہے، سائل نے پوچھا: حق معرفت خدا کیا ہے؟ فرمایا: یہ ہے کہ تم جان لو کہ وہ نہ مثل رکھتا ہے اور نہ ہی شبیہ، اسے واحد، قادر، اول، آخر، ظاہر اور باطن کے عنوان سے پہچان لو۔

دلیل توحید

توحید کے اس معنی پر دلیل ایک تو انسانی فطرت ہے، انسانی فطرت خدا کی اصل معرفت کے ساتھ ساتھ اس کی

Presented by Ziaraat.Com

توحید کی بھی گواہ ہے خداوند نے قرآن میں انسان کی فطرت کو اس بارے مورد سوال قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کی ہستی بے نہایت اور بے قید و شرط ہے، کسی قسم کی محدودیت اس کی ذات میں نہیں ہے، جس وجود کی یہ خصوصیت ہو وہ متعدد نہیں ہوسکتا یعنی ایسے دو وجود نہیں ہو سکتے۔ دو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک میں ایک کمال ایسا ہے جو دوسرے میں نہیں ہے اور یہ محدودیت ہے جس کا لازمہ اختتام ہے کہ ایک جگہ ایک کا وجود ختم ہو اور دوسرے کا وہاں سے شروع ہو، اور یہ فرض خلاف فرض ہے پس جب نامحدودیت ہے تو پھر وحدت ہے۔

نیز قرآن میں ہے: ﴿وَمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ خداوند واحد قہار ہے، کوئی چیز اسے ذات، صفات اور افعال میں مغلوب نہیں کرسکتی وہ ہر چیز پر قادر و غالب ہے۔

خداوند کا قاہر ہونا اس کی توحید کی دلیل ہے جو مقہور و مغلوب ہے وہ محدود ہے اور جو ذات قاہر مطلق ہے وہ نامحدود مطلق ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ان اللّٰه لا یوصف بمحدودیة عظم ربّنا عن الصفة کیف یوصف بمحدودیة من لا یُحدّ﴾ (ترجمہ:۔) خداوند محدودیت سے متصف نہیں ہے، ہمارا رب صفت سے برتر ہے، کیسے اسے محدودیت سے متصف کیا جاسکتا ہے جو کہ حدّ ہی نہیں رکھتا۔

توحید ذاتی کا دوسرا پہلو

توحید ذاتی کا دوسرا پہلو اس کا بسیط ہونا ہے کہ خداوند ہر طرح کی ترکیب (عقلی اور وہمی) سے منزہ ہے۔ وہ جزء نہیں رکھتا کیونکہ مرکب اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ معلول ہوتا ہے اور جو معلول ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً:۔ اس کے اجزاء واجب ہوں گے یا ممکن، اگر واجب ہوں تو واجب الوجود کا تعدد لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ اور یہ اجزاء ممکن ہوں تو اجزاء ممکنہ مل کر واجب الوجود کو کیسے تشکیل دے سکتے ہیں۔

اور اگر ترکیب خارجی نہ ہو لیکن عقلی ہو تو ترکیب عقلی جنس و فصل سے ہوتی ہے جو کہ لازمہ ماہیت ہے اور خداوند ماہیت نہیں رکھتا بلکہ وہ وجود صرف ہے۔

قرآن نے ۱۸ سوروں میں خداوند کو صفت غناء سے متصف کیا ہے یعنی وہ غنی مطلق ہے کسی کا محتاج نہیں ہے۔

توحید صفاتی، توحید صفاتی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صفات عین ذات ہیں اور صفات بھی ایک دوسرے کی عین ہیں، جیسے اس کی ذات ابدی و ازلی ہے اس کی صفات جیسے علم و قدرت بھی ابدی و ازلی ہیں۔ یہ صفات اس کی ذات سے زائد نہیں ہیں کہ عارض و معروض ہو۔ مثلاً جب کہتے ہیں خداوند عالم ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علم اس کی ذات کو عارض ہوا ہے بلکہ اس کا علم عین ذات ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

وہ جن صفات کی نقیض کے ساتھ متصف نہ ہو سکے وہ صفات ذات ہیں اور عین ذات ہیں، انسان میں علم زائد برذات ہے ایک وقت میں انسان فاقد علم ہوتا ہے ایک وقت میں واجد علم ہے۔ اسی طرح اس کی قدرت بھی ہے۔

ابو بصیر امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

﴿لم یزل اللّٰہ ربنا والعلم ذاته ولا معلوم، والسمع ذاته ولا مسموع والبصر ذاته ولا مُبصرَ والقدرة ذاته ولا مقدور﴾ ترجمہ: خداوند ہمیشہ سے ہے اور علم اس کی ذات ہے جبکہ کوئی معلوم نہیں تھا سمع و بصر و قدرت بھی اسی طرح اس کی ذات ہے۔

دلیل

اس دعویٰ پر دلیل کہ صفات خدا عین ذات ہیں۔

(۱) خدوانذ کمال مطلق ہے اور نامحدود مطلق ہے جب وہ ایسا ہے تو کوئی صفت کمال اس کی ذات سے خارج نہیں ہوگی پس اس کی صفات کمال عین ذات ہیں۔ ہماری صفات زائد بر ذات ہماری محدودیت کی وجہ سے ہے، اسی طرح ہماری صفات بھی ایک دوسری کی غیر ہیں۔ ہمارے علم کا تعلق ہماری روح سے ہے اور ہماری قدرت کا تعلق ہمارے جسم سے ہے۔

حضرت امیرؑ نے صفات کے ذات سے زائد ہونے کی نفی کی ہے **﴿ومن وصفه فقد حدّه ومن حدّه فقد عدّه ومن عدّه فقد ابطل ازله﴾**۔

(۲) خداوند ترکیب نہیں رکھتا لہٰذا اس کی صفات عین ذات ہوں گی۔ اگر صفات زائد برذات ہوں تو ذات میں ترکیب لازم آئے گی، حضرت علیؑ نے فرمایا: **﴿و کمال الاخلاص له نفی الصفات عنه﴾**۔ توحید خالص یہ ہے کہ اسے صفات زائد برذات سے منزہ کریں صفات کا تعدد صرف مفہومی ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا: **﴿ربنا نورّی الذات، عالم الذات، صمدّی الذات﴾** اشاعرہ صفات خدا کو زائد برذات اور قدیم شمار کرتے ہیں لہٰذا یہ قدماء ثمانیہ کے قائل ہیں یعنی ایک خدا اور سات اس کے صفات سب قدیم ہیں۔

توحید افعالی

توحید افعالی کا مطلب یہ ہے کہ پورا عالم اسی کا فعل ہے اور ہر حرکت۔ تاثیر و تاثر اسی کی ذات پر ختم ہوتے ہیں اور تمام موجودات اپنے ہر کام میں اسی ذات کے محتاج ہیں، اور اپنے تمام کام اس طاقت و قدرت سے انجام دیتے ہیں جو اس نے عطا کی ہے صرف اس کی ذات مستقل ہے، باقی ہر سبب کا خالق وہ ہے۔ **﴿اِنَّ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾**۔ امام صادقؑ نے فرمایا: **﴿لا یکوّن الشیء لا من شیء الاّ اللّٰه ولا ینقل الشیء من**

Presented by Ziaraat.Com

جوھریته الی جوھر آخر الاّ اللّٰہ و لا ینقل الشئ من الوجود الی العدم الاّ اللّٰہ ﴾ (ترجمہ:۔) کوئی کسی شیٔ کو عدم سے وجود نہیں دیتا مگر خدا۔ کوئی کسی شیٔ کو اس کے جوہر سے دوسرے جوہر کی طرف منتقل نہیں کرتا مگر خدا۔ کوئی کسی شیٔ کو وجود سے عدم کی طرف نہیں لاتا مگر خدا۔

کیا توحید افعالی نفی علیت ہے؟

جواب :۔ خداوند بغیر سبب و واسطہ کسی شیٔ کو خلق نہیں کرتا کہ خود کسی علت کی جگہ لے لے بلکہ توحید افعالی کا مطلب یہ ہے کہ وہ مادی و غیر مادی اسباب کے ذریعے اشیاء کو وجود دیتا ہے۔ وہ تنہا خالق اصیل ہے باقی سب تاثیر میں اس کے محتاج ہیں، سورۂ حج آیت ۵ میں ارشاد ہے: ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً (خشک و مردہ) فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ ۢ بَهِيْجٍ﴾ (ترجمہ: اور تم دیکھتے ہو زمین کو سوکھی پڑی ہے تو پھر جونہی ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی ہے اور پھولنے لگتی ہے اور اگاتی ہے ہر قسم کی خوش منظر نباتات)۔

اس آیت میں سبزے کے اُگنے کو زمین کی طرف نسبت دی، دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ ۢ بَهِيْجٍ﴾ (ہم نے آسمان سے پانی برسایا پس ہم نے زمین میں ہر طرح کا خوش منظر سبزہ اگایا)۔ (لقمان:۱۰)

سورہ روم، آیت ۱۸ میں اسباب کو بیان فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا (تہہ در تہہ ٹکڑے) فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ (ترجمہ:۔) فرمایا: بارش آنے کے مختلف اسباب و عوامل ہیں، ہواء، بادلوں کی حرکت، ان کا جمع ہونا وغیرہ، اس کے باوجود اسے اپنی نسبت دیا۔

اشاعرہ ہر طرح کی تاثیر و علیت کے منکر ہیں اور ہر ایجاد و تاثیر کو بلا واسطہ خدا کی طرف نسبت دیتے ہیں، بس عادت الٰہی یہ ہے کہ خاص حالات میں فلان شیٔ ایجاد کرے مثلاً آگ نہیں جلاتی۔ اصل جلانے والا خدا ہے عادت خدا یہ ہے کہ جب آگ کسی شیٔ کو مس کرے تو خدا اسے جلائے، اس عقیدے کی وجہ سے وہ افعال انسان میں جبر کے قائل ہیں یہ نظریہ درست نہیں ہے قرآن نے اسباب کی تاثیر قبول کی ہے ہاں استقلال کی نفی کی ہے۔

توحید عبادی

توحید در عبادت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ کوئی عبادت میں خداوند کا شریک نہیں ہے اور معبودیت صرف اس کے لائق ہے، اگر کسی مخلوق کی عبادت کی جائے تو یہ صریح آیت کے منافی ہے جس میں ارشاد ہے: ﴿وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ کسی کو عبادتِ خدا میں شریک قرار نہ دے، اور شرک اور عبادت کے مختلف مصداق

Presented by Ziaraat.Com

ہیں ان میں سے ریا کاری سب سے مخفی فرد شرک ہے بعض دفعہ عبادت کرنے والا متوجہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ عبادت میں ریا کاری کا مرتکب ہو رہا ہے اور خداوند قیامت کے دن ریا کار کو یا فاسق، یا فاجر کہہ کر خطاب کرے گا اور فرمائے گا مجھے پوری عبادت نہیں چاہئے میں بہتر شریک ہوں پوری عبادت اسی کو دو جس کے لئے کی تھی۔

غیر از خدا کسی پر توکل و بھروسہ کرنا۔ غیر سے امید و رجاء رکھنا یہ توحید کے منافی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ جن وسیلوں کو خداوند نے وسیلہ قرار دیا ہے ان سے امید و رجاء رکھنا عیناً خداوند سے امید رکھنا ہے یہ غیر خدا سے امید شمار نہیں ہوتی۔ غیر خدا سے وہ امید شمار ہوتی ہے کہ انسان ان سے امید لگائے جنہیں خدا نے ایسا حق و مرتبہ نہیں دیا ہے۔ عبادت طاغوت بھی شرک در عبادت کا مصداق ہے جس سے مراد اہل معصیت کی اطاعت کرنا ہے۔

توحید کو اہل معرفت چار اقسام پر شمار کرتے ہیں:

لُبّ، لُبّ اللبّ، قشر و قشر القشر (لبّ مغز ہے جیسے اخروٹ کا مغز ہوتا ہے اور قشر چھلکا ہے) اخروٹ کے دو چھلکے ہوتے ہیں پھر مغز اور اس کا تیل یہ لُبّ اللبّ ہے۔ مرتبہ اولیٰ از توحید زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے کہ دل اس سے غافل یا منکر ہو جیسے منافق، دوسرا مرتبہ از توحید دل سے اس کی تصدیق ہے کہ اکثر مسلمین کا یہ اعتقاد ہے، مرتبہ سوّم نور الٰہی کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرے یعنی اشیاء کو صادر از واحد قہار دیکھے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ لا یریٰ فی الوجود الا اللہ، سوائے اللہ کے کسی کو موجود نہ دیکھے یہ مشاہدہ صدّ یقین ہے اور یہ فناء فی التوحید ہے۔

کلمہ ھو

مقام ھوھویت کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں نہ اسم ہے، نہ رسم، نہ عبارات ہیں اور نہ اشارات، وہاں ادراکات و افہام کو راہ نہیں ہے، صرف وہ وہ ہے اور کچھ نہیں، کسی کو معلوم نہیں وہ کیا ہے اور کیسے ہے ﴿**یا ھو یا من لا یعلم الاّ ھو**﴾ یہ مقام الوہیت سے بلند مرتبہ ہے جو کہ لفظ اللہ سے مستفاد ہے اور فوق مرتبہ وحدانیت ہے جو کہ لفظ واحد سے مستفاد ہے اور فوق مرتبہ احدیت ہے جو کہ لفظ احد سے مستفاد ہے اور فوق مرتبہ ربوبیت ہے جو کہ کلمہ ربّ سے مستفاد ہے پھر کلمہ ھو اشارہ ہے خداوند کی ھویت مطلقہ کی طرف کہ اس کی ذات اقدس سے اشارہ ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

باب القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فضیلت قرآن

عالم ہستی میں کوئی شئ قرآن کی فضیلت و برتری کو نہیں پہنچتی، قرآن نہ صرف یہ کہ تمام انبیاءؑ کی تعلیمات کا نچوڑ ہے بلکہ سب سے برتر ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿القرآن افضل کل شیٔ دون اللّٰہ﴾ (مستدرک الوسائل، جلد۴، ص ۲۳۶) قرآن سب آسمانی کتب پر فضیلت رکھتا ہے، باقی سب کتب خاص زمانوں کے لئے تھیں جبکہ قرآن تمام زمانوں کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے ہے۔

قرآن مجید خداوند تعالیٰ کی بشر کے ساتھ کلام ہے۔ قرآن خداوند کی بخشش اور سخاوت ہے جو بہترین فرد ہستی یعنی رسول خدا ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا۔ قرآن صرف تکلیف الٰہی نہیں ہے بلکہ قرآن عطیہ خاص الٰہی ہے۔ قرآن نے سعادت بشریت کی تا قیامت ضمانت دی ہے۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾۔

حدیث میں ہے: ﴿انّ کلام الباری سبحانہ لا یشبہ کلام الخلق کما لا یشبہ افعالہ افعالھم﴾ (بحار، جلد۸۹، صفحہ۱۰۷) یہ کلام خدا مخلوق کی کلام سے شباہت نہیں رکھتی جیسے خدا کے افعال مخلوق کے افعال کے ساتھ شباہت نہیں رکھتے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿فتجلّی لھم سبحانہ فی کلامہ من غیر ان یکونوا رواؤہ بما أراھم من قدرتہ﴾ یہ انسانوں پر خداوند کی تجلی ہے بغیر اس کے کہ وہ اسے دیکھ سکیں۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۷)

حضور نے فرمایا: ﴿اذا احبّ احدکم ان یحدِّث ربّہ فلیقرء القرآن﴾۔ (کنز الاعمال، ح ۲۲۵۸)
جو بھی اپنے رب سے کلام کرنا چاہے وہ قرآن پڑھے۔

﴿القرآن مادبة اللّٰہ فتعلّموا من مادبة اللّٰہ ما استطعتم﴾ (بحار، ج ۹۲، صفحہ ۱۹)
قرآن خداوند کا وسیع دسترخوان ہے اس سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھاؤ۔

﴿اعلموا انّہ لاعلی احد من بعد القرآن من فاقة ولا لاحد قبل القرآن من غنیً فاستشفعو من ادوائکم و استعینوا بہ علی لاوائکم فانّ بہ شفاءً من اکبر الداء وھو الکفر والنفاق

Presented by Ziaraat.Com

و الغيّی والضلال فاسئلو اللّٰہ بہ و توجّھو الیہ بحبّہ ولا تسئلوا الاّ بہ انّہ ما توجہ العباد الی اللّٰہ بمثلہ واعلموا انّہ شافع مشفّع و ما حلّ مصدّق و انّہ من شفّع لہ القرآن یوم القیامۃ شفّع فیہ ومن محل بہ القرآن یوم القیامۃ صدّق علیہ فانّہ ینادی منادٍ یوم القیامۃ ألاکلّ حارث مبتلی فی حرثہ و عاقبۃ عملہ غیر حرثۃ القرآن﴾ (اصول کافی، ج۲)

ترجمہ: جان لو قرآن کے بعد کبھی کوئی فقر و فاقہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کو قرآن سے پہلے غناء حاصل ہے، قرآن سے اپنی بیماریوں کی شفاء اور اپنے دردوں کی دوا حاصل کرو، قرآن سب سے بڑے درد و بیماری یعنی کفر و گمراہی سے شفاء ہے۔ قرآن کے ذریعے خدا سے سوال کرو کہ اس جیسی کوئی چیز نہیں جس کے صدقے خدا سے مانگا جائے۔ قیامت کے دن قرآن بعض کے حق میں شفاعت کرے گا جو قبول کی جائے گی اور بعض کے خلاف شکایت کرے گا اسے بھی قبول کیا جائے گا، قیامت کے دن منادی نداء دے گا کہ لوگو سن لو ہر کھیتی باڑی کرنے والا اپنی کھیتی و زراعت کے حوالے سے مبتلا ہوگا سوائے ان کے جنہوں نے قرآن کی زراعت کی۔

خداوند سورہ حشر آیت ۲۱ میں فرماتا ہے: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ اسے برداشت نہ کرسکتا اور خداوند کے خوف سے ریزہ ریزہ ہوجاتا، پہاڑ برداشت نہ کرسکتا چونکہ قرآن تجلی الٰہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ تجلی الٰہی کو برداشت نہ کرسکے، ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾، حضور ﷺ کو خداوند نے فرمایا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾۔ امام صادقؑ نے بھی فرمایا: ﴿لقد تجلّی اللّٰہ لخلقہ ولکنّھم لا یبصرون﴾ (بحار، ج۸۹، ص۱۰۷) خداوند نے مخلوقات کے لئے تجلی فرمائی ہے لیکن وہ اسے نہیں دیکھ سکتے۔

قرآن کلام اللہ ہے، قرآن نے سورہ توبہ میں کہا: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ اس آیت میں کہا: قرآن کلام اللہ ہے، اس کے کلام اللہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جو بندوں کی کلام کا ہے، کلام خدا صوت و الفاظ سے منزہ ہے۔ کلمہ کو کلمہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ متکلم کے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے اس وجہ سے قرآن نے تمام موجودات کو کلمات الٰہی کہا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾ (سورہ کہف، ۱۰۹) اور حضرت عیسیٰؑ کو کلمۂ خدا کہا، معصومینؑ نے کہا: ﴿نحن الکلمات التامات﴾۔

(بحار ج۵، صفحہ۹)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ﴿یقول لمن اراد کونہ کن فیکون لا بصوت یقرع ولا بنداءٍ یسمع و انّما کلامہ سبحانہ فعلٌ منہ انشاہ و مثلہ﴾ (نہج البلاغہ، خطبہ۱۸۶)

Presented by Ziaraat.Com

کلام خدا نہ آواز ہے نہ نداء بلکہ اس کی کلام اس کا فعل ہے جسے وہ انشاء کرتا ہے، مرحلہ نازلہ میں اس کی کلام الفاظ کا جامہ پہنتی ہے اور قرآن فصیح عربی کی صورت میں تجلی کرتا ہے، اصل وحقیقت قرآن مقام لدُن میں وجود مبارک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتی ہے جب حضور اسے قبول کرتے ہیں تو صوت ولفظ سے منزہ ہے، ایک حقیقت علی ہے، قرآن تمام مراحل میں قرآن ہے، مخلوق خدا ہے، فعل خاص خداوند جسے اس نے ایجاد وانشاء فرمایا ہے اور مرتبہ نازلہ میں بھی جب وہ الفاظ کا لباس پہنتا ہے، اس میں بھی خداوندی کا فعل اور مخلوق ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے قرآن لوگوں تک پہنچتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے وصول کرنا علم حضوری ہے اور لوگوں کا اسے وصول کرنا علم حصولی ہے پس فرق بہت عمیق ووسیع ہے ہمارے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کہ مبادا کوئی کہے جب ہمیں قرآن مل گیا تو ہم برابر ہیں رسول کو فرشتہ کے توسط سے ملا اور ہمیں رسول کے توسط سے ملا، یہ زعم باطل عین گمراہی ہے، اصل خلقت قرآن حقیقت محمدیہ پر ہوئی، قرآن جزءِ وجود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ارتباط وانس با قرآن

قرآن کریم کے ساتھ کیسے انس پیدا کیا جاسکتا ہے؟

۱۔ **قرآن سیکھنا** :۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿**خیر کم من تعلّم القرآن و علّمه**﴾ (بحار، ج ۸۹، ص ۱۸۶) تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور آگے اس کی تعلیم دے۔

۲۔ **قرآن کی تلاوت** :۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿**من قرء القرآن وهو شابّ مومن اختلط القرآن بلحمه و دمه و جعله الله مع السفرة الكرام البررة**﴾ (کافی، ج ۲، ص ۶۰۳) مومن نوجوان اگر قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو قرآن اس کے گوشت وخون میں رچ بس جاتا ہے اور خداوند اسے اپنے مکرم نیک بندوں اور سفراء کے ساتھ قرار دیتا ہے۔

الف۔ آدابِ تلاوت کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿**نظفوا طريق القرآن قيل يا رسول الله وما طريق القرآن؟ قالَ افواهكم، قيل بماذا؟ قالَ: بالسواك**﴾ (بحار، ج ۸۹، ص ۲۱۳) فرمایا: قرآن کا راستہ تمہارے منہ سے ہے اسے پہلے صاف کرو مسواک کے ذریعے۔

ب۔ نیز وضو کرے۔ ﴿**لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ**﴾ (واقعہ:۷۹)

ج۔ خدا کی پناہ مانگنا:۔ ﴿**فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ**﴾۔

د۔ قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ تلاوت کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿**لكل شيءٍ حِلية**

Presented by Ziaraat.Com

و حلیة القرآن الصوت الحسن ﴾ ہر شئ کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت اچھی آواز ہے۔(نحل:۹۸)

۵۔ باحزن پڑھنا۔حضور ﷺ نے فرمایا:﴿ان القرآن نزل بالحزن فاذا قرائتموہ فابکوا و ان لم تبکوا فتباکوا ﴾(جامع الاخبار،ص۴۹) قرآن حزن کے ساتھ نازل ہوا اسے پڑھو تو گریہ کرو نہ کرسکو تو گریہ والی شکل بناؤ۔

۳۔ تدبر اور غور وفکر کرنا معانی قرآن میں:۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: متقی رات کو جاگ کر قرآن کی تدبر کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور اپنی جان کو اس کے ساتھ محزون کرتے ہیں اور اس سے اپنے درد کی شفا پاتے ہیں، اسے اپنا اسوہ بناتے ہیں۔خوف والی آیات پر پہنچیں تو دل کھول کر نصیحت حاصل کرتے ہیں۔
(نہج البلاغہ،خطبہ۱۹۳)

۴۔ قرآن پر عمل کرنا:۔ یہ سب سے اہم نکتہ ہے اور قرآن کتاب عمل ہے باقی سب اس کا مقدمہ ہے، حدیث ہے﴿ربّ تال القرآن و القرآن یلعنہ ﴾(میزان الحکمۃ، ج۸،ص۹۰) کئی قرآن کی تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ جن پر قرآن لعنت کرتا ہے۔

۵۔ حفظ قرآن:۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا:﴿لا یعذّب اللہ قلبًا وعی القرآنَ ﴾جس دل نے قرآن حفظ کیا ہو اسے خداوند عذاب نہیں کرے گا۔(بحار،ج۸۹،ص۱۷۸)

نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۴۸ میں حضرت علی علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، قرآن ان میں مہجور ہے، غریب ہے، جیسے قرآن ان کا ہادی نہیں بلکہ وہ قرآن کے ہادی ہیں، ان کے درمیان قرآن کا نام اور رسم باقی ہے خط قرآن کو پہچانتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔رسول خدا ﷺ قرآن کے حوالے سے قیامت کے دن شکایت کریں گے:﴿یا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾(فرقان:۳۰) خداوندا میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا۔

سوال:۔قرآن کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔(۱) لفظ قرآن از باب ”قـــرء“ ہے جس کے معنی پڑھنے کے ہیں چونکہ یہ کتاب مقدس بہت زیادہ پڑھی جانے والی تھی اس لئے اسے قرآن کا نام دیا گیا۔

(۲) قرءۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں چونکہ قرآن سابقہ کتب الٰہی کے نتائج وثمرات کو جامع ہے لہٰذا اسے قرآن کہا گیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) قرآن از مادہ قرن مشتق ہوا ہے جس کے معنی ایک شیٔ کو دوسری شیٔ سے ملانے اور ضمیمہ کرنے کے ہیں چونکہ قرآن کی آیات اور اس کے سورے ایک دوسرے کے ساتھ مقرون و مرتبط ہیں اس لئے اسے قرآن کہا گیا۔

سوال:۔قرآن کیوں عربی میں نازل ہوا؟

جواب:۔قرآن کی اپنی زبان تو کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں ہے اور وہ ہے زبانِ فطرت، قرآن کا خطاب لوگوں کی فطرت سے ہے اور اس زبان کو ہر کوئی سمجھتا ہے اور چونکہ ان فطری مطالب کو کسی نہ کسی لغت کا لباس دینا تھا تو اس کے لئے عربی زبان کا انتخاب ہوا۔اس کی مختلف وجوہ ہیں: (۱) خود رسولِ خدا ﷺ اور ابتدائی مخاطب عربی زبان تھے۔ اگر کسی اور زبان ولغت کا انتخاب ہوتا تو یہ سوال کیا جاتا کہ کیوں قرآن عربی میں نہیں ہے جبکہ اس کے ابتدائی مخاطب عرب تھے لہٰذا خود قرآن نے کہا ہے کہ اگر ہم قرآن کو کسی زبان میں نازل کرتے تو وہ کہتے کیوں اس کی آیات روشن ومبین نہیں ہیں۔

(۲) قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ﴾ ہم نے کوئی رسول مبعوث نہیں کیا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ پیغام الٰہی کو ان کے لئے صحیح واضح کر سکے۔رسولؐ کے ابتدائی ماننے والے وہیں فراہم ہونا ہوتے ہیں تاکہ دین کو عوامی بنیاد فراہم ہو سکے اور یہ تب ممکن ہے کہ وہ لوگ مکمل طور پر دین کو سمجھ سکیں اس واسطے ان کی لغت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

(۳) عربی زبان میں جو فصاحت و بلاغت اور قواعد وقوانین کے لحاظ سے جتنی جامعیت ہے وہ کسی اور لغت میں نہیں ہے لہٰذا کم عبارت کے ساتھ زیادہ مقصود واضح کرنا بھی کسی زبان میں ممکن نہیں تھا۔مثلاً رب کا کلمہ عربی ہے جس کے معنی "کسی شیٔ کو تدریجاً اس کے کمال لائق تک پہنچانے والا" ہیں اب کسی زبان میں ایک لفظ میں اس کا مطلب ادا نہیں کر سکتے ہیں۔

(۴) روایات میں آیا ہے کہ جنتیوں کی زبان عربی ہوگی اور اس کا مطلب ہے یہ زبان طبع انسان سے مناسبت رکھتی ہے اور روحانی طور پر قبولیت میں مؤثر ہے۔

سوال:۔قرآن پڑھنے کے کیا فائدے ہیں؟

جواب:۔معصومین علیہم السلام کی احادیث میں قرآن پڑھنے کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جو شخص قرآن پڑھے اس کا اجر بہت عظیم ہے، رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو بھی خدا کی رضا اور دین کو فہم عمیق کے لئے قرآن پڑھے اسے ملائکہ اور انبیاء ورسل کا اجر ملتا ہے۔

(۲) مقام ومرتبہ کی بلندی جنت میں، حفص کہتے ہیں میں نے امام موسیٰ کاظم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جنت

Presented by Ziaraat.Com

کے درجے قرآن کی آیات کے مطابق ہیں قاری قرآن سے کہا جائے گا: ﴿اقرء و ارق﴾ آیات پڑھتے جاؤ اور بلندی پاتے جاؤ۔

(۳) قرآن کا انسان کے گوشت اور خون میں رچ بس جانا۔ جیسا کہ اس مضمون کی روایت از امام صادق علیہ السلام پہلے بیان ہو چکی ہے۔

(۴) صفاء قلب :۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بدون شک ان دلوں کو لوہے کی طرح زنگ لگ جاتا ہے۔ سوال ہوا یا رسول اللہ کیسے اس زنگ کو دور کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا: قرآن پڑھو دلوں کا زنگ اتر جائے گا۔

(۵) دعاؤں کا قبول ہونا:۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: چار چیزوں کے وقت دعا کو غنیمت سمجھو۔ ان میں سے ایک قرآن کی تلاوت کے وقت ہے۔

(۶) گھر کا نورانی ہونا:۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے نورانی کرو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے وہ اہل آسمان کے لئے ایسے چمکتا ہے جیسے ستارے اہل زمین کے لئے۔ (اصول کافی)

(۷) گھر کی برکت میں اضافہ :۔ امام صادق علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں: جس گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہو اس میں برکت زیادہ ہو جاتی ہے، ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور شیطان وہاں سے دور بھاگتے ہیں۔

(۸) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت :۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میری بہترین عادت تلاوت قرآن ہے۔

(۹) گناہوں کی بخشش :۔ حسنہ کا لکھا جانا اور گناہ کا محو ہو جانا یہ سب فوائد روایات میں وارد ہیں۔

(۱۰) ماں باپ سے عذاب میں کمی :۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تلاوت قرآن کرتا ہے اس کی آنکھیں نورانی ہو جاتی ہیں اور اس کے ماں باپ سے عذاب کم ہو جاتا ہے اگرچہ کافر ہوں۔

(۱۱) ایمان کا مفید واقع ہونا۔

(۱۲) قرآن کو دیکھنے سے آنکھیں سلامت رہتی ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

سوال:۔ قرآن کے احترام کے تقاضے کیا ہیں؟

جواب :۔ قرآن کا احترام ظاہری تو یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جو قرآن پاک کی توہین شمار ہو جیسے قرآن کو اپنے سامنے زمین پر رکھ دینا یا کوئی دوسری چیز قرآن کریم کے اوپر رکھ دینا لیکن یہ احترام کافی نہیں ہے۔ ہم عام طور پر قرآن کو غلاف میں رکھنا احترام شمار کرتے ہیں۔ یہ ہمارا اپنا کلچر ہے دوسرے مسلم ممالک میں ایسا کلچر نہیں ہے، قرآن کا

Presented by Ziaraat.Com

پڑھنا اور روزمرہ کی زندگی میں قرآن کی حاکیت قرآن کا اصل احترام ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے ساتھ تماس کے لئے اور ربط کے لئے باطہارت ہونا ضروری ہے یعنی ظاہری طور پر اس کی عبارات کو مس کرنے کے لئے وضو کے ساتھ ہونا جیسے شرط ہے اسی طرح اس کے معنوی اثرات و ثمرات تک پہنچنے کے لئے طہارت معنوی کا بھی ہونا شرط ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: قرآن کو بدون وضوء مت مس کرو، اس کی عبارات کو مت چھوؤ بغیر وضوء کے اور اسے گردن میں مت ڈالو چونکہ قرآن نے کہا ہے: ﴿لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ خود قرآن نے سورہ اعراف آیت ۲۰۴ میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ مشمول رحمت خدا قرار پاسکو۔ یہ حکم سب کو ہے اور عظمت قرآن کی دلیل ہے رسول خداﷺ نے فرمایا: ﴿القرآن افضل کلّ شیٔ دون اللّٰہ فمن وقّر القرآن وقّر اللّٰہ ومن لم یوقّر القرآن فقد استخفّ بحرمة اللّٰہ﴾ قرآن خداوند کے علاوہ سب سے افضل ہے لہٰذا جو قرآن کا احترام کرے اس نے خدا کا احترام کیا ہے اور جو قرآن کا احترام نہ کرے اس نے خداوند کی حرمت کا پاس نہیں رکھا۔

اور قرآن کا زیادہ احترام وہی کر سکتا ہے جو قرآن کے بلند مطالب کو سمجھتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ انسان آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کرے اور معارفِ الٰہی کے بارے علم حاصل کرے۔

سوال:۔ اولین اور آخرین آیت کون سی ہیں؟

جواب:۔ مشہور نظریے کے مطابق پہلی آیت سورہ علق کی پہلی آیت ہے یہ مکہ میں غار حرا میں نازل ہوئی۔ آخری آیت کے بارے علماء میں اختلاف ہے اکثر کے نزدیک آخری آیت سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۱ ہے: ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ......﴾۔

سوال:۔ مکی اور مدنی ہونے کا معیار:۔

جواب:۔ اکثر کے نزدیک زمان ہجرت معیار ہے جو سورہ ہجرت سے پہلے نازل ہوا وہ مکی شمار ہوتا ہے اور جو سورہ ہجرت کے بعد نازل ہوا وہ مدنی شمار ہوتا ہے اگر چہ وہ مکہ میں نازل ہوا ہو جیسے سورہ مائدہ کی آیت ۳ ﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ﴾ یہ مدینہ میں نازل نہیں ہوئی بلکہ غدیر خم پر نازل ہوئی جبکہ شمار یہ مدنی آیت ہوتی ہے۔

مشہور یہ ہے کہ ۸۶ سورے مکی ہیں اور ۲۸ سورے مدنی ہیں۔

سوال:۔ سبع المثانی کسے کہتے ہیں۔

جواب:۔ یہ سورہ الحمد کا نام ہے، سبع کے معنی سات کے ہیں اور مثانی کے معنی دو ہونے کے ہیں۔ یہ سورہ سات

Presented by Ziaraat.Com

آیات رکھتا ہے اور ہر نماز واجب و مستحب میں دوبار پڑھا جاتا ہے لہٰذا اسے سبع المثانی کہتے ہیں اور روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ دوبار نازل ہوا، ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اس واسطے اسے سبع المثانی کہا گیا۔ یہ اس سورہ کی بڑی فضیلت کی دلیل ہے کہ پورے قرآن کے ساتھ اس کا الگ ذکر ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ ہم نے تمہیں سبع مثانی اور قرآن عظیم دیا ہے۔ یہ سورہ پورے قرآن کے مطالب کی فہرست ہے۔

سوال:۔ معوذتین کیا ہے؟

جواب:۔ یہ لفظ اسم فاعل از باب تفعیل ہے جیسا کہ سید علی خان نے شرح صحیفہ سجادیہ میں تصریح کی ہے لہٰذا معوذتین پڑھا جائے، یہ سورہ ناس و فلق کو کہتے ہیں جو کہ قرآن کے آخری دو سورے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے خود انہیں معوذتین کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ ﴿قالؐ: انزلت علیّ آیات لم ینزل مثلهم المعوذتان﴾ مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی کہ ان جیسی کوئی اور آیات نہیں ہیں اور وہ معوذتین ہیں۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور نے یہ دو سورے لکھ کر امام حسنؑ و امام حسینؑ کو پہنائے تا کہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔

خط قرآن

عرب اس دور میں کم لکھنا جانتے تھے۔ شام و عراق کی طرف تجارتی سفروں کے ذریعے وہاں سے انہوں نے کتابت سیکھی۔ اس دور میں دو خط رائج تھے خط نبطی اور خط سریانی، خط نبطی سے خط نسخ پیدا ہوا اور خط سریانی سے خط کوفی پیدا ہوا کہ اسے خط حیری کہتے تھے یہ خط حیرہ شہر کی طرف منسوب تھا جو کہ کوفہ کے قریب ہی واقع تھا۔ اس دور میں عام نوشتے جیسے خطوط خط نسخ میں لکھے جاتے تھے اور اہم نوشتے جیسے قرآن و حدیث یہ خط کوفی میں لکھے جاتے تھے۔

اعراب گذاری

سب سے پہلے ابوالاسود دوئلی نے سن ۵۰ تا ۵۳ ہجری قرآن کو اعراب لگائے، ابوالاسود حضرت علی علیہ السلام کے مخلص صحابہ میں سے تھے، اور نئے مسلمانوں کی طرف سے غلط طور پر قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے اعراب لگانے کی ضرورت پیش آئی۔

نقطہ گذاری

قرآن پر نقطے لگانے کا کام یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے انجام دیا۔ یہ دونوں ابوالاسود دوئلی کے شاگرد تھے، اور یہ کام حجاج بن یوسف کے دور میں (سن ۷۵ تا ۸۶ ہجری) میں انجام پایا۔

اعراب گذاری کی تکمیل

ابوالاسود دوئلی کے بعد اعراب کی تکمیل خلیل بن احمد فراھیدی نے انجام دی۔ اعراب کی پہلی صورت نقطہ کی

Presented by Ziaraat.Com

صورت میں تھی۔ خلیل نے اعراب کو موجودہ شکل دی جیسے آج کل زبر، زیر اور پیش لکھے جاتے ہیں۔ یہ کام خلیل نے انجام دیا۔ اس کے علاوہ شد، مد، همزه اور اشمام کی علامتیں بھی آپ نے وضع کیں، کچھ علامتیں آپ کے بعد وضع کی گئی جیسے حرف ساکن کی علامت۔

قراء سبعہ

سات مشہور قاری ترتیب کے مطابق یہ ہیں: (۱) عبداللہ بن عامر، (۲) عبداللہ بن کثیر دمشقی، (۳) عاصم کوفی، (۴) حمزہ بن حبیب، (۵) نافع بن عبدالرحمٰن، (۶) کسائی۔ (۷) ابوعمرو بن علاء مازنی۔

سوال:۔ ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہ آیت کہتی ہے کہ ہر خشک وتر کا ذکر قرآن میں ہے تو کیا ریاضی، فلسفہ وغیرہ جیسے علوم بھی قرآن میں ہیں۔

جواب:۔ اس آیت میں کتاب مبین سے مراد قرآن ہونا قطعی نہیں ہے، مقام علم خداوند بھی ہوسکتا ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ قرآن کوئی علوم طبیعی وغیرہ کی کتاب نہیں ہے یہ انسان ساز کتاب ہے، قرآن اس لئے نازل ہوا کہ بشر کو تکامل، سعادت اور خداوند کے تقرب کیلئے رہنمائی کرے، باقی مسائل اسی ہدف کے لئے بیان ہوئے اور اعجاز علمی کے اثبات کا باعث بھی ہوئے۔ ہدف قرآن ہدایت بشر ہے اس لحاظ سے جامع ترین ہے اور اس بارے کوئی کمی و نقص نہیں رکھتا۔ یہ ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کا مطلب ہے۔ نہ کہ دنیا کی ہر چیز اسی میں تلاش کی جائے۔ یہ سعی لاحاصل ہے اور قرآن کا قطعاً ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ ہاں قرآن ظاہر و باطن پر مشتمل ہے۔ ظاہر مطالب بھی ہیں جو ہم ~~سمجھتے ہیں~~۔ باطن قرآن بہت زیادہ ہیں۔ ستر تک بطون ذکر ہوئے ہیں، یہ صاحبانِ کتاب سمجھتے ہیں اب وہاں باطن سے حقائق کو کائنات کے حقائق پر تطبیق کرنا ہمارا کام نہیں انہی ہستیوں کا کام ہے جو راسخین فی العلم ہیں۔

سوال:۔ تفسیر و تاویل میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ تفسیر کے معنی مشکل الفاظ سے نقاب کشائی کرنا ہے (کشف الستر) تفسیر وہاں صدق کرتی ہے کہ لفظ ابہام رکھتا ہو اور مفسّر اس ابہام کو دور کر دے، تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مفسّر قوانین عربی، اصول، عقلی محاورہ جیسے ضوابط کی بنیاد پر آیات سے خداوند کی مراد کو بیان کرے۔ اور تاویل آیات کا وہ پیغام ہے جو واقعیت عینی رکھتا ہے، تاویل لفظ کا مفہوم و معنی نہیں ہے بلکہ واقعیت عینی ہے تاویل اَوْل سے ہے جس کے معنی لوٹانے کے ہیں، تاویل وہاں استعمال کی جاتی ہے کہ کوئی کلام یا کردار باعث شبہہ ہو، تاویل کرنے والا اس شبہ کو دور کرتا ہے اور شبہہ انگیز کلام کو اس کی اصلی جگہ پر لوٹاتا ہے۔

قرآن میں حضرت خضر و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصے میں تاویل کی لفظ آئی ہے جس کے معنی یہی ہیں کہ

Presented by Ziaraat.Com

حضرت خضرؑ نے اپنے کام کی صحیح وجہ حضرت موسیٰؑ کو بتلائی۔

تاویل کا ایک اور معنی بطن قرآن ہے یعنی دلالت ظاہری کے مقابل اندرونی دلالت، پس ظاہری دلالت کو ظہر قرآن اور باطنی دلالت کو بطن قرآن کہتے ہیں۔ یہ ہر ہر آیت میں موجود ہے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا: ﴿ما فی القرآن آیۃ الّا ولھا ظھر و بطن﴾ امام محمد باقرؑ سے سوال ہوا: ظہر و بطن کیا ہے؟ تو فرمایا: ﴿ظھرہ تنزیلہ و بطنہ تاویلہ﴾ یعنی ظہر قرآن سے مراد اس کی ظاہری دلالت ہے یہ قرائن اور شان نزول سے سمجھی جاتی ہے اور اس میں خصوصیت ہوتی ہے لیکن بطن قرآن اس کی باطنی دلالت ہے جو کہ قرائن سے قطع نظر کلی استفادہ ہے متنِ قرآن سے یعنی وہ کلی وعمومی پیغام جو آیت اپنے ضمن میں بیان کر رہی ہے یہ ہر زمانے میں قابل تطبیق ہے اور جاری وساری ہے۔

تاویل کے تیسرے معنی خواب کی تعبیر کے ہیں۔ سورہ یوسف میں آٹھ بار استعمال ہوا ہے اس معنی میں۔

تاویل کے چوتھے معنی نتیجہ کے ہیں کہ یہ لغوی معنوی ہیں اور ﴿اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا﴾ (اسراء:۳۵) میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

سوال:۔ نمازوں کے اوقات کن آیات سے استفادہ ہوتے ہیں؟

جواب:۔ سورہ اسراء:۷۸ میں ارشاد ہے: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ﴾ نماز کو زوال شمس سے لے کر آدھی رات تک پڑھو اور اسی طرح قرآن فجر یعنی نماز صبح پڑھو فجر کے وقت، دلوک کے معنی سورج کا نصف النہار سے زوال ہے یعنی ظہر کا وقت۔ غسق اللیل نصف شب ہے جو مغرب وعشاء کے وقت کو شامل ہے اور قرآن الفجر نے نماز صبح کا وقت بتلایا ہے۔

سورہ ہود آیت ۱۱۴ میں ارشاد ہے: ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ﴾ دن کے دونوں طرف یعنی صبح اور آخر نہار میں نماز قائم کرو اور رات کے ابتدائی ساعات میں، اس آیت میں نماز صبح، مغرب اور عشاء کے وقت کو بتلایا ہے۔

قرآن کریم میں نمازوں کے اوقات کے حوالے سے یہی دو آیات ہیں، وہ بھی بطور اجمال وقت بیان ہوا ہے جس کی تفصیل کے لئے روایات کے بیان کی ضرورت ہے۔

بعض تفسیری مناہج

وہ سلیقہ یا طرز تفسیر جو ایک مفسر تفسیر میں استعمال کرتا ہے منہج یا روش تفسیری کہلاتا ہے مفسرین کے منہج مختلف ہیں۔

(۱) روش تفسیر بہ ماثور:۔ اسے تفسیر نقلی کہتے ہیں یعنی تفسیر میں اثر ونقل یعنی ماثورات سے استفادہ ہوتا ہے اس

Presented by Ziaraat.Com

کی درج ذیل اقسام ہیں:

الف:۔ تفسیر قرآن بالقرآن:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیت دوسری آیت یا آیات کے ذریعے تفسیر کی جائے، قرآن کے بارے ہے کہ ﴿یفسّر بعضه بعضًا﴾ قرآن خود ایک دوسری آیات کی تفسیر کرتا ہے یہ روش خود رسول خداﷺ اور ائمہ طاہرینؑ سے ماخوذ ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿کتاب اللّٰه ینطق بعضه بعضا و یشهد بعضه علی بعض﴾ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۳) یہ تفسیر کا بہترین طریقہ ہے اور علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں اسی روش کو اختیار کیا ہے۔

ب:۔ **تفسیر قرآن بالروایات**:۔ اسے تفسیر روائی کہتے ہیں، خداوند نے رسول خداﷺ کو مفسر قرآن قرار دیا ہے ارشاد ہے: ﴿وَاَنزَلْنَـآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (نحل:۴۴) ہم نے یہ ذکر (قرآن) تجھ پر نازل کیا تاکہ تو اسے لوگوں پر تفسیر وتبیین کرے۔"

تفسیر نور الثقلین، تفسیر صافی اسی روش کی تفسیریں ہیں۔

ج:۔ **تفسیر قرآن با قول صحابی و تابعی**:۔ یہ روش اہل سنت کی تفسیر میں زیادہ مورد توجہ واقع ہوئی ہے اور کتب تفسیر میں بہت سے صحابہ و تابعین کے اقوال پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

(۲) **روش تفسیر اجتہادی و عقلی**:۔ تابعین کے دور سے اس طرح کی تفسیر کی تاسیس ہوئی کہ مفسر کا اپنا اجہاد و فہم بھی آیت کی تفسیر وتبیین میں دخالت پیدا کرے کہ قرآن ذووجوہ ہے اور عقل کے ذریعے احسن الوجوہ کی تعیین کر کے اس پر اسے حمل کیا جائے جیسا کہ رسول خداﷺ سے مروی ایک روایت کا یہی مفہوم ہے۔ اس روش کی درج ذیل تفسیریں ہیں:

الف۔ تفسیر ادبی:۔ بعض مفسرین نے نحوی و ادبی انداز میں تفسیر اجتہادی کی جیسا کہ جوامع الجامع از فضل بن حسن طبرسی میں ایسا ہے۔

ب۔ تفسیر بلاغی و بیانی:۔ انہوں نے الفاظ و عبارات کے بلاغی و بیانی پہلو پر زیادہ توجہ دی جیسے تفسیر کشاف از زمخشری ہے۔

ج۔ تفسیر لغوی:۔ لغت کے لحاظ سے الفاظ کی تبیین جیسا کہ راغب اصفہانی نے المفردات میں کیا۔

د۔ تفسیر فقہی:۔ قرآن کی تفسیر فقہی و احکامی استفادات کے لئے یہ صرف آیات احکام میں ہوگی جو کہ پانچ سو آیات ہیں جیسا کہ کنز العرفان از فاضل مقداد اور زبدۃ البیان از مقدس اردبیلی۔

ھ۔ تفسیر کلامی:۔ اس میں مفسر کلامی و اعتقادی انداز میں تفسیر کرتا ہے جیسا کہ تفسیر الفرقان ہے از ڈکٹر

Presented by Ziaraat.Com

صادقی تہرانی۔

و۔ تفسیر فلسفی:۔ اس میں مقاصد قرآن کے ادراک کے لئے فلسفی قواعد و اصول سے استفادہ کیا جاتا ہے جیسے تفسیر القرآن الکریم از ملا صدرا شیرازی ہے۔

ز۔ تفسیر عرفانی:۔ بعض مفسر عرفانی طریقے سے رمز و اشارہ کے طور پر تفسیر کرتے ہیں جیسے تفسیر شاہ نعمت کرمانی ہے۔

ح۔ تفسیر تربیتی:۔ بعض مفسر قرآن کے اخلاقی و ہدایتی پہلوؤں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جیسا کہ سید محمد حسین فضل اللہ نے تفسیر من وحی القرآن میں کیا ہے۔

ط۔ تفسیر اجتماعی:۔ یہ دور جدید کے مفسرین کا انداز ہے کہ اجتماعی مشکلات کے حل کے عنوان سے تفسیر کرتے ہیں جیسے منشور جاوید از آیت اللہ جعفر سبحانی۔

ی۔ تفسیر علمی و تجربی:۔ یہ سائنسی و طبیعی نظریات کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر ہوتی ہے جیسا کہ طنطاوی نے الجواہر فی تفسیر القرآن میں کیا ہے۔

(۳) **تفسیر جامع**:۔ یہ روش روائی واجتہادی روش کا مجموعہ ہے جس میں مفسر تمام پہلو جیسے ادبی، کلامی، فلسفی، اجتماعی سامنے رکھ کر تفسیر کرتا ہے جیسا کہ آیت اللہ مکارم شیرازی نے تفسیر نمونہ میں کیا ہے۔

سوال:۔ ظواہر قرآن ہر کسی کے لئے حجت ہیں یعنی صرف ظاہر لفظ دیکھ کر مطلب پر حکم لگا سکتے ہیں؟

جواب:۔ اس ظاہر کے خلاف قرینہ نہ ہو تو وہ ظاہر حجت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی ظاہر کو دیکھ کر اس پر حکم نہیں لگا سکتے کہ مراد خدا یہی ہے جو اس لفظ سے سمجھ آ رہی ہے بلکہ اس کے برخلاف قرینہ کے بارے فحص کرنا ضروری ہے اور ظاہر کو وہ شخص لے سکتا ہے کہ جو مربوطہ آیات پر مکمل آگاہی رکھتا ہو، مثلاً قرآن میں آیا ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ لفظ ''اب'' کے عربی میں معنی باپ کے ہیں کیا ہم یہاں یہ حکم لگا سکتے ہیں کہ ابراہیم کے باپ آزر تھے جو کہ مشرک تھے، کیونکہ لفظ اب اسی معنی میں ظہور رکھتا ہے؟ جواب: پہلے اس کی تحقیق کرنا ہوگی قرآئن و استعمالات دیکھنا ہوں گے اور محکمات قرآن سے مدد لینا ہوگی تب جا کر حکم لگائیں گے، لفظ ''اب'' قرآن میں چچا کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ نانا و مربی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿انا و علیّ ابوا هذه الامّة﴾ (مفردات راغب)۔ ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ﴾، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا کہ ہم آپ کے اور آپ کے آباء کے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے بھی اب کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔ اس کے علاوہ متعدد قرآئن موجود ہیں کہ یہاں اب سے مراد

Presented by Ziaraat.Com

ابراہیم کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں یا مربی۔ اوّلاً: کسی تاریخ میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آزر نہیں آیا بلکہ تارخ آیا ہے اور کتب عہدین میں بھی تارخ آیا ہے۔ خود قرآن دلالت کرتا ہے کہ آزر پدر نہیں تھا حضرت ابراہیم کا چونکہ مشرک کے لئے دعا سے منع کیا گیا جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین کے لئے پیری میں دعا کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورہ ابراہیم:۴۱) یہاں کلمہ ''اب'' استعمال نہیں ہوا بلکہ والد آیا ہے اور آزر کے لئے دعا کی تب جب اس نے وعدہ ایمان دیا تھا اور جب اس سے مایوس ہوگئے تو پھر اس کے لئے کبھی دعا نہیں کی، یہ آپ کی جوانی کے دور کی بات ہے جب آپ بابل میں تھے۔

اس کے علاوہ روایات کو دیکھیں حضور ﷺ نے فرمایا: خداوند نے مجھے ہمیشہ پاک صلبوں میں رکھا اور کبھی جاہلیت کی آلودگیوں سے آلودہ نہ کیا۔ اور ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا نور مبارک ہمیشہ الٰہی و موحد افراد کے صلبوں میں رہا۔ ان ملاحظات کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظاہر حجت نہیں ہے خلافِ ظاہر مراد خدا ہے۔ یوں تفسیر ہونی چاہئے۔

قرآن کے بارے معلومات

قرآن کریم کا سب سے بڑا سورہ سورۂ بقرہ ہے اور سب سے چھوٹا سورہ سورۂ کوثر ہے۔ سید الآیات آیت الکرسی ہے۔ سب سے بڑی آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ ہے۔ سب سے عظیم آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ہے اور سب سے چھوٹی آیت سورہ رحمٰن کی آیت ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ ہے۔ امید بخش آیت ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾۔

قرآن میں سب سے بڑا لفظ ''فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ'' ہے، قرآن میں صرف ایک قمری مہینے کا نام ہے جو کہ ماہ رمضان ہے۔ سورۂ یٰسین قلب قرآن ہے سورہ حمد ام القرآن ہے۔ سورہ فجر سورۂ امام حسین کہلاتی ہے۔ سورہ مسبّحات ان سوروں کو کہتے ہیں جو سبّح یا یسبّح سے شروع ہوں یہ پانچ سورے ہیں: حشر، حدید، تغابن، صف، جمعہ، اعلیٰ بعض نے سورہ اسراء کو شامل کیا ہے اور چھ کہا۔ علامہ طباطبائی نے پانچ کہے ہیں۔

نسب نامہ خداوند سورہ توحید ہے اور نسب نامہ محمد و آل محمد علیہم السلام سورہ قدر ہے۔ چار سوروں میں واجب سجدے ہیں: سورہ سجدہ، سورہ فصلت، سورہ نجم اور سورہ علق۔ چار سوروں کے بارے رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ سورہ ہود، واقعہ، مرسلات اور نباء۔

ایک سورہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ کے بغیر شروع ہوتا ہے جو کہ سورہ توبہ ہے سورہ مجادلہ کی تمام آیات میں کلمہ ''اللّٰہ'' آیا ہے ۴۰ بار۔ سورہ بقرہ کو فسطاط القرآن (خیمہ) کہا گیا ہے، دو سورے ھَل کے ساتھ شروع

Presented by Ziaraat.Com

ہوتے ہیں۔ دھر اور غاشیہ۔ سورہ شعراء نمل اور قصص طواسین کے نام سے معروف ہیں۔ سورہ بقرہ و سورہ آل عمران ''زھروان'' کے نام سے معروف ہیں۔ سور عتاق: اسراء، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء ہیں۔ سورہ اسراء کو سورہ بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے، سورہ کوثر کے تمام آیات حرف راء پر ختم ہوتے ہیں۔ سورہ اعراف آیت: ۱۳۳ میں پانچ عذاب الٰہی بیان ہوئے ہیں ایک سطر میں، قرآن میں دو آیات ایسی ہیں جن میں تمام ۲۸ حروف تہجی آئے ہیں: آل عمران آیت ۱۵۴ اور فتح آیت ۲۹۔

آیت استرجاع ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ بقرہ ۱۵۶ ہے۔ پانچ اولوالعزم انبیاء کے نام سورہ احزاب ۷ میں آئے ہیں۔ آیت نور سورہ نور کی آیت ۳۵ ہے۔ آیت حجاب سورہ نور کی آیت ۳۱ ہے۔ آیت شہادت سورہ آل عمران کی آیت ۱۸ ہے۔ آیت قصاص سورہ بقرہ آیت ۱۷۸ ہے۔ آیت مباہلہ سورہ آل عمران ۶۱ ہے۔ آیت استعاذہ سورہ نحل ۹۸ ہے۔ آیت تغییر قبلہ سورہ برأت ۱۴۴ ہے۔ توبہ نصوح سورہ تحریم ۸ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام سب انبیاءؑ سے زیادہ قرآن میں آیا ہے ۱۳۶ بار۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک محمد قرآن میں چار بار آیا ہے اور احمد ایک بار۔ سورہ انبیاء میں ۱۱۶ انبیاء کے نام آئے ہیں: ذوالنون حضرت یونس کو کہا گیا۔ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور کے بعد جو پہلی آیت تلاوت کریں گے وہ سورہ ہود کی آیت ۸۶ ہے۔ آخری سورہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا وہ سورہ نصر ہے اور آخری آیت جو نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ کی آیت ۳ ہے غدیر خم میں۔

قرآن میں ''یوم'' کی لفظ ۳۶۵ بار آئی ہے اور لفظ ''شھر'' (مہینہ) ۱۲ بار آیا ہے، دو زنِ نمونہ قرآن میں آسیہؑ زن فرعون ہے اور مریمؑ مادر عیسیٰؑ ہیں۔ اور دو زن بدترین زنان کے نام سے مذکور ہیں: زنِ لوط اور زن نوح۔ عورتوں کو سورہ نور زیادہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ صریحاً صرف ایک عورت کا نام قرآن میں آیا ہے وہ ہے حضرت مریم علیہا السلام۔

اولین قتل روئے زمین پر سورہ مائدہ آیت ۳۰ میں مذکور ہے۔ بہار قرآن ماہ رمضان ہے۔ وہ عبادت جس کا کرنا نہ کرنا دونوں حرام ہیں نشے والے کی نماز ہے جو کہ سورہ نساء ۴۳ میں ہے۔

آیت میثاق سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲ ہے۔

سوروں کی تقسیم :(۱) **السبع الطوال** :۔ یعنی سات لمبے سورے، بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور برأت ہیں۔ چونکہ سورہ برأت بسم اللہ نہیں رکھتی لہٰذا اسے سورہ انفال کے ساتھ ایک شمار کیا گیا ہے۔

(۲) **المئین** :۔ یعنی وہ سورے جو سو سے زیادہ آیات رکھتے ہیں یہ بھی سات ہیں: بنی اسرائیل، کھف،

Presented by Ziaraat.Com

مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج اور مومنون۔

(۳) **المثانی**:۔ چونکہ یہ مئین کے بعد آئے ہیں انہیں مثانی کہا جاتا ہے یہ سورہ شعراء (۲۷) سے شروع ہوتے ہیں تا سورہ حجرات (۴۹)۔

(۴) **المفصلات**:۔ یہ چھوٹے سوروں کو کہا جاتا ہے چونکہ ان میں بسم اللہ کے ذریعے فاصلہ ہے ان کے علاوہ ان سوروں میں سے بعض کو اور نام بھی دیئے گئے ہیں۔ جیسے سورعتاق، اسراء، کہف، مریم، طٰہٰ اور انبیاء کو کہتے ہیں، عتاق کے معنی قدیم ہونے کے ہیں یہ سورہ ابتداء میں نزول کی وجہ سے عتاق کہلائے۔

سور عزائم:۔ عزائم عزیمہ کی جمع ہے جو کہ وجوب کے معنی میں ہے جن سور میں واجب سجدے ہیں وہ عزائم کہلاتی ہیں۔

حوامیم:۔ وہ سورے ہیں جو حم کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ یہ ۸ سورے ہیں اور فتح، حشر، سجدہ، طلاق، قلم، حجرات، تبارک، تغابن، منافقون، جمعہ، صف، جن، نوح، مجادلہ، ممتحنہ اور تحریم کو ممتحنات کہا جاتا ہے چونکہ اس کی سورہ ممتحنہ سے شباہت ہے اسی وجہ سے انہیں ممتحنات کہتے ہیں۔

اولین سورہ و اولین آیات:۔ نیز آخری سورہ اور آخری آیات کے نزول میں اختلاف ہے۔ مثلاً سب سے پہلے کون سا سورہ ہے۔ (۱) ۵ آیات از سورہ علق، (۲) بعض نے کہا سورہ مدثر سب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ ہے۔ (۳) اکثر نے سورہ الحمد کو پہلا سورہ قرار دیا ہے جیسا کہ زمخشری نے کشاف میں کہا کہ اکثر مفسرین کا یہی نظریہ ہے۔ ان تینوں نظریوں میں جمع ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم ہے کہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی غارِ حراء میں۔ پھر فترت وحی پیش آ گیا کہ وحی کا سلسلہ تین سال تک منقطع ہوگیا۔ اس کے بعد چند آیات سورہ مدثر کی نازل ہوئی اور بطور کامل پہلا سورہ مکمل طور پر سورہ الحمد نازل ہوا۔

آخری سورہ و آیت:۔ روایات میں وارد ہے کہ آخری سورہ سورہ نصر ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا: آخری سورہ سورہ نصر نازل ہوا۔ ابن عباس سے بھی یہ روایت ہے اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ آخری سورہ سورہ برأت ہے۔ (تفسیر صافی، ج۱) اور بہت سی روایات میں ہے کہ حضورؐ پر آخری آیت ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ (بقرہ:۲۸۱) نازل ہوئی اور حضورؐ نے فرمایا: اس آیت کو سورہ بقرہ میں آیت ربا اور آیت دین کے درمیان قرار دو (یعنی آیت ۲۸۰ کے بعد) اور اس کے بعد حضور ۲۱ دن زندہ رہے۔

ابن واضح یعقوبی نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ حضورؐ پر آخری آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ غدیر خم میں نازل ہوئی جب آپؐ نے حضرت علیؑ کو امارت و جانشینی کے لئے نصب

Presented by Ziaraat.Com

فرمایااور یہی صحیح ہے۔

حق یہ ہے کہ سورہ نصر سورہ برأت سے پہلے فتح مکہ (سن ۸ ہجری) کے موقع پر نازل ہوا۔ سورۂ برأت نو ہجری کے موقع پر نازل ہوا۔ اور جمع یوں ہوگی کہ آخری کامل سورہ سورۂ نصر نازل ہوا اور سورہ برأت کی ابتدائی نو آیات اس کے بعد نازل ہوئی، اور ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا﴾ والی آیت ماوردی کی روایت کے مطابق حجۃ الوادع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ سورہ برأت نہم ہجری میں نازل ہوا اور سورہ مائدہ اس کے بعد نازل ہوا۔

نزول قرآن

وحی کا کیا مطلب ہے؟ لغت کے لحاظ سے وحی کے معنی اشارہ خفیہ سریعہ کے ہیں اور اصطلاح میں علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: وحی ایک غیر مادی تکلم ہے جو کہ حس یا عقلی ادراک سے قابل ادراک نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ادراک و شعور کی ضرورت ہے جو خداوند بعض افراد میں پیدا فرماتا ہے اور وہ فرد نبی کہلاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ پر وحی تین طرح سے انجام پاتی تھی۔ ابتداء رسالت میں خواب کے ذریعے تھی کہ اسے رؤیا صادقہ کہتے ہیں یہ صرف اولین وحی میں تھا۔ جب آپ کی عمر شریف ۳۷ سال ہوئی تو خواب میں آپ نے دیکھا ایک آنے والا یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کر رہا ہے یہ شروع وحی کے لئے مقدمہ کے طور پر تھا۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ نبی پہلے خواب کے ذریعے اپنی نبوت کے وظیفے سے آگاہی پیدا کرتا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضور پاک ﷺ کے لئے ہوا۔ (اصول کافی، جلد ۱، صفحہ ۱۷۶۔ بحار، جلد ۱۸، صفحہ ۲۶۶)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿رؤیا الانبیاء وحی﴾ (امالی طوسی، صفحہ ۲۱۰۔ بحار، جلد ۱۱، صفحہ ۶۴)

(۲) **حضرت جبرئیل ؑ کے ذریعے نزول وحی** :۔ حضور پاک ﷺ پر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ جبرئیلؑ مسجد میں حاضر ہوتے تو باب جبرئیلؑ پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کرتے۔ اور جب داخل ہوتے تو امام صادقؑ کی روایت ہے: ﴿کان یجلس بین یدیہ قعدۃ العبید﴾ پھر جبرئیلؑ حضورؐ کے سامنے دوزانو ہو کر غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے۔

(۳) بغیر واسطہ ملک کے وحی کا نزول :۔ کبھی خداوند بغیر فرشتہ وحی کے بلا واسطہ حضور ﷺ پر وحی نازل فرماتا، الٰہی وحی میں حضور ﷺ پر مدہوشی طاری ہوتی تھی، جبین مبارک پر پسینے کے قطرے نمودار ہو جاتے جبکہ اس کا اثر حاضرین پر بھی ہوتا تھا ان کے سر بھی جھک جاتے تھے۔ امام صادقؑ سے سوال ہوا کہ حضور ﷺ وحی کے وقت مدہوش ہو جاتے یہ کیا تھا؟ فرمایا: یہ تب ہوتا جب آپ کے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہوتا اور خداوند مستقیماً خود آپ پر تجلی فرماتا۔ (درس ہای از قرآن، حبیب اللہ عامری)

Presented by Ziaraat.Com

(نوٹ) قرآن کی وحی صرف انہی دو طریقوں پر ہوئی ہے اور قرآن کی کوئی آیت یا سورہ خواب کی صورت میں نازل نہیں ہوئی)۔

نزول قرآن

قرآن کا دو دفعہ نزول ایک دفعہ پورے قرآن کا نزول اور دوسرا تدریجاً ۲۳ سال کے عرصہ میں نزول مسلم ہے۔نزول دفعی کہاں ہوا اس بارے اختلاف ہے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ لوح محفوظ یعنی مقام علم ازلی الٰہی سے آسمان اول میں بیت العزۃ پر یا آسمان چہارم میں بیت المعمور پر پورے کا پورا قرآن نازل ہوا پھر وہاں سے جبرئیلؑ تدریجاً حضور ﷺ پر نازل کرتے رہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن ایک دفعہ پورا قلب پاک پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا یہ قرآن کا وہی بسیط مرحلہ ہے جس میں اس نے الفاظ و تفریق و تفصیل کا جامہ نہیں پہنا۔سورہ ہود میں ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ کہ یہ آیات واجزاء میں تفصیل بعد کے مراحل میں ہے ورنہ قرآن خود ایک بسیط حقیقت تھی اور ماہ رمضان میں جو لیلۃ قدر میں نازل ہوا یہ اسی نزول دفعی کی بابت کہا گیا ہے ورنہ تدریجاً نزول کی ابتداء تو ۲۷ رجب بعثت رسول خدا ﷺ کے دن سے ہوئی تھی جب سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئی تھیں۔

علامہ طباطبائی نے بھی یہی نظریہ قبول کیا ہے اور شیخ مفیدؒ کا بھی یہی نظریہ ہے اور یہی صحیح ہے ورنہ لوح محفوظ سے بیت المعمور یا بیت العزۃ پر نازل کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔امام رازی نے مصلحت یہ ذکر کی کہ وہاں سے جبرئیلؑ کے لئے لینے میں آسانی تھی اس لئے وہاں نازل کیا۔یہ وجہ کتنی بے اصل و بے بنیاد ہے روشن ہے۔

قلب رسول خدا ﷺ محل وحی

سورہ بقرہ آیت ۹۷ میں ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾۔

سورہ شعراء آیت ۱۹۳ میں بھی ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ﴾ دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو جبرئیل نے قلب پیغمبرؐ پر نازل کیا ہے۔

قلب سے مراد کیا ہے؟

قلب ایک تو دل کو کہتے ہیں جو جسم میں خون پمپ کرنے والا عضو ہے، لیکن قرآن کے استعمالات میں قلب کے یہ معنی مراد نہیں لئے جاتے۔ بلکہ قلب کا دوسرا معنی روح و جان مراد ہوتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ (احزاب:۱۰) موت کے وقت روح ہے جو قبض کی جاتی ہے۔لہٰذا وحی حضور کی روح و جان پر ہوتی تھی اور فرشتے کو دیکھنا یا اس کی آواز سننا بھی قطعاً ظاہری آنکھ و کان سے نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ حواس

Presented by Ziaraat.Com

نبوت و امامت الگ ہیں جو کہ ظاہری حواس سے نا قابل مقایسہ ہیں۔ ظاہری حواس سے جو چیزیں دیکھنے سننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ یہ حواس ان کا ادراک بھی کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابتدائی نزول وحی کے بارے اپنے حوالے سے فرمایا: ﴿کنت اری نور الوحی و الرسالة و اشم ریح النبوة و سمعت رنّة الشیطان﴾ میں نے نور رسالت کو دیکھا۔ ریح نبوت کو سونگھا اور شیطان کی چیخوں کو سنا۔ یا حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں یوسفؑ کے خوشبو پا رہا ہوں یہ تب تھا جب بشیر یوسفؑ کا کرتہ لے کر مصر سے نکلا اور حضرت یعقوب علیہ السلام فلسطین میں تھے۔ پس نبوت و رسالت اور امامت کے لئے ایسے خواص حواس کا ہونا ضروری ہے جو وحی کا ادراک کر سکیں۔

جمع و تدوین قرآن

شیعہ کی نظر میں قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جمع و تدوین ہو چکا تھا جو آپؐ کے حکم سے اور آپ کے زیر نظر انجام پایا۔

اہل سنت اس کام کے زمانہ ابوبکر میں انجام کے قائل ہیں۔

اس بارے زید بن ثابت سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قاری و حافظ شہید ہو گئے تو ابوبکر نے مجھے بلایا اور حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے اور جمع قرآن کا کہا۔ میں نے کہا جو کام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا تم کیسے کرتے ہو، تو عمر نے کہا: یہی مصلحت ہے کہ یہ کام انجام پائے، انہوں نے بار بار یہ کہا تو خدا نے میرے دل میں اس کام پر ان کی موافقت ڈال دی اور میں نے قرآن کو مختلف جگہوں سے جمع کیا اور اسے ایک کتاب کی شکل دی۔ (صحیح بخاری، باب فضل جمع قرآن)

اور ایک روایت میں ہے کہ قرآن جمع کرتے ہوئے میں سورہ احزاب کی ایک آیت گم کر بیٹھا جو میں نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، اسے میں نے خزیمہ بن ثابت انصاری کے ماں سے حاصل کیا۔ ﴿من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه﴾ ایک اور روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب نے یہ کام کروایا اور اعلان کیا جس کے پاس قرآن سے جو کچھ ہے وہ لے آئے اور لوگ آیات کو لے آئے جو کہ مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں، وہ ابھی یہ کام کروا ہی رہے تھے کہ قتل ہو گئے، ان کے بعد حضرت عثمانؓ نے یہ کام جاری رکھا اس حوالے سے روایات بہت سی ہیں اور مختلف ہیں کہ یہ کام کیسے شروع ہوا ان روایات سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا خاصا مشکل ہے۔

صحیح یہ ہے کہ قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جمع و تدوین ہو چکا تھا، ہاں عربوں میں مختلف لہجوں کی وجہ سے اختلافات قرأت میں پیدا ہو رہے تھے جس کی وجہ سے اصحاب نے اور خود حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ وحدت قرأت کی خاطر قرآن ایک لہجہ پر جمع کیا جائے لہٰذا لوگوں سے جمع شدہ قرآن لے لئے گئے اور ایک کمیٹی تشکیل

Presented by Ziaraat.Com

دی گئی جو ایک متفقہ نسخہ تیار کرے، پہلے اس کی سربراہی زید بن ثابت کو دی گئی جب دیکھا اس میں اس کام کی لیاقت نہیں ہے تو پھر ابی بن کعب کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا اور یوں یہ کام شروع ہوا، اس طرح سات نسخے تیار کر کے سات بڑے شہروں کو بھیجے گئے اور ہر ایک نسخے کے ساتھ ایک قاری بھی بھیجا گیا تا کہ اب اختلاف لہجہ پیدا نہ ہو۔

لکھائی کی غلطیاں قرآن میں آ گئیں کتابت کرنے والے زیادہ ماہر نہیں تھے حضرت عثمان سے کہا گیا انہیں ٹھیک کرواؤ تو انہوں نے کہا عرب پڑھنے میں غلطی نہیں کرتے لہذا تصحیح کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد میں حضرت علی علیہ السلام سے کہا گیا آپ یہ اصلاح کر دیں تو آپؑ نے فرمایا: اگر عثمان یہ کام کرتا تو کر سکتا تھا کہ اس نے کتابت کروائی تھی، اب اگر میں یہ کام کروں تو آئندہ آنے والا ہر حاکم قرآن میں اصلاح کے نام سے تبدیلی کرنے لگے گا لہذا اب اس کی گنجائش نہیں ہے۔

محکم و متشابہ

سورہ آل عمران آیت نمبر ۳ میں ہے کہ ﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ﴾ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں محکم و متشابہ آیات موجود ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے جاتے ہیں ان کا مقصد فتنہ گری اور عقائد سوء کا اثبات ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ متشابہ آیات شبہہ انگیز ہیں۔

محکم در مقابل متشابہ استوار و خلل ناپذیر کے معنی میں ہے اور متشابہ کے معنی شبہہ انگیز کے ہیں، ایسی کلام یا کردار جس میں مختلف احتمالات ہوں اور اصل مقصود ان میں پوشیدہ ہو اسے متشابہ کہتے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۷۰ میں ہے: ﴿اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا﴾۔

اصطلاحاً متشابہ کے معنی ﴿مالا ینبی ظاهره عن مراده﴾ کہ جس کے ظاہری معنی اس سے مراد پر دلالت نہ کر سکیں، البتہ ایک اور خصوصیت ہے متشابہ کی کہ وہ شبہ انگیز بھی ہو، صرف مراد نہ ظاہر نہ ہونا تو مبہم میں بھی ہوتا ہے جس کی تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے نہ کی تاویل کی۔

راغب اصفہانی نے مفردات میں بڑی اچھی تعریف کی ہے وہ فرماتے ہیں: ﴿والمتشابه من القرآن ما أُشكل تفسيره لمشابهة بغيره﴾ متشابہ قرآن وہ ہے جس کی تفسیر مشکل ہو کیونکہ وہ اپنے غیر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس بناء پر متشابہ کو تفسیر کی بھی ضرورت ہے جو رفع ابہام کرے اور تاویل کی بھی ضرورت ہے تا کہ دفع شبہ کرے اسی بناء پر تاویل وہ تفسیر ہے جو شبہہ دور کرے۔

تاویل قرآن صرف خدا اور راسخون فی العلم جانتے ہیں جو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل معصومین علیہم السلام ہیں ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ (آل عمران، آیت: ۷)

Presented by Ziaraat.Com

حدیث سبع احرف

قرأت سبعہ کی حجیت کے لئے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ﴿اُنزِل القرآن علی سبعة احرف﴾ یعنی قرآن سات حرف پر نازل ہوا ہے، احرف حرف کی جمع ہے جسے قرأۃ کے معنی میں لیا گیا ہے۔

یہ حدیث شیعہ کتب میں ائمہؑ سے چند سند سے روایت کی گئی ہے کہ اس سند کی صحت ثابت نہیں ہے۔ الخصال باب السبعہ میں ہے۔ بصائر الدرجات میں ہے تفسیر صافی مقدمہ ۸ میں ہے۔

اہل سنت کی کتب میں بھی موجود ہے۔ بخاری و مسلم میں موجود ہے لیکن احرف سے مراد قرآآت لینا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ لہجہ کے معنی میں ہے چونکہ بدوی عرب شہریوں کے لہجے پر قرأت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہیں اپنے لہجے پر قرأت کی اجازت دی گئی۔ کلمات و الفاظ کی ادائیگی میں جو لہجوں میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ مراد ہے۔

یہی قول مشہور مفسرین و علماء لغت کا ہے۔ اور اسے سات قرآآت پر حمل کرنا کسی مشہور مفسّر سے ثابت نہیں ہے صرف عام لوگوں میں اس کی شہرت ہے حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ اس سات احرف سے مراد سات قرآآت نہیں ہیں۔

قرآآت سبعہ

قرآن کے ساتھ اختصاص رکھنے والے قُرّاء ہر دور میں تھے خود طبقہ اول میں اصحاب میں سے بعض افراد اس حوالے سے مشہور تھے جیسے اُبّی و ابن مسعود وغیرھما یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ چوتھی صدی کے ابتداء میں ابوبکر بن مجاہد (جو کہ بغداد کے شیخ القراء تھے) نے قرآآت کو سات قرأتوں میں باقاعدہ طور پر قرار دے دیا اور پھر بعد میں مزید سات قاری اضافہ ہوئے اور مجموعاً چودہ قاری معروف ہو گئے اور ان میں سے ہر قرأت دو راوی کے ذریعے روایت ہوئی ہے اس لحاظ سے اٹھائیس قرأتیں ہوں گی انکے بارے تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے اور ان میں سے ایک قرأت کے علاوہ کسی کا رسول خدا ﷺ سے روایت ہونا ثابت نہیں ہے اور وہ ایک وہی ہے جو مسلمانوں میں رائج و معمول ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿انّ القرآن واحد نزل من عند واحد و لکنّ الاختلاف یجیئ من قبل الرواة﴾ (اصول کافی، ج ۲، ص ۶۳۰) قرآن واحد ہے جو واحد کی طرف سے نازل ہوا، اس میں اختلاف اس کے راویوں کی طرف سے آیا ہے۔

قرّاء سبعہ اور ان کے رواۃ

(۱) ابن عامر:۔ یہ عبداللہ بن عامر یحصبی ہیں (م ۱۱۸ ھج) یہ شام کے قاری تھے۔ ان کے راوی ہشام بن عمار (متولد ۱۳۵ و متوفی ۲۴۵) اور ابن ذکوان ہیں (متولد ۱۷۳ و متوفی ۲۴۲ ہیں) ان دونوں نے ابن عامر کو نہیں پایا۔

Presented by Ziaraat.Com

(۲) ابن کثیر:۔عبداللہ بن کثیر داری (م ۱۲۰) یہ مکہ کے قاری تھے ان کے دو راوی قنبل (۱۹۱۔۲۹۵) اور بزی (۱۷۰۔۲۵۰) ان دونوں نے بھی ابن کثیر کو نہیں پایا۔

(۳) عاصم:۔عاصم بن ابی نجود اسدی (متوفی ۱۲۸ھ) یہ کوفہ کے قاری تھے ان کے دو راوی (۱) حفص بن سلیمان آپ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ (۹۰۔۱۸۰) اور (۲) شعبہ ابوبکر بن عیاش (۹۵۔۱۹۳) حفص عاصم کی قرأت کو زیادہ بہتر طور پر جانتے تھے اور اسی کے ذریعے یہ قرأت مشہور ہوئی اور آج رائج قرأت یہی ہے۔

(۴) ابوعمرو:۔ریان بن ابی عمرو بن علاء مازنی (متوفی ۱۵۴ھ) یہ بصرہ کے قاری تھے۔
ان کے "راوی (۱) حفص بن عمر (متوفی ۲۴۶ھ) اور (۲) سوسی صالح بن زیاد (متوفی ۲۶۱ھ) تھے کہ انہوں نے بھی اسے نہیں پایا۔ اور یزیدی کے واسطہ سے ان کی قرأت اخذ کی۔

(۵) حمزہ:۔حمزہ بن حبیب زیات (متوفی ۱۵۴ھ) یہ کوفہ کے قاری تھے ان کے دو راوی ہیں: (۱) خلف بن ھشام (۱۵۰۔۲۲۹)۔ (۲) اور خلاد بن خالد (متوفی ۲۲۰ھ) تھے۔ انہوں نے بھی اس سے واسطہ کے ساتھ قرأت لی۔

(۶) نافع:۔نافع بن عبدالرحمٰن اللیثی (متوفی ۱۶۹ھ) مدینہ کے قاری تھے ان کے دو راوی: (۱) عیسیٰ بن مینا (۱۲۰۔۲۲۰) یہ قالون کے نام سے معروف تھے اور نافع کے منہ بولے بیٹے تھے۔ (۲) ورش عثمان بن سعید (۱۱۰۔۱۹۷) یہ قرأت آج کل بعض مغربی عرب ملکوں میں رائج ہے۔

(۷) کسائی:۔علی بن حمزہ (متوفی ۱۸۹ھ) کوفہ کے قاری تھے انکے راوی (۱) لیث بن خالد (متوفی ۲۴۰) اور (۲) حفص بن عمر تھے یہ حفص بن عمر ابوعمرو مازنی کے راوی بھی ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

ان میں سے چار قاری اظہار تشیع کرتے تھے: عاصم، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی۔ ابن کثیر و نافع اہل فارس تھے۔ ہو سکتا ہے شیعہ ہوں۔ لیکن ابن عامر اموی تھا اور بیہودہ و بے پرواشخص تھا۔

محققین ان قرائت کو متواتر نہیں مانتے، نہ رسول خدا ﷺ سے ان کی روایت ثابت ہے نہ بیچ میں ان کا تواتر ثابت ہے۔ صرف اجتہاد شخص پر موقوف ہیں۔

اس بناء پر ان کی حجیت ثابت نہیں ہے لہٰذا رائج قرأت سے ہٹ کر کسی قرأت کو نماز میں پڑھنے سے نماز باطل ہو جائے گی جیسے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے بجائے مَلِكِ يوم الدين پڑھیں۔ ائمہ نے حکم دیا ہے کہ قرآن کو اسی قرأت کے مطابق پڑھو جو مسلمانوں میں رائج ہے (یہی متواتر ہے) اور آج کل مصاحف اس کے مطابق لکھے ہوئے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

باب الفقه

مقدمہ

علم فقہ

غیبت کے شروع ہونے سے فقہ کا نیا دور شروع ہوا۔ ابتداء میں فقہاء کا زمانہ ائمہ کے دور سے قریب تھا لہٰذا اس دور میں فقہاء نے بیشتر احادیث کے جمع پر ہی اکتفاء کیا۔ جناب شیخ صدوق رئیس المحدثین (م ۳۸۱ ہجری)، محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹ ہجری)، شیخ مفید (م ۴۱۳ ہجری)، سید مرتضیٰ (م ۴۳۶ ہجری) اس دور کے فقہاء تھے۔ اس دور کے بعد مزید مسائل پیش آئے تو فقہ میں وسعت پیدا ہوئی اور باقاعدہ اجتہاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی معروف بہ شیخ طوسی (م ۴۶۰ ہجری) نے اصل تحول ایجاد کیا۔ ان کے استاد سید مرتضیٰ فوت ہوئے تو حوزہ علمیہ کی ریاست شیخ طوسی کو حاصل ہوئی، آپ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ احادیث میں کتب اربعہ میں دو کتب آپ کی ہیں: الاستبصار اور تہذیب الاحکام اور فقہ میں المبسوط، نہایہ اور خلاف ہیں اور تفسیر میں التبیان ہے۔ عدۃ الاصول اصول الفقہ میں ہے اور تمہید الاصول و تلخیص الشافی علم کلام میں ہیں۔ شیخ طوسی کے بعد چند بڑے فقہاء نے بڑے اہم اثرات چھوڑے ہیں فقہ و اجتہاد میں۔

۱۔	محمد بن احمد الحلی (ابن ادریس)	م ۵۹۸ ہجری
۲۔	جعفر بن الحسن الحلی (محقق اول)	م ۶۷۶ ہجری
۳۔	محمد بن مکی (شہید اول)	م ۷۸۶ ہجری
۴۔	حسین بن یوسف الحلی (علامہ حلی)	م ۷۲۶ ہجری
۵۔	شیخ علی عاملی (محقق ثانی کرکی)	م ۹۴۰ ہجری
۶۔	زین الدین ابن علی عاملی (شہید ثانی)	م ۹۶۵ ہجری

پھر اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے نہضت اجتہاد کو شدید دھچکا لگا جب شیخ محمد امین استر آبادی متوفی ۱۰۳۶ ہجری نے اجتہاد کے خلاف اخباری مکتب کی بنیاد رکھی اور کچھ بڑی شخصیات نے اسے تقویت دی جس کی تفصیل معارف کی بحث میں بیان ہو چکی ہے۔ شیخ محمد باقر وحید بہبہانی متوفی ۱۲۰۵ ہجری اور ان کے شاگردوں کے ذریعے ایک بار پھر اجتہاد میں

Presented by Ziaraat.Com

حیاتِ نو پیدا ہوئی اور اخباریت کا زوال شروع ہوا۔ آپ نے اپنے استدلالات کے ذریعے اخباریت کے شبہات کے جوابات دیئے اور اجتہادی استدلالات کو استوار کیا۔ محمد امین استرآبادی نے الفوائد المدنیہ نامی کتاب لکھی تھی۔ اخباریت کی تقویت کے لئے، آپ نے اس کی رد میں الفوائد الحائریہ نام سے کتاب لکھی۔ اس علمی نہضت کے بڑے فقیہ سید مہدی بحرالعلوم (م ۱۲۱۲ ہجری)، شیخ جعفر کاشف الغطاء (م ۱۲۲۷ ہجری)، اور سید علی طباطبائی صاحب ریاض (م ۱۲۳۱ ہجری) تھے۔ میرزا ابوالقاسم قمی (م ۱۲۳۱ ہجری)، احمد بن محمد مہدی نراقی (م ۱۲۴۵ ہجری)، شیخ محمد حسین اصفہانی صاحب فصول (م ۱۲۵۴ یا ۱۲۶۰ ہجری)، شیخ محمد حسن صاحب جواہر (م ۱۲۶۶ ہجری) اور پھر شیخ مرتضیٰ انصاری (م ۱۲۸۱ ہجری) پر اجتہاد کو اوج نصیب ہوا کہ آج بھی حوزاتِ علمیہ میں ان کی اصول کی کتاب فرائد الاصول (رسائل) اور فقہ کی کتاب المکاسب آخری کتب کے طور پر پڑھائی جاتی ہیں۔

قرآن کریم نے ہر قوم کے بعض افراد پر واجب کیا ہے کہ علم فقہ پڑھیں۔ ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ (توبہ:۱۲۲) دین میں تفقہ (فہم دین وشریعت) کے لئے ہر امت سے ایک گروہ کا جانا واجب ہے۔ یعنی تفقہ فی الدین واجب کفائی ہے۔ آج حوزاتِ علمیہ اسی مقدس فریضہ کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ انہی کی برکات سے دین محمدؐ و آل محمدؑ پھل پھول رہا ہے۔ اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے افراد علماء کہلاتے ہیں۔ غیر علماء یہ وظیفہ انجام دیں ایسی کوئی روش کبھی نہیں رہی۔ باطل کی نشاندہی اور پھر اس کے سامنے ڈٹ جانا یہ حوزاتِ علمیہ ہی کا شیوہ رہا ہے۔ جب کسی انحرافی فکر نے مذہب حقہ کے مقابل شبہات پیش کئے ہمیشہ نظریں انہی حوزاتِ علمیہ کی طرف اٹھیں، یہی وجہ ہے کہ دشمن ہمیشہ اس مورچے پر زیادہ سے زیادہ یلغار کرتے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ جب تک یہ مورچے قائم ہیں تب تک ان کے مقاصد کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اسی وجہ سے علمائے حقہ کو کافل ایتام آل محمدؐ، مرابطین (مذہبی سرحدوں کے محافظین) اور امناء الرسل جیسے عظیم القابات عطا کئے۔

ان مراکز کی مخالفت کرنا ائمہ وولایت کی خدمت نہیں ہے بلکہ دشمن شیعیت کی خدمت ہے بلکہ دشمنانِ اسلام کی خدمت ہے۔ جب تک یہ مراکز محفوظ ہیں اسلام شیعیت کی شکل میں اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے ورنہ اس کے تحفظ کی ضمانت کون دے گا کوئی ایسا مرکز بتلائیں جس نے اسلام کی تبیین وتفسیر اور حفاظت کا ذمہ اپنے سر لیا ہو ہر دور میں یہی مراجع اور حوزاتِ علمیہ ہی اس مقدس فریضے کو انجام دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے "خار در چشم دشمنان"۔

☆☆☆☆☆

سوال:۔ کیا احکام کا کوئی فلسفہ بھی ہوتا ہے یعنی آیا ان احکام شریعت کی کوئی وجہ بھی ہے مثلاً ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں، زیارت پر کیوں جاتے ہیں، ربا وسود کیوں حرام ہے وغیرہ؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب :۔ یہ بات مسلّم ہے اور اصحاب و رواۃ حدیث کی یہ روش رہی ہے کہ وہ فلسفہ احکام کے بارے گفتگو کرتے تھے۔ قرآن منطقی اور استدلالی گفتگو کرتا ہے، خداوند بھی حکیم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا، عبث اور لغو کام ممکن نہیں ہے کہ اس سے صادر ہو اسی بناء پر ضروری ہے کہ ہر حکم کا کوئی فلسفہ وحکمت بھی ہونا چاہئے۔

جیسے روزے کے لئے فرمایا: روزہ رکھو ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (بقرہ:۱۷۹) تقویٰ وپرہیزگاری کو فلسفہ روزہ کے طور پر ذکر کیا ہے کہ انسان اس عبادت کے ذریعے اپنے سرکش نفس کو رام کرلیتا ہے۔ جو لوگ روزہ نہیں رکھ سکتے مثلاً بیمار یا مسافر ہیں ان کے بارے فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (بقرہ:۱۸۵) ان کا فلسفہ نفی عسر و حرج کو ذکر کیا۔ جب شراب وقمار (جوئے) کو حرام کیا تو فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (مائدہ:۹۱) شیطان چاہتا ہے کہ شراب وقمار کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی ونفاق کے بیج بوئے اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روک دے۔ نامحرم پر نگاہ سے روکا تو فرمایا: ﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ (نور:۳۰) یہ آپ کی پاکی وطہارت میں بہت مؤثر ہے۔

فییٔ کے بارے فرمایا کہ یہ بیت المال سے خاص ہے اور عمومی موارد میں خرچ کیا جائے کہ ﴿لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾ (حشر:۷) تاکہ صرف مال داروں کے درمیان ہی ردوبدل نہ ہوتا رہے اور اکثریت اس سے محروم ہوجائے۔ روایات میں بھی فلسفہ احکام بیان ہوا ہے۔ شیخ صدوق نے علل الشرائع میں انہی روایات کو جمع کیا ہے۔

احکام کو فقہاء توضیح المسائل میں بیان کرتے ہیں اس کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

(۱) **فتویٰ**:۔ یعنی کسی مسئلہ کا حکم بیان کرنا جیسے واجب ہے یا حرام ہے، مستحب ہے یا مکروہ ہے یا مباح ہے۔ یہ چار اصطلاحیں بھی فتویٰ شمار ہوتی ہیں: (الف) اظہر یہ ہے، (ب) اقویٰ یہ ہے، (ج) اقرب یہ ہے، (د) بعید نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا حکم بھی فتویٰ والا ہے۔

(۲) **احتیاط واجب**: حکم مسئلہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

سود

سوال :۔ قرض کے ساتھ سود کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ کسی کو اگر قرض کے عنوان سے پیسے دیئے جائیں اس شرط کے ساتھ کہ وہ اضافے کے ساتھ واپس کرے گا تو یہ سود ہے اور حرام ہے لیکن اگر قرض دیتے وقت ایسی شرط نہ کی جائے، قرض کی واپسی کے وقت دینے والا اضافے کے ساتھ واپس کرے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مستحب ہے قرض واپس کرنے والا اضافے کے ساتھ واپس کرے حدیث میں ہے ﴿خير القرض ما جرّ نفعًا﴾ بہترین قرض وہ ہے جو نفع لے کر آئے۔

Presented by Ziaraat.Com

سوال:۔ مضاربہ کیوں صحیح ہے اور ربا (سود) کیوں حرام ہے؟

جواب:۔ مضاربہ اس لئے صحیح ہے چونکہ اس معاملہ کو اسلام نے قبول کیا ہے۔ چونکہ معاشرہ میں اقتصادی ضروریات کے لئے مفید ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ ایک شخص کا ہو اور دوسرا اس سے کام یا تجارت کرے نفع و نقصان میں دونوں شریک ہوں۔ اور نفع کی تعیین معین مقدار میں نہ ہو بلکہ فیصد کے ساتھ ہو۔ جبکہ سود اس طرح نہیں ہے اس میں نفع مقدار معیّن میں ہوتا ہے اور پیسے والے کو صرف نفع ملتا ہے نقصان میں وہ شریک نہیں ہوتا۔

سوال:۔ اگر وقت گزرنے کے ساتھ پیسے کی قیمت کم ہو جائے تو کیا قرض میں لئے ہوئے پیسے اسی حساب سے زیادہ دینے ہوں گے؟

جواب:۔ پیسے کی قیمت بے شک کم ہو جائے قرض میں لی ہوئی رقم اتنی ہی واپس کرنا ہوگی جتنی لی تھی۔ اس سے اضافہ مانگنے سے ربا لازم آئے گی، ہاں دینے والا خود زیادہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال:۔ ربا کیا ہے؟

جواب:۔ ربا (سود) یعنی اضافہ لینا بغیر کسی شرعی سبب کے۔

ربا کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربا معاملی، (۲) ربا قرضی۔

معاملی ربا یعنی دو ہم جنس چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بیچنا جبکہ ایک طرف زیادتی ہو چاہے عینی زیادتی ہو جیسے ایک من گندم دو من گندم کے ساتھ یا ایک من گندم ایک من گندم اور ایک درہم کے ساتھ بیچے۔ یا زیادتی حکمی ہو جیسے ایک من گندم نقد ایک من گندم ادھار کے ساتھ بیچے۔

معاملی ربا کی دو شرطیں ہیں: (۱) عرفاً دونوں ایک جنس سے ہوں۔ (۲) عوض و معوض دونوں مکیل و موزون ہوں یعنی انہیں پیمانے سے بیچا جائے یا وزن سے۔ لہٰذا جو چیز گن کر یا پیمائش کے ساتھ بیچی جائے اس میں معاملی ربا حرام نہیں ہے۔ (۳) قرضی ربا:۔ کسی کو کوئی قرض دے اور واپسی پر زیادتی کی شرط کرے تو یہ ربا ہے اور حرام ہے، اور یہ ہر قسم کے قرض میں جاری ہے اور حرام ہے زیادتی چاہے عینی ہو یا حکمی۔

قرضی ربا میں وہ دونوں شرائط شرط نہیں ہیں جو معاملی ربا میں شرط ہیں۔ بلکہ جو قرض بھی اضافے کی کسی قسم کی شرط کے ساتھ دیا جائے وہ ربا ہے اور حرام ہے۔

سوال:۔ تین طلاقوں کی وضاحت کریں۔

جواب:۔ شیعہ کے نزدیک ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع نہیں ہوتی۔ اولاً:۔ صیغہ طلاق

Presented by Ziaraat.Com

عربی میں ہو اور ثانیاً دو عادل گواہوں کی موجودگی صیغہ جاری ہو تب طلاق واقع ہوگی، صرف اردو میں "طلاق دیتا ہوں" کہنے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ اور تین طلاقیں تب واقع ہوتی ہیں کہ شخص شرائط کے ساتھ بیوی کو طلاق دے، پھر عدت کے اندر رجوع کرے، اور پھر طلاق دے اورعدت کے اندر رجوع کرے اور پھر طلاق دے تو اس صورت میں تین طلاق واقع ہو جائے گی اور اب وہ اس شخص کی بیوی تب بن سکے گی کہ وہ کسی اور شخص سے شادی کر لے اور وہ مقاربت کے بعد اسے طلاق دے دے تو اس پر حلال ہوگی، اسے محلل کہتے ہیں اور اسے طلاق عدّی کہتے ہیں نو طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر حرام مؤبد یعنی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور ایک طلاق سُنی بالمعنی الاخص ہے اس میں شخص طلاق رجعی دے اور پھر عدت کے اندر رجوع نہ کرے بلکہ عدت گزرنے کے بعد رجوع کرے نکاح جدید کے ذریعے، تو اس صورت میں ہر تیسری طلاق طلاق بائن ہوگی جس کے بعد کسی اور مرد سے شادی کر کے وہ مقاربت کے بعد طلاق دے تو اس کی عدت گزرنے کے بعد شوہر اول سے شادی کر سکتی ہے۔ لیکن یہ عورت شوہر اول پر حرام مؤبد نہیں ہوتی۔

سوال:۔ قرآن میں کتنے سجدے واجب ہیں اور کن سوروں میں ہیں؟

جواب:۔ قرآن میں چار سجدے واجب ہیں یعنی ان چار آیات میں سے انسان کسی آیت کو پڑھ لے یا کسی سے سن لے تو اس پر سجدہ واجب ہے۔ (۱) سورہ سجدہ (اکیسواں جزء)، (۲) سورہ فصلت (یعنی حم سجدہ) جو کہ ۲۴ پارے میں ہے۔ (۳) سورہ نجم (یہ ۲۷ پارے میں ہے)۔ (۴) سورہ اقرء (یہ ۳۰ ویں پارے میں ہے)۔

سجدہ ایک واجب ہے اور اس میں شرائط تو وہی سجدہ والے ہیں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں ہے، اسی طرح باوضو ہونا بھی شرط نہیں ہے، لباس کے شرائط بھی جو نماز میں شرط ہیں اس میں شرط نہیں ہیں۔ پیشانی کا اس چیز پر رکھنا ضروری ہے جس پر سجدہ صحیح ہے۔ اس سجدہ میں صرف پیشانی کا زمین وغیرہ پر رکھنا کافی ہے ذکر ضروری نہیں ہے البتہ مستحب ہے سجدے کا ذکر پڑھے اور یہ دعا پڑھنا بہتر ہے: ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حقا حقا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایمانا و تصدیقا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عبودیۃ و رِقًا سَجَدْتُ لَكَ یَا رَبِّ عُبُوْدِیَّۃً وَ رِقًّا لا مستنكفا ولا مستكبرا بل انا عبد ذلیل ضعیفٌ خائفٌ مستجیر﴾۔

سوال:۔ نماز استسقاء کا طریقہ لکھیں۔

جواب:۔ جب بارش نازل نہ ہو رہی ہو تو نزول باران کے لئے یہ نماز پڑھی جاتی ہے یہ نماز عید کی طرح ہے اس کی قنوت میں مستحب ہے طلب باران کی جائے۔ اس سے پہلے درود پڑھیں۔

نماز استسقاء کے آداب و مستحبات

(۱) تین دن لوگ روزہ رکھیں اور تیسرے دن امام جماعت کے ساتھ لوگ سکونت و وقار کے ساتھ چلتے ہوئے

Presented by Ziaraat.Com

صحرا کی طرف جائیں، بہتر ہے ایسی حالت کے ساتھ نکلیں جو رحمت خدا کو جذب کرے جیسے پاؤں ننگے ہونا، بوڑھوں، بچوں اور حیوانات کو بھی ساتھ لے کر جانا، بچوں اور ماؤں کے درمیان جدائی ڈالنا، امام جماعت اور دوسرے افراد کا نماز کے بعد عباء کو الٹ لینا دائیں کو بائیں، بائیں کو دائیں کرلے اور اسی طرح باقی رہنے دیں یہاں تک کہ وہ خود گر جائے۔

سوال:۔ اگر کسی نے خودکشی کر لی ہو تو کیا اس کی مجلس ترحیم و فاتحہ برقرار کی جاسکتی ہے؟

جواب:۔ خودکشی بہت بڑا گناہ ہے اور حرام کی موت ہے ایک مومن اس کا تصور ہی نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کسی نے ایسا کرلیا ہو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے بلکہ وہ اس دنیا سے خالی ہاتھ گیا ہے اس کے لئے دعائے مغفرت و ختم و مجلس کی زیادہ ضرورت ہے اور یہ سب کرنا چاہیئے ہوسکتا ہے غفور و رحیم اس کی مغفرت کردے۔

شرط واقعی و شرط علمی

عبادات وغیرہ میں بعض شرائط واقعی ہوتی ہیں اور بعض علمی یعنی شرط واقعی شرط ہے چاہے شخص کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس شرط کی تحصیل ضروری ہے۔ اور شرط علمی علم کی صورت میں شرط ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً نماز میں طہارۃ من الحدث یعنی وضوء و غسل کی شرط شرط اوقعی ہے۔ اگر نماز کے بعد پتہ چلے کہ نماز بغیر وضوء کے پڑھی ہے تو یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی اگرچہ بہت مدت بعد پتہ چلے۔ مثلاً شخص نے صبح وضوء کیا۔ اب ظہرین کی نماز کے وقت شک کرتا ہے کہ پتہ نہیں اس کا وضوء باقی ہے یا نہیں اور وضوء ٹوٹنے کا یقین بھی نہ ہو تو شریعت کہتی ہے وضوء کا استصحاب کرو کہ اب بھی وہ وضوء باقی ہے اور اپنے آپ کو باوضوء سمجھ کر نماز پڑھ سکتے ہو دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد پتہ چلے کہ وضوء تو باطل ہوگیا تھا اور نماز بغیر وضو کے پڑھی ہے تو یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ جبکہ طہارۃ عن الخبث یعنی ظاہری نجاست کا علم ہو کہ لباس یا بدن پر لگی ہے تو اس سے طہارت شرط ہے ورنہ شرط نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص کے لباس پر نجاست لگی ہے لیکن اسے پتہ نہ ہو اور وہ نماز پڑھ لے نماز کے بعد پتہ چلے کہ لباس نجس تھا تو اسے نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر نماز سے پہلے اسے نجاست کا علم ہو جائے اور نماز کے وقت وہ نجاست کو بھول جائے اور نماز پڑھ لے تو یہ نماز باطل ہے اور اسے نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی، چونکہ یہ نجاست اس کے علم میں آگئی تھی اسی طرح جانور کو قبلہ رخ ذبح کرنا یہ شرط علمی ہے۔ اگر کوئی ایک طرف کو قبلہ سمجھ لے ایسی علامت کی بناء پر جو شرعاً معتبر ہے مثلاً اسے گمان ہو کہ قبلہ اس طرف ہے (اس باب میں ظن حجت ہے) اور جانور کو اس طرف منہ کرکے ذبح کرلے اس کے فوراً بعد پتہ چل جائے کہ قبلہ اس طرف نہیں تھا تو وہ ذبیحہ حلال ہے۔

قمار کی بازی کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ہر مقابلہ جس میں شرط کے ساتھ ہار جیت ہو وہ حرام ہے یعنی کسی کھیل میں شرط لگانا حرام ہے۔ ہاں

Presented by Ziaraat.Com

علمی مقابلوں میں انعام (جائزہ) رکھا جاسکتا ہے بشرطیکہ خود کھیل میں شرکت کرنے والوں سے پیسہ اس انعام کے لئے نہ لیا جائے، ہر وہ چیز جو قمار شمار ہوتی ہو اور اس کی وضع جوئے کے لئے ہوئی ہو اس کے ساتھ کھیلنا حرام ہے اگر چہ بغیر شرط کے ہو۔

تاش کے پتے اگر تو قمار کے آلات ہونے سے خارج ہو جائیں تو ان کے ساتھ کھیلنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

انعام کی چیز خریدنے کے لئے کھلاڑیوں سے چندہ نہیں لے سکتے لیکن کھیل کے سامان کی خرید کے لئے ان سے چندہ لیا جاسکتا ہے۔

کسی کھیل پر دیکھنے والوں کی طرف سے رقم لگانا جوا ہے جو کہ حرام ہے۔

شرط کا مطلب کا یہ ہے کہ طرفین کچھ مال یا کوئی چیز قرار دیں کہ جو بھی جیت جائے گا یہ مال یا چیز اس کی ہوگی یہ جوا ہے اور حرام ہے۔

فلسفۂ روزہ

روزے کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ یہ انسان پر شہوت و عادت کی حکومت کو ختم کرتا ہے اور انسان کو خواہشات کی غلامی سے بچاتا ہے۔ سب سے خطرناک و بدترین حکومت انسان پر اس کی خواہشات اور کسی عادت کی حکومت ہے، ایک چھوٹی سی عادت کی خاطر انسان بعض دفعہ عزت نفس کی پروا نہ کرتے ہوئے ذلت قبول کر لیتا ہے، آزاد انسان وہ ہے کہ جس پر کوئی ناپسندیدہ عادت حاکم نہ ہو اور اپنے آہنی ارادہ کے ذریعے ہر طرح کی عادت پر غالب آجائے، ایسا غلبہ و کامیابی روحی مقاومت و پائیداری سے ہی ممکن ہے اور یہ چیز انسان کے اندر روزے سے پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ روزہ انسان کے اندر انسانی عواطف و احساسات کو زندہ کرتا ہے امراء و مالدار حضرات کو بھوک کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ نادار افراد کی مشکلات کا احساس کرتے ہیں۔ لوگوں میں ایثار و انفاق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اجتماع و اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے، یہ سب ظاہری و معاشرتی فائدے ہیں جو روزہ پر مترتب ہیں۔ اور ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تو خود قرآن نے کہہ دیا کہ روزہ تقویٰ کے لئے ایک اہم سبب ہے۔ اور اس کا ایک پس منظر بھی ہے کہ بت پرست اپنے بتوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے روزہ رکھتے تھے، اور ان کی نظر میں اس کا نفع دونوں کو ہوتا تھا۔ لیکن خداوند نے فرمایا تمہاری عبادات و روزے کا فائدہ خدا کو نہیں ہے صرف تمہارا فائدہ ہے خداوند غنی مطلق ہے اسے ہمارے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور روزہ حصول تقویٰ میں مفید ہے، روزہ میں انسان حلال چیز سے امساک کرتا ہے اپنے آپ کو روکتا ہے اس سے نفس کو رکنے پر ایک طرح کی تمرین ہو جاتی ہے کہ جو حکم خدا سے حلال چیزوں سے رک سکتا ہے تو حرام سے رکنا اور زیادہ آسان ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

مسائل خمس

سوال:۔ اگر کسی کے گھر مہمان ہوں جو خمس نہیں دیتا تو اس کے گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر یقین ہو کہ جس مال سے کھا رہے ہیں اس کے خمس متعلق ہوا ہے اور ادا نہیں ہوا تو بعض مجتہد اس کی اجازت نہیں دیتے، لیکن آقای جواد تبریزی فرماتے ہیں کہ کھا سکتے ہیں چونکہ خمس مالک کے ذمے منتقل ہو جاتا ہے۔

باپ جو پیسے بیٹے کو دیتا ہے اس پر خمس واجب نہیں ہے۔

حج پر جانے سے پہلے عموماً علماء مال حج سے خمس نکلواتے ہیں لیکن یہ مسئلہ بطور مطلق اس طرح نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے، اگر اسی سال کے منافع سے حج یا زیارات پر جا رہے ہیں تو ان پیسوں پر خمس واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک ایسی زمین بیچی جس پر خمس واجب نہیں تھا تو ان پیسوں پر بھی خمس متعلق نہیں ہوگا، اگر وہ سابقہ سالوں کی بچت ہو اور کچھ اس سال کی بچت ہو تو جو مال سابقہ سالوں کی بچت ہے اس پر خمس واجب ہے، اس سال والے مال پر خمس واجب نہیں ہے۔

سوال:۔ کیا کتابوں پر خمس ہے؟

جواب:۔ اگر کتاب ضرورت کے لئے خریدی گئی ہو تو اس پر خمس نہیں ہے اور اگر بلا ضرورت ہو تو ان پر خمس لازم ہو جاتا ہے (مراد اس سال کی ضرورت ہے)۔

العروۃ الوثقی میں کہا زکوۃ کا وجوب ضروریات میں سے ہے جو یہ حکم جانتا ہو اور پھر زکوۃ کا انکار کرے تو کافر ہے۔ اسی طرح خمس کے بارے فرمایا: جو خمس کو حلال سمجھتا ہے اور ادا نہیں کرتا وہ کافر ہے، ہاں مانتا ہو لیکن ادا نہ کرتا ہو تو کافر نہیں ہوگا خمس کے کھانے کی حرمت کا انکار کفر ہے۔

خمس کے دو حصے ہوتے ہیں سہم امامؑ اور سہم سادات، سہم امامؑ اپنے اس مجتہد تک پہنچانا واجب ہے جس کی تقلید کرتے ہیں، ور بناء بر احتیاط واجب سہم سادات بھی مجتہد کے اجازہ کے ساتھ خرچ کیا جائے یا خود مجتہد کو پہنچا دیں (سہم سادات فقراء سادات کو دے سکتے ہیں)۔ اگر انسان مکان بنانے کے لئے پلاٹ خریدے اور اس پر پیسے نہ ہونے کی وجہ سے تعمیر نہ کر سکے تو اس پر خمس واجب نہیں ہوگا لیکن اگر ویسے چھوڑ دے اور مکان تعمیر نہ کرے تو اس پر خمس واجب ہو جائے گا ایک سال گزرنے کے بعد۔

سوال:۔ انسان کو جو میراث ملتی ہے، اس پر تو خمس نہیں ہے لیکن اگر اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو اس پر اضافہ پر خمس ہے؟

جواب:۔ نہیں اس پر بھی خمس نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اگر انسان ایک زمین خریدے زراعت کے لئے۔ اگر اسی سال کی درآمد سے خریدی ہے تو موجودہ پرخمس ہے اسی طرح اگر اس پیسے سے نقد خریدی ہو جس پر سال گزر چکا ہے تو بھی موجودہ قیمت پرخمس ہے۔ اور اگر اُدھار خریدی ہو اور اس کی ادائیگی بے شک اس پیسے سے کرے جس پر سال گزر چکا ہو تو قیمت خرید پرخمس ہے۔

عام ہدیہ وتحفہ پرخمس نہیں ہے لیکن ہدیہ قیمتی ہو اور تا آخر سال باقی رہے تو اس پرخمس ہے۔

جو چیز ادھار لی ہے اور اس کی قیمت ابھی تک ادا نہیں کی تو اس پرخمس نہیں ہے۔ گھر کی ضرورت کی چیزیں خمس نہیں رکھتی اگر چہ بعض دفعہ سال کے اندر استعمال نہ ہوں۔

سوال:۔ اگر کسی نے ابھی تک خمس نہیں دیا اور اب پہلی دفعہ خمس دینا چاہتا ہے تو اس کی سب چیزوں پرخمس ہوگا؟

جواب:۔ جو چیز دوران سال کی آمدن سے خریدی ہو اور گھر کی ضرورت ہو اس پرخمس نہیں ہے اور اگر ان پیسوں سے خریدی ہو جن پر سال گزر چکا ہو ان پرخمس ہے اگر چہ گھر کی ضرورت ہو۔

سوال:۔ اگر کوئی اپنا گھر بیچتا ہے تا کہ اس سے بہتر گھر خرید سکے تو ان پیسوں پرخمس پڑ جائے گا؟

جواب:۔ اگر جو گھر بیچا ہے ارثی ہو یا ھبہ ہو تو اس کے پیسوں پر تو مطلقاً خمس نہیں ہے، اگر خود بنایا تھا اب اسے اس خاطر بیچا ہے تو اگر ان پیسوں پر سال گزرنے سے پہلے گھر خرید لے یا دوسری کوئی چیز گھر کی ضرورت کی تو بھی خمس نہیں ہوگا ورنہ اگر وہ پیسے اس کے پاس پڑے رہیں اور ان پر سال گزر جائے تو خمس پڑ جائے گا۔

سوال:۔ اگر کسی کے دو گھر ہوں دو شہروں میں تو اس پر کیا ان کا خمس ہوگا؟

جواب:۔ اگر دونوں گھروں میں رہتا ہو اگر چہ سال کے کچھ دن تو خمس نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر انسان گھر بنانے کے لئے پیسے جمع کرے جن پر سال گزر جائے اگر ان کا خمس دے تو مکان نہیں بن سکے گا کیا کرے؟

جواب:۔ جن پیسوں پر سال گزر جائے ان پرخمس واجب ہے، مجتہد یا اس کے وکیل کی طرف رجوع کرے اور مہلت لے لے یا قسطیں کروالے۔

سوال:۔ کسی شئ کا خمس دیا ہوا تھا اب اس کی قیمت بڑھ جائے تو اس اضافہ میں خمس ہے؟

جواب:۔ اگر وہ مال بہ قصد تجارت خریدے تو اضافہ پرخمس ہے اور اگر بقصد تجارت نہ خریدا ہو اب اگر اسے بیچے گا تو اضافہ سال کا منافع شمار ہوگا۔ اگر گھریلو اخراجات میں خرچ ہو جائے تو خمس نہیں ہے ورنہ خمس ہے۔

جو پیسے سرمایہ کاری کے طور پر کسی کو دیئے جاتے ہیں ان پر سال گزر جائے تو ان کا خمس واجب ہے۔

اگر زمین ان پیسوں سے خریدے جن کا خمس ادا نہیں کیا تھا اگر ان پیسوں سے خریدے جن پر سال گزر چکا ہو تو

Presented by Ziaraat.Com

ان پیسوں کا خمس دے اور اگر زمین کو بیچنے کی نیت سے خریدا ہو تو اضافہ قیمت کا خمس بھی دینا ہوگا۔

فریضہ حج

حج انسان پر زندگی میں ایک بار واجب ہوتا ہے اور حج کے وجوب کے شرائط یہ ہیں۔ انسان عاقل و بالغ ہو اور مستطیع ہو یعنی بدن و مال کے لحاظ سے آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو اور واپسی تک ان افراد کے اخراجات بھی رکھتا ہو جو اس کی کفالت میں ہیں۔ اگر ہمسائے میں مستحق افراد موجود ہوں تو انسان کیا ان کی مدد کرے یا حج پر جائے؟

جواب:۔ حج اس کا شرعی واجب ہے ہمسائے میں غرباء کا ہونا اس وظیفے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ اسلام کہتا ہے ان کی مدد بھی کرو اور حج بھی کرو۔ یہ نہیں کرسکتا کہ حج واجب ہو اور یہ پیسے غرباء میں بانٹ دے، اس کا شرعی فریضہ اس کے ذمے مستقر ہو چکا ہے جسے ہر حال میں انجام دینا ہے۔

احرام

ایک اجتماعی عبادت ہے جو ہر طرح کے گروہی و قومی تعصبات و امتیازات سے پاک ہونا چاہئے۔ لہٰذا سلے ہوئے لباس میں تشخص پیدا ہو جاتا ہے اس کو بھی اتار کر اَن سلا احرام باندھنا ضروری ہے تاکہ اس عبادت کے وقت سب یکساں ہوں اور یہ احساس انسانوں کے اندر بیدار ہو، حج خدا کے سامنے انسانوں کی تساوی و برابری کی تجلی گاہ ہے لہٰذا سب حاجی یک رنگ و یک صدا و یک لباس ہو کر خدا کے حضور خاشع و خاضع ہو جائیں۔

طواف النساء

حج میں طواف النساء کیوں واجب ہے؟

جواب:۔ چونکہ جب احرام باندھتے ہیں تو خداوند کی حلال کردہ اشیاء انسان پر حرام ہو جاتی ہے ان میں سے اہم ترین حرمت عورتوں کی حرمت ہے، اس میں نہ نکاح کر سکتے ہیں نہ نکاح پڑھ سکتے ہیں۔ نہ عورت کے قریب جا سکتے ہیں نہ مس کر سکتے ہیں۔ باقی محرمات آہستہ آہستہ اعمال حج کے ذریعے حلال ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عورتوں کی حرمت کی اہمیت کے پیش نظر اس کی حلیت کے لئے باقاعدہ طور پر ایک طواف قرار دیا گیا اور اسے طواف النساء کا نام دیا گیا ہے۔ جب تک حج یا عمرہ مفردہ کے بعد طواف النساء نہ کر لیا جائے انسان پر عورت حلال نہیں ہوسکتی نہ سابقہ بیوی نہ کوئی نئی بیوی، اور عورتوں کے لئے بھی اسی طرح احرام سے مردان پر حرام ہو جاتے ہیں جب وہ طواف النساء کریں گی تو مردان پر حلال ہوسکیں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

رمی جمرات

تینوں ستون شیطانوں کے سمبل کے طور پر منیٰ میں بنائے گئے ہیں انہیں پتھر مارنے کی کیا حکمت ہے؟

حاجی عید قربان کے دن جمرہ عقبہ کو سات کنکر مارتا ہے اور ۱۱ و ۱۲ ذی الحجہ کو تین شیطان کو بالترتیب سات سات کنکریاں مارتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جب جبرئیل کے ہمراہ مناسک حج انجام دے رہے تھے اور منیٰ سے بیت (کعبہ) کی طرف آرہے تھے تو ان جمرات کی جگہ پر شیطان تین بار آپ کے لئے ظاہر ہوا اور حضرت آدم کو انجام وظائف سے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت آدمؑ نے جبرئیلؑ کے کہنے پر تینوں جگہوں پر سات سات کنکر اسے مارے اور اسے اپنے آپ سے دور کیا لہٰذا یہ طرد ابلیس کی سنت اولادِ آدم کے درمیان خداوند نے جاری فرمادی، اور بعض روایات کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کو یہ صورتحال پیش آئی۔ بہرحال دونوں ہو سکتے ہیں اور اس عمل میں سب سے بڑھ کر شیطان سے اور شیطانی کاموں سے اظہار تنفر ہے اور یہ سمبل بن جاتا ہے کہ انسان زندگی میں ہمیشہ شیطان اور نفس امارہ کے خلاف مبارزہ و جہاد میں مشغول رہے اور اطاعت خداوند پر کمربستہ رہے۔

قربانی

منیٰ میں قربانی کا کیا فلسفہ ہے جبکہ گوشت ضائع ہوتا ہے اور زمین میں دبا دیا جاتا ہے؟

منیٰ میں قربانی کرنے کا فریضہ حاجی کے لئے ایک صریح و واضح حکم ہے، یہ بہت سے اسرار پر مشتمل ہے، ایک سرّ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد ہے، خداوند نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کے لئے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تو قہرمانِ توحید نے شفقت و محبت پدری کو پس پشت ڈالتے ہوئے اطاعت خداوند پر آمادگی ظاہر کردی۔ حاجی اس جگہ پر حیوان کی قربانی دے کر حضرت ابراہیمؑ کے اخلاص، ایثار، ایمان و اطاعت کی یاد دلوں میں زندہ کرتا ہے اور اپنے دل میں یہ جذبہ زندہ کرتا ہے کہ خداوند کی اطاعت میں ہر جذبہ و محبت میں گزر جانا ہی ایمان ہے۔

اسلام گوشت کو ضائع کرنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ قرآن تو فرماتا ہے کہ اس گوشت سے تنگ دستوں و ناداروں کو کھلاؤ۔ لہٰذا حکم دیا گیا ہے کہ حاجی قربانی کے گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ خود کھائے۔ دوسرا حصہ مؤمنین کو دے اور تیسرا فقراء کو دے یہ اسلامی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ گوشت کو محفوظ کریں اور پہنچائیں۔ نہ کہ قربانی ہی ختم کردی جائے۔ دوسرے بہت سے اسرار ہیں جن کی بناء پر وہاں ذبح ضروری ہے، وہاں ذبح ترک ہو جائے اور مشکلات انسانیت کو پیش آئیں تب پتہ چلے گا کہ کیسے کیسے آثار تھے اس قربانی کے پیچھے۔

Presented by Ziaraat.Com

ظہر شرعی

شرعی ظہر کا معیار کیوں ساعت ۱۲ نہیں ہے یعنی جب گھڑیوں پر دن کے ۱۲ بجتے ہیں تو ظہر ہو جانی چاہئے یہ اوپر نیچے کیوں ہوتی رہتی ہے؟

جواب :۔ زمین کا مدار سورج کے گرد بیضوی ہے جس کی وجہ سے زمین کا فاصلہ سورج سے کم و زیاد ہوتا رہتا ہے، وہ جس نقطہ جس پر زمین سورج سے انتہائی دوری پیدا کر لیتی ہے اوج کہلاتا ہے اور وہ نقطہ جس پر زمین سورج کے انتہاء نزدیک آ جاتی ہے حضیض کہلاتا ہے، جب زمین اوج سے حضیض کی طرف جاتی ہے اس کی حرکت میں تیزی آ جاتی ہے اور جب حضیض سے اوج کی طرف جاتی ہے تو اس کی رفتار میں کمی واقع ہو جاتی ہے اس بناء پر زمین کی مدار سورج میں حرکت ایک جیسی نہیں رہتی جبکہ گھڑی کی سوئیوں کی حرکت ہمیشہ ایک جیسی رہتی ہے لہٰذا زمین کی حرکت اور گھڑی کی سوئیوں کی حرکت میں برابری نہیں ہو سکتی، یہ وجہ ہے کہ ظہر حقیقی یعنی جب سورج دائرہ نصف النہار پر پہنچتا ہے تو گھڑی میں ہو سکتا ہے ۱۲ بجے ہوں ہو سکتا ہے کچھ منٹ اوپر ہوں یا کچھ منٹ کمتر ہوں اس وقت کو ساعت وسطی کہتے ہیں، ساعت وسطی کا انتہائی ساعت حقیقی کے ساتھ ۱۱ فروری (۲۲ بہمن) کے دن ہوتا ہے اس دن ظہر حقیقی ۱۲ بج کر ۱۴ منٹ ۳۰ سیکنڈ پر ہوگی۔ اور ۳ نومبر (۱۲ آبان) کے دن ظہر حقیقی ۱۶ منٹ ۲۴ سیکنڈ قبل از ساعت ۱۲ ہوگی۔

Presented by Ziaraat.Com

باب المعارف

سوال و جواب

سوال :۔ قضاء وقدر کا کیا مطلب ہے کوئی کام جب انجام پا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ قسمت کا لکھا یہی تھا۔ کیا کسی کا امیر یا فقیر ہونا قسمت کا لکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر آیت ﴿لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کا کیا مطلب ہے کہ ہر شخص اپنی سعی و کوشش کے مرہون منت ہے۔

جواب :۔ عام لوگوں نے ان دو الفاظ سے وہ معنی نہیں سمجھے جو قرآن و روایات میں مراد تھے، اسی وجہ سے کئی غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ لوگ تقدیر خدا کو اپنی زندگی و دائرۂ اختیار سے خارج کی شئ سمجھ کر بہت سے مسائل میں ہمت ہار بیٹھتے ہیں حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے، اس طرح کی قضاء وقدر کا کوئی نشان نہیں ہے جو انسان کے ارادہ واختیار کے مقابل حائل ہو کر اسے مجبور محض بنا دے، لوگوں نے اپنے طور پر یہ عادت بنالی ہے اپنی کوتاہیوں کو اور ذاتی سستی و کاہلی کو قضاء وقدر کا لبادہ پہنا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تقدیرات الٰہی سے مراد سنن الٰہی ہیں جو کہ قطعی و ناقابل تغیر وتبدل ہیں ان کی تاثیر خوشبختی یا بدبختی کے حوالے سے یقینی و قطعی ہے اور ہمیں ان کے اختیار کرنے میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ مثلاً:

جو قوم سستی کا مظاہرہ کرے گی آپس میں لڑنا جھگڑنا معمول بنالے گی حالات اور مقتضیات زمان سے ناواقف رہے گی، دوسروں کا خیال نہیں رکھے گی ان کے بارے تقدیر الٰہی یہ ہے کہ بالآخر ان کا شیرازہ بکھر جائے گا وہ ناکام و نامراد رہیں گے۔

اور جو قومیں اپنے ہم نوع افراد کا خیال رکھیں گی، طبقاتی فاصلوں کو مٹانے کی سعی مسلسل کرے گی، حقوق کا پاس رکھے گی یعنی جو ملت بھی عدل کے اصولوں پر کاربند رہے گی ان کے بارے تقدیر الٰہی یہ ہے کہ وہ کامیاب و پیروز ہوگی اور اسے دوام وثبات حاصل رہے گا۔

اس تقدیر الٰہی میں تمام ملل برابر ہیں، کوئی ایسا عامل موجود نہیں ہے جو کسی شخص یا ملت کو اس کے ارادہ کے برخلاف ان دو تقدیر میں سے کسی ایک کے انتخاب پر مجبور کرے۔

ہم عقل کی پیروی کریں تو اس کا نتیجہ حاصل ہوگا اور اگر خواہشات کی پیروی کریں تو اس کا نتیجہ بھگتیں گے یہ بھی

Presented by Ziaraat.Com

تقدیر الٰہی ہے۔

اگر کوئی نوجوان اپنی صلاحیتوں اور مادی امکانات کو علم و دانش کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے زیور علم سے آراستہ ہوتا ہے تو آگے کی زندگی خوشبختی وخوشحالی کے ساتھ گزارے گا لیکن جب اس سرمایہ کو منفی راستوں میں استعمال کرے گا شراب وقمار وکباب کے محفلوں میں وقت گزارتا رہے گا تو اسے ایک ایسی زندگی کا سامنا کرنا ہوگا جس میں سوائے تیرہ بختی کے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ دونوں تقدیر الٰہی ہیں لیکن شخص ان میں سے ہر ایک کے انتخاب میں مکمل آزاد تھا۔ اب ان مثالوں کو سامنے رکھیں اور ان احادیث پر توجہ کریں۔

رسول خداﷺ نے فرمایا: ﴿خمسة لا یُستجاب لهم﴾ پانچ افراد کی دعاء قبول نہیں ہوتی ان میں سے ایک یہ ہے: ﴿رجل مرّ بحائط مائل وهو یقبل الیه ولم یسرع المشی حتی سقط علیه﴾ کہ کوئی شخص گرنے والی دیوار کے پاس سے گزرتے ہوئے تیزی سے نہ گزرے اور وہ دیوار اس پر گر جائے (خصال صدوق)

واضح ہے کہ جو ایسی دیوار سے دور نہیں ہوگا اس کی تقدیر موت کی صورت میں ہے لیکن اس نے اپنے اختیار سے اسے قبول کیا ہے، جنگ صفین سے واپسی پر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ایک دیوار کے نیچے بیٹھے جو کہ جھکی ہوئی تھی حضرتؑ وہاں سے اٹھ کر ذرا دور تشریف فرما ہوئے۔ کسی نے اعتراض کیا: ﴿أتفرّ من قضاء اللّٰه﴾ (کیا آپ خدا کی قضاء سے بھاگ رہے ہیں؟) (توحید صدوق، صفحہ ۳۶۹) تو آپ نے فرمایا: میں خدا کی قضاء سے اس کی قدر کی طرف آیا ہوں یہ دونوں تقدیر خدا ہیں میں ان کے انتخاب میں خود مختار ہوں اگر میں اس دیوار کے نیچے بیٹھا رہوں یہ گر پڑے تو اس کا مقتضی یہ ہوگا کہ نیچے آنے والا مر جائے اگر میں اندازہ لگالوں کہ گرنے کی صورت میں یہ کہاں تک پہنچے گی میں وہاں سے آگے جا کر بیٹھ جاؤں تو اس کے گرنے سے مجھے کچھ نہیں ہوگا یہ بھی تقدیر الٰہی ہے جسے سمجھ کر انتخاب کرنے کا مجھے اختیار ہے۔

انسان کا کوئی عمل تقدیر الٰہی کے دائرہ سے خارج نہیں ہے نیک و بد کا اختیار کرنا ہمارے اختیار پر موقوف ہے۔

سوال ۲: ۔ قضاء وقدر کے معنی تو روشن ہو گئے اب سوال یہ ہے کہ کیا شخص کا رزق وروزی تقسیم شدہ ہے اگر ایسا ہے تو پھر اس کی تحصیل کے لئے کسی کو زیادہ زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اسے وہی ملنا ہے جو اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے؟

جواب: ۔ یہ درست ہے کہ خدا نے ہر شخص کی روزی تقسیم کر دی ہے قرآن میں ہے:

﴿نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ (زخرف: ۳۲)

اور ہم نے لوگوں کی دنیاوی زندگی میں رزق وروزی تقسیم کر دی ہے

یا دوسری آیت میں فرمایا:

Presented by Ziaraat.Com

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:۶)
زمین میں کوئی جاندار نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا رزق خدا پر ہے۔
یعنی خداوند لوگوں کی مادی ضروریات کا ضامن ہوا ہے۔
لیکن ضرورت اس کو صحیح سمجھنے کی ہے، بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ خدا کا روزی دینا لوگوں کی سعی و کوشش کے بدلے ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے لہٰذا بہتر ہے کہ دوسری آیات و روایات سے اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے۔
یہ درست ہے کہ خدا نے روزی تقسیم فرمادی ہے جیسا کہ آیت میں بیان ہوا لیکن دوسری جگہ صاف لفظوں میں فرمایا کہ اس روزی کا آپ تک پہنچنا دو شرط سے مشروط ہے یعنی اس کی مادی ضروریات پوری کرنے کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے جس میں یہ دو شرطیں موجود ہوں گی۔
۱۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (طلاق، آیت:۲) یعنی جو لوگ تقویٰ اختیار کریں خدا ان کی مشکلات بھی حل کرتا ہے اور انہیں وہاں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں کا اسے گمان ہی نہ ہو۔
تقویٰ کے معنی صرف نماز و روزہ کی پابندی نہیں ہے بلکہ تقویٰ یعنی وظائف اور ذمہ داریوں کی پاسداری ہے پس تقویٰ یعنی خدا کے قوانین پر عمل کرنا انہی میں سے اجتماعی ذمہ داریاں بھی ہیں۔
۲۔ خدا فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ (طٰہٰ،۱۲۴) جو میری یاد سے منہ پھیر لے تو وہ تنگی رزق کا شکار ہو جائے گا۔
جب یہ دو شرطیں پوری ہو جاتی ہیں تو معاشرہ ایک مثالی و رفاہی معاشرہ بن جاتا ہے، اور یہی خوش بختی ہے یہی معیشت خوب ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ اگر یہی دو شرطیں ہیں روزی کو پانے کی تو پھر کفار اور خدا سے منحرف لوگ اتنی رفاہ میں کیوں ہیں۔
جواب:۔ وہ جو روایات سے مستفاد ہے وہ دو چیزیں ہیں:
(۱) خدا نیک و پاکدامن افراد کے تصدق بقیہ افراد کو بھی روزی دیتا ہے یہ ان متقی و صالح افراد کا احترام ہے نزد خدا کہ خدا ان کے طفیل کفار و فاسقین کو بھی فیضیاب فرماتا ہے۔
(۲) ہر شخص دنیا میں ایسے اعمال انجام دیتا ہے جو خدا کو پسند ہیں، خداوند ایسے اعمال کو ضائع نہیں فرماتا بلکہ ان کی جزا انہیں اسی دنیا میں عطا فرما دیتا ہے تاکہ کل آخرت میں وہ خدا سے کسی حق کا تقاضا نہ کر سکیں۔

Presented by Ziaraat.Com

خدا فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (توبہ:۱۱۹)

خداوند اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

خدا ان کے اچھے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں وسعت رزق کی صورت میں اور مرفہ زندگی کی صورت میں عطا کر دیتا ہے۔

اور جو مومن و نیک افراد اس دنیا میں تنگ دستی و فقر کا شکار رہتے ہیں اس کی وجہ ان سے بعض ناپسندیدہ اعمال کا سرزد ہونا ہے خدا چاہتا ہے کہ ان کا بدلہ اسی دنیا میں ان سے لے لے انہیں فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر کے تا کہ کل آخرت میں انہیں اپنے الطاف و فیوض سے بہرہ مند فرمائے۔ خدا فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (اعراف:۹۶)

اگر لوگ ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکات نازل کریں گے لیکن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا تو ہم نے بھی انہیں ان کے اعمال کے بدلے پکڑ لیا۔

سوال ۴:۔ دعاء کا کیا مطلب ہے اور ہماری دعاء کیوں قبول نہیں ہوتی؟

جواب:۔ دعاء کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ خدا سے کچھ مانگنا حالانکہ یہ طلب کے معنی ہیں دعاء کے معنی پکارنے کے ہیں جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ اپنے رب کو گریہ و زاری کے ساتھ اور خفیہ طور پر پکارو۔

پس مطلب یہ ہے کہ خدا کو ہر حال میں پکارو اس کے ساتھ اپنا رابطہ منقطع نہ ہونے دو۔ دعاء عاجزانہ فریاد، غنی مطلق سے ارتباط محتاج کی درخواست، عشقیہ سرود اور عاشقانہ مناجات ہے، محتاج کو یہی اطمینان سب سے بڑھ کر ہے کہ میرا رابطہ اس سے ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے یہی چیز اسے مصائب جھیلنے کا حوصلہ دیتی ہے لہٰذا روایت میں ہے:

﴿الدعاء سلاح المؤمن﴾ (اصول کافی، ج ۴)

ڈاکٹر الیکس کارل کہتا ہے: دعاء و نماز وہ مضبوط ترین قوتیں ہیں جنہیں انسان خود ایجاد کر سکتا ہے دعاء کے ذریعے انسان اپنی محدود قوت کو نامحدود قوت کے منبع سے مرتبط کر لیتا ہے اسی سے ہمارا نقص دور ہو جاتا ہے۔

(راہ و رسم زندگی، ڈیل کارنگی)

خدا کو ہر حال میں پکارنا ہی فلسفہ دعاء ہے، صرف ضرورت کے وقت پکارنا مورد مذمت ہے بلکہ روایات میں

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ ایسی دعاء قبول ہی نہیں ہوتی۔

﴿عن ابی عبد اللّٰہ من تقدّم فی الدعاء استجیبت لہ اذا نزل بہ البلاء و قالت الملائکۃ صوت معروف و لم یحجب عن السماء، و من لم یتقدم فی الدعاء لم یستجب لہ اذا نزل البلاء و قالت الملائکۃ انّ ذا الصوت لا نعرفہ﴾۔(اصول کافی، ج ۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو دعاء میں سابق ہو اس کی دعاء مصیبتوں میں قبول ہوتی ہے اور ملائکہ کہتے ہیں یہ آواز ہم پہچانتے ہیں اور آسمانوں پر جانے سے یہ آواز روکی نہیں جاتی۔اور جو ہمیشہ دعاء نہ کرتا ہو تو مصیبت کے وقت اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی اور ملائکہ کہتے ہیں ہم اس آواز کو نہیں پہچانتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام دوسری روایت میں فرماتے ہیں: ﴿من سرّہ ان یستجاب لہ فی الشدّۃ فیکثر الدعاء فی الرخاء﴾ (اصول کافی، ج ۴)

جو چاہتا ہے کہ سختی میں اس کی دعاء قبول ہو تو اسے چاہئے کہ رفاہ و آسانی میں کثرت سے دعاء کرتا رہے۔

ان روایات سے ایک اہم وجہ دعائیں قبول نہ ہونے کی معلوم ہوگئی کہ جو لوگ خدا سے ہمیشہ رابطہ دعاء نہیں رکھتے صرف اپنی ضرورت کے وقت دعاء کرتے ہیں تو یہ دعائیں قبول نہیں ہوتی۔

خدا نے وعدہ فرمایا ہے: ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں پر جواب دوں گا۔

تو پھر ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتی؟

جواب یہ ہے کہ خدا نے ہم سے کچھ عہد و پیان لئے ہیں وہ چاہتا ہے کہ ہم یہ عہد پورے کریں ﴿اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ (بقرہ:۴۰) تم میرے ساتھ کئے ہوئے عہد پورے کرو تو میں تمہارے ساتھ کئے ہوئے عہد پورے کروں گا۔

ہم نے جو خدا سے عہد و پیان باندھے ہیں سب سے پہلے توحید ہے۔

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (سورۂ یٰسین)

اے بنی آدم کیا میں نے تمہارے ساتھ عہد نہیں کیا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرو تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔

پھر جب کلمہ پڑھ لیا تو تمام عہدوں کی پابندی ہم نے قبول کر لی، جب انسان گناہ کرتا ہے تو خدا سے ارتباط ٹوٹ جاتا ہے پھر دعائیں قبول نہیں ہوتی۔دعائے کمیل میں ہے: ﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَحْبِسُ الدُّعَاءَ﴾ خدایا میرے وہ گناہ بخش دے جو دعاء کو روک دیتے ہیں اور ان گناہوں کی وجہ سے ہماری دعائیں اس کی بارگاہ

Presented by Ziaraat.Com

تک پہنچ ہی نہیں پاتی۔

سوال ۵:۔ گناہ کیا ہے اور اس کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب:۔ گناہ کے معنی مخالفت کے ہیں جو کام بھی حکم خدا کی مخالفت ہو وہ گناہ ہے۔

قرآن کریم میں گناہ کے لئے ۱۷ الفاظ استعمال ہوئے ہیں: (۱) ذنب، (۲) معصیت، (۳) اثم، (۴) سیئہ، (۵) جرم، (۶) حرام، (۷) خطیہ، (۸) فسق، (۹) فساد، (۱۰) فجور، (۱۱) منکر، (۱۲) فاحشہ، (۱۳) خبط، (۱۴) شر، (۱۵) لمم، (۱۶) وزر، (۱۵) حنث، (گناہ شناسی، محسن قرائتی)

گناہ کے اقسام

علماء میں یہ بات مشہور بھی ہے اور قرآن و روایات سے بھی ثابت ہے کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں: گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ۔

سورہ نساء آیت نمبر ۳۱ میں ارشاد ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اگر تم گناہانِ کبیرہ سے بچو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے۔

سورہ نجم آیت ۳۲ میں فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾

(نیک لوگ ہیں) جو بڑے گناہوں اور برائیوں سے بچتے ہیں اگرچہ کبھی چھوٹے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہوں۔

روایات میں بھی یہی تقسیم ہے اصول کافی میں باب الکبائر کے نام سے ایک باب موجود ہے اور پہلی و دوسری روایت میں ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر خدا نے جہنم کی آگ یا عذاب الیم لازم کر دیا ہو اگرچہ خداوند کی مخالفت کے عنوان سے ہر گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ روایت میں ہے: ﴿لا تنظر الی صغر الخطیئة ولکن انظر من عصیتة﴾ (مجموعہ ورّام، ج ۲)

گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو تم کس کی نافرمانی کر رہے ہو لیکن اس کے باوجود بعض گناہ ایک دوسرے کے لحاظ سے بڑے چھوٹے ہو سکتے ہیں۔

اصول کافی جلد ۲ میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمرو بن عبید کو ۱۹ گناہانِ کبیرہ قرآن سے بیان فرمائے۔ گناہ کے کبیرہ و صغیرہ ہونے کا معیار کیا ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے پانچ معیار ذکر کیے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

ا۔ ہر وہ گناہ جس پر خدا نے قرآن میں وعدۂ عذاب دیا ہو۔

۲۔ ہر وہ گناہ جس پر شارع نے حد معیّن کر دی ہو جیسے شراب خوری وزنا و چوری وغیرہ۔

۳۔ جو گناہ بھی دین سے بے اعتنائی کو ظاہر کرے۔

۴۔ جس گناہ کی حرمت قطعی دلیل سے ثابت ہو۔

۵۔ جس کے انجام دینے پر قرآن وسنت میں دھمکی دی گئی ہو۔

گناہانِ کبیرہ

امام خمینیؒ نے تحریر الوسیلہ میں ۴۱ گناہ ذکر کیے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں:

ا۔ رحمت خدا سے مایوسی۔

۲۔ عذابِ خدا سے خود کو محفوظ سمجھنا۔

۳۔ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اوصیاءِ رسول خداؐ پر جھوٹ باندھنا۔

۴۔ ناحق قتل۔

۵۔ والدین کا عاق ہونا۔

۶۔ مالِ یتیم ناحق کھانا۔

۷۔ پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

۸۔ محاذِ جنگ سے فرار۔

۹۔ قطع رحم۔

۱۰۔ سحر و جادو۔

۱۱۔ زنا۔

۱۲۔ لواط۔

۱۳۔ چوری۔

۱۴۔ جھوٹی قسم۔

۱۵۔ گواہی چھپانا۔

۱۶۔ جھوٹی گواہی۔

۱۷۔ عہد و پیمان شکنی۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۸۔ وصیت کی مخالفت۔

۱۹۔ شرابخوری۔

۲۰۔ رباخواری۔

۲۱۔ مال حرام کھانا۔

۲۲۔ قمار بازی (جوابازی)۔

۲۳۔ مردار وخون کھانا۔

۲۴۔ سور کا گوشت کھانا۔

۲۵۔ غیر شرعی ذبیحہ کھانا۔

۲۶۔ ناپ تول میں کمی۔

۲۷۔ ایسی جگہ ہجرت کر کے جانا جہاں دین خطرے میں ہو۔

۲۸۔ ظالم کی معاونت۔

۲۹۔ ظالم سے مدد چاہنا۔

۳۰۔ دوسروں کے حقوق بلا وجہ ادا نہ کرنا۔

۳۱۔ تکبر۔

۳۲۔ جھوٹ بولنا۔

۳۳۔ خیانت۔

۳۴۔ فضول خرچی (اسراف)۔

۳۵۔ غیبت۔

۳۶۔ چغلخوری۔

۳۷۔ لہوی سرگرمیاں۔

۳۸۔ فریضۂ حج کو اہمیت نہ دینا۔

۳۹۔ ترکِ نماز۔

۴۰۔ زکوٰۃ نہ دینا۔

۴۱۔ گناہِ صغیرہ پر اصرار یعنی اسے دوبارہ انجام دینا یا اس کی نیت کرنا۔

Presented by Ziaraat.Com

اور شرک خداوند کے ساتھ سب سے بڑا گناہ ہے۔

جو گناہ اوپر بیان ہوئے یہ سب نہیں ہیں بلکہ گناہ کبیرہ ان کے علاوہ بھی ہیں جیسے کعبہ کی توہین، قرآن وانبیاء و ائمہؑ کی توہین، دین میں بدعت گزاری وغیرہ۔

حدیث ہے امام محمد باقرؑ سے ﴿التائب من الذنب کمن لا ذنب له﴾ گناہ سے توبہ کرنا ایسا ہی ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو لیکن حدیث کا دوسرا حصہ ہے: ﴿والمقیم علی الذنب وهو مستغفر عنه کالمستهزء﴾ جو گناہ سے توبہ کے باوجود اسے کرتا ہے تو وہ توبہ کے لحاظ سے استہزاء کرنے والا ہے۔

(اصول کافی، ج ۲، ص ۴۳۱)

خداوند ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (زمر: ۵۳)

اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی اپنے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو تحقیق خداوند تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

سوال:۔ جن کے بارے میں بتلائیں یہ کیسا موجود ہے؟

جواب:۔ خداوند نے قرآن میں جن کے بارے بہت کچھ فرمایا ہے حتیٰ کہ جن کے نام سے سورہ موجود ہے لیکن زیادہ گفتگو اس بارے مفصل نہیں ہے۔ ان کی خلقت کے بارے ہے: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (حجر، ۲۷) ہم نے اس سے پہلے جنوں کو نار سموم سے خلق کیا۔ لغت کے لحاظ سے سخت تپش والی آگ کو کہا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں ہے: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (سورہ حجر/۱۵) یہ دھوئیں سے خالی آگ کو کہتے ہیں اور سموم سخت گرم آگ جو مسام بدن میں داخل ہو جائے۔

سیوطی نے الجامع الصغیر جلد ۱ میں کہا ہے کہ خداوند نے جن تین صنف پر خلق کئے ہیں ایک قسم وہ ہے جو ہوا میں اڑتے ہیں۔ دوسری قسم جو سانپوں اور کتوں کی شکل میں رہتے ہیں اور ایک قسم جو مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہوتے ہیں اور وہاں سے کوچ بھی کرتے ہیں اور خصال شیخ صدوق صفحہ ۱۵۴ پر امام صادقؑ سے روایت ذکر ہوئی ہے اس میں بھی جن کی یہ تین اصناف بیان ہوئی ہیں۔

جن جمع ہے اور اس کی مفرد جنی ہے مونث جنیۃ ہے جن بھی انسانوں کی طرف مکلف ہیں ان میں مومن، منافق، کافر سب قسمیں ہوتی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

یہ جسمانی طور پر انتہائی چھوٹے ہوتے ہیں، اپنی آواز انسان کو سنانے پر قادر نہیں ہوتے۔ خداوند نے اس طرح قرار دیا ہے کہ یہ انسانی جسم کے قریب نہیں ہو پاتے یعنی ہمارے جسم کے اندر کوئی ایسی لہریں ہیں جن کے سبب جن خود بخود ہم سے دور ہو جاتے ہیں لیکن بعض حالات میں یہ سسٹم ختم ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے جب بیت الخلاء میں ہوں تو آیت الکرسی پڑھیں تا کہ جن حملہ نہ کر دے۔ اس کا مطلب ہے کہ ناپاکی کی حالت میں ہمارے جسم کے اندر یہ سسٹم کام نہیں کرتا۔

جن جھوٹ بہت بولتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو ان کو تسخیر کرتے ہیں اور جب ان کے ذریعے کوئی خبر دیتے ہیں تو وہ زیادہ تر غلط ہوتی ہے۔

ان کی غذا جو روایات میں وارد ہے وہ ہڈیاں اور گوبر ہے انہیں کھاتے نہیں ہیں بلکہ انہیں سونگھتے ہیں، نیز خوبصورت انسان کو دیکھ کر بھی وہ غذا حاصل کرتے ہیں (وسائل باب کراھۃ الاستنجاء بالعظم والروث) نیز اسی روایت میں وارد ہے کہ جنوں نے حضور پاک ﷺ سے یہ شرط کی تھی کہ آپ کی امت ان چیزوں سے استنجاء کرتی ہے جبکہ ہمارے لئے یہ رزق ہیں اس لئے حضور پاک ﷺ نے ان سے استنجاء کی ممانعت فرمائی۔ سنن بیہقی وسنن نسائی میں بھی یہ روایت وارد ہے۔

لوہے کو جنوں کی زینت قرار دیا گیا ہے۔ یہ موسیٰ بن اکیل نمیری نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے، نیز اسی روایت میں اسے جہنمیوں کی زینت بھی قرار دیا گیا ہے۔ (وسائل، باب ۳۲، از ابواب لباس المصلّی)

زمین کے ساکن

سوال:۔ پہلے انسان تھا زمین پر یا ملائکہ؟

جواب:۔ اختصاص شیخ مفیدؒ میں ہے صفحہ ۵۰ میں، امام صادقؑ سے سوال ہوا: آدم سے پہلے زمین پر کون تھا؟ فرمایا: جن تھے۔ پوچھا: ان سے پہلے کون تھے؟ فرمایا: ملائکہ تھے۔ پھر پوچھا: ان سے پہلے کون تھے؟ فرمایا: آدم، جن اور ملائکہ کے درمیان فاصلہ سات ہزار سال تھا اور ملائکہ و آدم کے درمیان دو لاکھ سال تھے۔ دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جنوں کے علاوہ دوسری مخلوق نسناس کہلاتی تھی یہ انسانی شکل کے مشابہ تھے علل الشرائع میں شیخ صدوق نے بیان کیا ہے کہ جب جن اور نسناس کو زمین میں سات ہزار سال گزر گئے تو خداوند نے ملائکہ کے لئے حجابات آسمان اٹھا دیئے اور فرمایا: زمین پر جنوں اور نسناس کو دیکھو تو انہوں نے انہیں گناہ، فساد، قتل و غارت گری میں مشغول پایا۔ وہ سخت غضبناک ہوئے۔ تب خداوند نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً...... ﴾ اور فرمایا: میں نسناس کو زمین سے ختم کردوں گا جنوں کو زمین سے ہوا میں اور زمین کے غیر آباد حصوں پر منتقل کر دوں گا۔ ﴿فلا یجاورون خلقی و اجعل بَیْنَ

Presented by Ziaraat.Com

الْجن و بین نسل خلقی حجابا﴾۔

بحار الانوار، جلد ۱ صفحہ ۷۵ پر حدیث ہے کہ جس میں ایک شامی نے حضرت امیر علیہ السلام سے متعدد سوال کئے اس کے سوال میں تھا: ﴿وسئله عن اسم ابی الجن فقال شومان الذی خلق من مارج من نار﴾ اس نے جنوں کے باپ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اس کا نام شومان تھا یہ وہی ہے جس کے بارے آیت وارد ہے کہ یہ مارج آگ سے پیدا ہوا ہے۔

جنوں میں نبی؟

اس نے سوال کیا: کیا جنوں میں کوئی نبی گزرا ہے؟

فرمایا: ہاں یوسف نام کے نبی خود جنوں میں سے تھے لیکن جنوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس نے آسمان میں ابلیس کے نام کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: اس کا نام وہاں حارث تھا۔

نسناس کی مزید وضاحت

بحار الانوار، جلد ۴۵ صفحہ ۳۲۲ پر جابر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علیہ السلام سے سوال ہوا کہ کیا زمین پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے پہلے کوئی مخلوق تھی جو خدا کی عبادت کرتی تھی؟ فرمایا: ہاں زمین اور آسمانوں میں ایسی مخلوق تھی جو خداوند کی تسبیح وتہلیل کرتی تھی دن رات بغیر سستی کے۔ کیونکہ خداوند نے زمین کو آسمانوں سے پہلے خلق کیا پھر ملائکہ روحانی خلق کئے جن کے لئے پر قرار دیئے کہ جن کے ذریعے وہ پرواز کرتے، جہاں چاہتے چلے جاتے تھے، ان کو خداوند نے آسمانی طبقات میں ٹھہرایا۔ ان میں سے جبرئیل، اسرافیل، میکائیل اور عزرائیل کو چن لیا پھر خداوند نے زمین میں روحانی جنوں کو خلق کیا انہیں بھی پَر عطا کئے لیکن ان کی پرواز ملائکہ سے کمتر تھی۔ ان کو زمین کے سات طبقات میں ٹھہرایا اور زمین کے اوپر بھی، یہ دن رات خداوند کی تقدیس کرتے تھے۔ پھر ان سے کمتر ایک مخلوق خلق کی ان کے بدن اور روحیں تھیں لیکن ان کے پر نہیں تھے (نسناس)۔ یہ کھاتے پیتے تھے لیکن یہ انسان نہیں تھے انہیں خداوند نے زمین کے اوپر جنوں کے ساتھ ٹھہرایا۔ یہ بھی خداوند کی تسبیح وتقدیس کرتے تھے۔ الخبر۔

پھر یہ جن اور نسناس سرکشی کرنے لگے جنوں میں سے ایک فریق نیک و مطیع رہا، جو گناہ گار ہوئے ان کے پر گر گئے۔ پھر خداوند نے ایک اور مخلوق خلق کی جو ملائکہ، جن اور نسناس تینوں سے الگ تھلگ خلقت کی تھی یہ حشرات کی طرح زمین پر رینگنے والی تھی یہ سب مذکر تھے ان میں مادہ نہیں تھی۔ یہ زمین کا سبزہ کھاتے تھے ان میں خواہشات نفسانی نہیں تھیں نہ حب اولاد نہ حرص نہ طول امل، نہ چوپائے تھے نہ حشرات الارض تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

کیا جن جنت میں جائیں گے؟

فیض کاشانی التفسیر الاصفٰی جلد۲ صفحہ ۸۷۰ پر روایت نقل کرتے ہیں کہ معصوم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لا ولکن لِللّٰہ حظائر بین الجنة والنار یکون فیھا مومنو الجن و فسّاق الشیعه﴾ کہ جن جنت میں نہیں جائیں گے جنت کے علاوہ خداوند نے ان کے لئے مسکن تیار کر رکھے ہیں جو کہ جنت و جہنم کے درمیان واقع ہیں۔

اللمعۃ البیضاء (انصاری تبریزی) صفحہ ۴۲۲ پر ہے کہ ﴿ان جنسان الحظائر یسکنھا ثلاث طوائف من الخلائق: مومنو الجن و اولاد الزنا من المومنین و اولاد اولادھم الی سبعة ابطن کما ورد ان ولد الزنا لا ینجب الی سبعة ابطن، والمجانین الذین لم یجر علیھم التکلیف الظاھر ولم یکن لھم من قرباتھم شفعاء لیلحقوا بھم﴾۔ ترجمہ: جنت کے علاوہ جو خداوند نے باغات تیار کئے ہیں ان میں تین طرح کے افراد ٹھہرائے جائیں گے: (۱) مومن جن، (۲) اولاد زنا جو مومن ہوں اور ان کی اولاد سات پشتوں تک جو مومن ہوں گے۔ (۳) دیوانے مرفوع القلم لوگ اور جن کے قریبی شفیع موجود نہ ہوں گے کہ وہ ان کے ساتھ ملحق ہوسکیں۔

بحار ج ۸ صفحہ ۳۳۵ پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے حظائر والی روایت نقل ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ذھبی جلد ۳ صفحہ ۱۰۷۰ پر بھی کہا کہ جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ مقام اعراف پر ٹھہرائے جائیں گے۔

سوال:۔ شیطان کیسا موجود ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ قرآن سے شیطان کا جنوں میں سے ہونا ثابت ہے قرآن نے بڑے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾۔

علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان جلد ۸ میں شیطان کے حوالے سے دو بحثیں کی ہیں۔ آیت اللہ العظمیٰ جوادی آملی مدظلہ نے تفسیر سورۂ اعراف آیت ۱۹ و ۲۰ کے ذیل میں مفصل بحث کی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔

شیطان کے بارے متعدد سوالات ہیں مثلاً خدا نے اسے کیوں خلق کیا؟ کیوں اسے فرشتوں کی صف میں جگہ دی؟ جب علم تھا کہ وہ سجدہ نہیں کرے گا حضرت آدم علیہ السلام کو تو پھر اسے سجدے کا حکم کیوں دیا۔ اگر حکم دیا تھا تو اسے اطاعت کی توفیق بھی عطا فرما دیتا پھر اسے کیوں مہلت دی اور کیوں اسے وسوسہ کی قدرت دی، اسے مخفی ہونے کی قدرت دی اور مقابلے کے لئے انسان کو ایسے قدرت کیوں نہ دی۔

بعض وجود شیطان کو شر محض قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس کائنات میں کوئی شئ بھی شر نہیں ہے کوئی موجود شر نہیں ہے ہاں ایک شئ دوسرے کے لئے شرّ ہوسکتی ہے جب ایک شئ دوسرے کے منافع سے ٹکرا کر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ اس کے لئے شرّ ہو جاتی ہے، مثلاً چوری شرّ ہے چونکہ یہ ناامنی پیدا کرتی ہے۔ شراب شرّ ہے چونکہ

Presented by Ziaraat.Com

عقل کی سلامتی کوختم کرتی ہے آپ نے دیکھا یہ سب امور جوشرّ کہلائے ہیں امر عدمی کی وجہ سے ہے جب تک کسی شئ کو کسی دوسری شئ سے مقایسہ نہ کیا جائے شرّ پیدا نہیں ہوسکتا۔

شیطان کیوں خلق ہوا؟

اگر انسان گناہ نہ کرتا تو اطاعت ضروری ہو جاتی ایسی صورت میں شریعت کی ضرورت نہ رہتی، قانون کی ضرورت نہ رہتی اور انبیاء ورسل وصحائف آسمانی کوئی چیز ضروری نہ ہوتی پھر جنت وجہنم کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ پس یہ نظام تقاضا کرتا ہے کہ ایک موجود ہونا چاہئے جو گناہ کا امر کرے ایسے موجود کو شیطان کہتے ہیں، جب انسان سے گناہ ممکن ہے تو شریعت ودین کی ضرورت پیدا ہو جائے گی جنت وجہنم، انبیاء ورسل اور صحائف وکتب آسمانی سب ضروری ہو جائیں گے۔

لیکن شیطان کے سامنے انسان بے بس نہیں ہے وہ فقط وسوسہ کرتا ہے اس کے مقابلہ کے لئے بھی خدا نے انسان کو خوب مسلح کیا ہے اندر سے عقل وفطرت دی ہیں اور باہر سے وحی وشریعت دی ہیں اندر سے الہام کے ذریعے راہ کی نشان دہی کی ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ فطرت خدا پرست دی ﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾۔ انبیاء وائمہ دین نے حق کو بیان بھی کیا اور حق دکھلا بھی دیا، اور پھر میزان بتلا دیا کہ اندر سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں قرآن پر پیش کرو اگر اس کی تعلیمات کے موافق ہوں تو حق والہام ہیں اگر ان کے خلاف ہوں تو وسوسہ ہیں۔

خلقت شیطان

قرآن نے اس کی تفصیلات ذکر نہیں کی ہیں صرف یہ جملہ کہا ﴿وَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ اور جنات کی خلقت کے بارے میں یہ فرمایا: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ اور ہم نے جنات کو انسان سے پہلے سخت گرم آگ سے خلق کیا۔ اب یہ سوال کہ جنات کا تولد وپیدائش کیسے ہے قرآن نے اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ اس سے ہمارے لئے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔

البتہ وہ کیسے گمراہ کرتا ہے اس کی تفصیلات قرآن میں مکمل آئی ہیں کہ وہ وہم وخیال کے ذریعے سے وارد ہوتا ہے شہوت وغضب سے مدد لیتا ہے۔

لیکن قرآن نے اس کا حل بھی بتلا دیا ﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ اگر تمہیں شیطان کی طرف سے وسوسہ ہو تو خدا کی پناہ لو۔

Presented by Ziaraat.Com

شیطان کے ساتھی

قرآن کہتا ہے ﴿اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ شیطان اور اس کے قبیلہ والے تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، یہ قبیلہ جن وانس دونوں سے ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔
شیطان کی اپنی ذریت ہے (سورۂ کہف:۵۰) میں ہے: ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ﴾۔
یہاں مفصل تفسیری بحثیں ہیں کہ اسے کن پر تسلط حاصل ہے کن کن پر نہیں، اغواء و وسوسہ میں فرق ہے وغیرہ جو ممکن ہے باب التفسیر میں ذکر کی جائیں۔

شیطان کے سوالات

شہرستانی نے ملل ونحل میں شیطان کے ملائکہ پر کیئے گئے چھ اشکالات ذکر کیئے ہیں، اناجیل اربعہ کا شارح ان سوالات میں اصل ہے اور وہ کہتا ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ سرادقات عظمت الٰہی سے جواب ملے۔ فخر رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اسی کے مشابہ بات کی کہ جو حسن وقبح عقلی کا قائل ہے اس کے لئے ان اشکالات کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جو بات مسلّم ہے یہ ہے کہ یہ سوالات بنائے گئے ہیں اور یہ کام شارح اناجیل اربعہ نے کیا ہے، ملاصدرا نے شرح اصول کافی صفحہ ۳۹۵ پر ذکر کیا ہے اور جواب دیا ہے۔

سوال اوّل:۔ شیطان کہتا ہے کہ خدا نے کیوں کائنات کو خلق کیا جبکہ ان میں کفار و فاسق بھی ہیں، کیوں ایک کو ناقص اور ایک کو کامل خلق کیا، کافر کی خلقت کا فائدہ نہ خدا کو ہے نہ مخلوق کو ہے پھر کیوں خلق کیا۔

سوال دوّم:۔ تکلیف کا کیا فائدہ ہے یہ بشر کے لئے صرف زحمت و مشقت ہے خدا کو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر انسانوں کا تکامل مدنظر تھا تو خدا خود انسانوں کو بغیر زحمت و مشقت کے کمال تک پہنچا سکتا تھا۔

سوال سوّم:۔ کیوں خدا نے مجھے سجدے کا حکم دیا جبکہ وہ جانتا تھا کہ میں سجدہ نہیں کروں گا۔

سوال چہارم:۔ میں نے معصیت کی لیکن میں مجھ پر لعنت ابدی کی، اس کا اُسے کیا فائدہ جبکہ مجھے اس کا نقصان ہے کیوں ایسا کام کیا جائے جس کا خود کو کوئی فائدہ نہ ہو اور دوسرے کو نقصان ہو۔

سوال پنجم:۔ کیوں خدا نے مجھے انسانوں پر مسلط کیا ہے میں نے کہا میں لوگوں کو اغواء و گمراہ کروں گا اس کا فائدہ نہ خدا کو ہے نہ مجھے اور نہ لوگوں کو، یہ ضرر ہی ضرر ہے تو پھر کیوں اس نے یہ کام کیا ہے۔

سوال ششم:۔ اس نے مجھے قدرت دے دی یہ قدرت کیوں الی یوم المعلوم دی مجھے اتنی مہلت نہ دیتا، میرا وجود ضرر ہے اس کا نہ ہونا مفید تھا نہ کہ ہونا۔

یہ سوالات اگرچہ شیطان کی طرف منسوب ہیں لیکن ہر شخص کے ذہن میں یہ سوالات آتے ہیں اور بہت سے

Presented by Ziaraat.Com

دوسرے سوالات کا سبب بنتے ہیں لہٰذا اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ شارح اناجیل اربعہ کہتا ہے ان کا جواب صرف وہی ہے جو خدا نے دیا کہ ﴿اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ الَّذی الاّ انا لا اُسْئَل عمّا اَفْعَل﴾ کہ معبود صرف میں ہوں اور مجھ سے سوال نہیں کیا جا سکتا اس کے بارے میں جو میں کرتا ہوں۔ غزالی نے احیاء العلوم میں یہی بات کی ہے اور یہ عین جبر ہے۔

ان سوالات کے جوابات خدا کے دو اسماءِ مقدسہ کے مرہون منت ہیں۔ ایک غنی اور ایک حکیم۔ وہ غنی مطلق ہے اس نے کائنات کو خلق کیا نہ اس خاطر کہ کوئی کمال کسب کرے یا کوئی نقص دور کرے۔

وہ فرماتا ہے: ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ﴾ اے لوگو تم خدا کے محتاج ہو خدا تو غنی مطلق ہے بلکہ فرماتا ہے: ﴿هُوَ اَغْنٰی وَاَقْنٰی﴾ وہ غناء دیتا ہے وہ خود کمال محض ہے ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْآخِرُ﴾، وہ ہر چیز کا مبداء ہے اور وہ ہر چیز کا ہدف ہے۔

اور خدا حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے ہر چیز کی خلقت میں ایک خاص مصلحت ہے لیکن یہ مصلحت اس کی ذات کی طرف نہیں لوٹتی۔

پہلا سوال یہ تھا کہ خلقت کا کیا فائدہ ہے

جواب:۔ یہ کہ اگر مراد ہدف برائے خدا ہے تو یہ سوال درست نہیں ہے اور اگر ہدف مخلوق مراد ہے تو سوال درست ہے، پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کائنات کی خلقت میں خدا کا کوئی ہدف و مقصد تھا یہ فائدہ فاعل ناقص کے لئے ہوتا ہے کہ کسی کام سے اس کی ذات کا کوئی مقصد متعلق ہوتا ہے لہٰذا وہ اسے کرتا ہے اس کی ذات کمال نامحدود ہے لہٰذا وہاں یہ سوال مورد ہی نہیں رکھتا کہ اس نے یہ کام کیوں کیا۔ جو اس سوال کو اس طرح کرتا ہے اس نے درحقیقت خدا کو نہیں پہچانا ہاں سوال ہدف مخلوق کے بارے ہو تو درست ہے اور قرآن نے اسے مفصل بیان فرمایا ہے، سورہ طلاق میں انسان کی خلقت کا ہدف ذکر کیا کہ علم و عقل کا حصول ہے اور سورہ ذاریات میں فرمایا کہ ہم نے جن وانس کو عبادت کیلئے خلق کیا۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ تکلیف و شریعت کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے لئے جب یہ بات معلوم ہو جائے کہ معاشرے کے لئے دین و شریعت آبِ حیات کا حکم رکھتے ہیں تو پھر یہ سوال بے معنی ہوگا کہ آب حیات کیوں ضروری ہیں، جیسے ایک پودے کو پانی دینا اس کے لئے آب حیات ہے وہاں یہ سوال بے معنی ہے کہ پودے کو پانی کیوں دیتے ہیں اگر اسے پانی نہ دیں تو خشک ہو جائے گا اور ایندھن ہوگا، دین و شریعت انسان کے لئے آب حیات ہے قرآن فرماتا ہے: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ﴾ اے ایمان والو خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف پکاریں جو تمہیں زندہ کر دے پس دیندار زندہ ہیں چونکہ دین آب حیات ہے جس نے انہیں زندگی دی ہے

Presented by Ziaraat.Com

جب پودے کو پانی نہ ملے تو وہ ایندھن ہے اسی طرح انسان جب دین سے خالی ہو تو ایندھن ہے ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ ظالم جہنم کا ایندھن تھے ہمیشہ سے، پس معرفت و دین ہی آب حیات ہیں قرآن نے زندگی و حیات کے مقابل کفر کو قرار دیا ہے ﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ﴾ (یٰسین)

تیسرا سوال یہ تھا کہ تکلیف و شریعت کے بغیر کیوں کمال عطا نہیں کیا گیا؟

جواب :۔ بہت سے موجودات اس طرح ہیں کہ جن کی ابتداء و انتہاء ایک جیسی ہے جو کمال بھی ان میں ہے ابتداء سے ہے تا آخر وہی کچھ رہتا ہے کم و زیاد نہیں ہوتا یہ فرشتے ہیں، اگر سوال سے مراد یہ ہے کہ کیوں انسان فرشتوں جیسا نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کائنات نہ ہو، کار و کوشش نہ ہو، انسان و حیوان خلق نہ ہو، اور اگر سوال سے مراد یہ ہو کہ انسان انسان مادی ہو لیکن فرشتوں جیسا ہو تو یہ تناقض ہوگا کہ انسان مادی بھی ہو اور مجرد بھی ہو، جب انسان مادی ہے تو پھر قانون تکامل کے تابع ہوگا تدریجاً کمال حاصل کرے گا۔ اور اس عالم کا لازمہ تزاحم و ٹکراؤ ہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ خدا نے کیوں شیطان کو مسلط کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو کسی پر کوئی تسلط نہیں ہے سورہ ابراہیم اور حجر میں اس کی نفی ہوئی ہے وہ صرف دعوت دیتا ہے وسوسہ کرتا ہے جبکہ شیطان سے پہلے فطرت موجود ہے جو کہ اندر سے توحید کی دعوت دیتی ہے ﴿مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ (ابراہیم) (شیطان کہے گا مجھے تم پر کوئی تسلط نہیں تھا صرف یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے اسے قبول کر لیا پس مجھے ملامت مت کرو اپنے آپ کو ملامت کرو)۔

سورۂ حجر میں فرمایا: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ﴾ (میرے بندوں پر تمہیں کوئی تسلط نہیں مگر وہ گمراہ جو تیری پیروی کرے) وسوسہ ضروری ہے تاکہ موجود کمال تک پہنچ سکے۔

ایک سوال یہ تھا کہ کیوں مہلت دی۔ جواب معلوم ہوگیا کہ وسوسہ چونکہ ضروری امر ہے لہٰذا جب تک انسان ہے وسوسہ ہے لہٰذا اس وقت تک شیطان بھی ہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ مجھے جہنم میں ڈالنے کا خدا کو کیا فائدہ جبکہ مجھے نقصان ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سزا گناہ کا لازمہ ہے نہ کہ ایک امر اعتباری ہے، یہ سزا انتقام کے عنوان سے نہیں ہے کہ جس میں دل کی تشفی مقصود ہوتی ہے، جیسے عدالتیں کسی کو سزا دیتی ہیں تو وہ دل ٹھنڈا کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ معاشرہ میں نظم و امنیت کے لئے ضروری ہے یا ولی و سرپرست بچے کو سزا دیتا دل ٹھنڈا کرنے کے لئے نہیں ہے وہ اسے طبعی نقصانات سے بچانے کے لئے روک ٹوک کرتا ہے، خداوند اس عنوان سے انسانوں کو روک ٹوک کرتا ہے تاکہ طبعی نقصانات سے بچ سکیں جو کہ ابھی مترتب ہو جاتے ہیں البتہ ان کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

مسئلہ رؤیت خدا

یہ بہت اہمیت کی حامل بحث ہے۔ ہم اس کے ذیل میں کئی اہم نکات کی طرف اشارہ کریں گے۔ سورہ قیامت میں ہے: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ اس دن چہرے تروتازہ اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ مجسمہ، غالی اور سلفی (اہل حدیث) اس آیت کے ظاہر کے مطابق قائل ہیں کہ قیامت کے دن لوگ انہی آنکھوں کے ساتھ خداوند کو دیکھیں گے۔

ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ ہجری) امام الاشاعرہ اس بارے کہتے ہیں: نظر لغت کے لحاظ سے تین معنی رکھتا ہے، (۱) نظر اعتبار یعنی عبرت پکڑنا، (۲) رویت یعنی دیکھنا، (۳) امید لگانا۔ اس آیت میں عبرت کے معنی میں نہیں ہوسکتا چونکہ قیامت مقام عبرت نہیں ہے عبرت اصلاح کے لئے ہوتی ہے جس کا مقام دنیا ہے، آیت میں امید کے معنی میں بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ باب نظر اس معنی میں الی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا بلکہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے۔ پس آیت میں إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے معنی رب کو دیکھنے کے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ خدا کو دیکھنا آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ کے منافی ہے تو ہم کہیں گے یہ نفی بصارت دنیا کے لحاظ سے ہے اور إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ قیامت کے بارے ہے لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اہل سنت کے مفسر مصطفیٰ مراغی کہتے ہیں کہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن خداوند کو دیکھا جا سکے گا جیسے چودھویں کا چاند دیکھا جاتا ہے۔ ابن کثیر نے کہا: یہ مطلب مورد اتفاق ہے سب صحابہ وتابعین میں، قرطبی نے بھی اس پر دعویٰ اجماع کیا ہے اور آلوسی نے تو روح المعانی میں حدّ مکاری وہ کہتے ہیں میں نے خواب میں تین دفعہ خدا کی زیارت کی ہے۔ یہ اہل سنت کا نظریہ ہے، اس کے مقابل اہل بیت رسولؐ کا نظریہ کیا ہے؟ اس کے بارے بیان سے پہلے جناب امام الاشاعرہ کی اس بات کا جواب دے دیں کہ نظر امید کے معنی میں ہو تو الیٰ کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔ یہ بات درست نہیں ہے لغت میں نظر امید کے معنی میں الیٰ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور عرب کے شعر میں یہ استعمال ثابت ہے۔

انّی الیك لما وعدت لناظر نظر الفقیر الی الغنیّ الموسر

زمخشری بھی اس بارے کہتے ہیں کہ نظر الیٰ کے ساتھ استعمال ہو تو امید وتوقع کے معنی میں آتا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ایک مانگنے والی لڑکی کو مانگتے ہوئے یہ کہتے سنا جبکہ وہ اندھی تھی ﴿عُيينتي ناظرة الی اللّٰه و الیکم﴾ میری آنکھیں خدا اور تمہاری طرف دیکھ رہی ہیں۔ واضح ہے یہاں دیکھنے کے معنی میں نہیں ہے وہ اندھی لڑکی تھی۔ آنکھ سے مراد چشم امید ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

رؤیت خدا کے بارے میں اہل بیت رسول کا نظریہ

امام رضاؑ نے فرمایا: اس آیت میں ناضرۃ کے معنی مشرق کے ہیں یعنی چمکدار اور ناظرۃ الی ربھا کے معنی منتظر ثواب ربھا کے ہیں یعنی ثواب خدا کے منتظر ہوں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: **انما یعنی بالنظر الیہ النظر الی ثوابہ**۔ یعنی خداوند کی مراد اس نظر سے اس کی ثواب کی امید رکھنا ہے۔

اگر خداوند کو دیکھنا ممکن ہوتا تو جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (بقرہ:۵۵) تو خداوند انہیں مثبت جواب دیتا جبکہ خدا نے ان کے اصرار پر انہیں بجلی سے جلانے کے عذاب سے دوچار کیا۔ یا خداوند کہہ دیتا دنیا میں تو تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن آخرت میں دیکھ سکو گے، حضرت موسیٰؑ سے ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ کہہ دیا۔ امام رضاؑ سے آیت ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ کے بارے سوال ہوا۔ سائل نے سمجھا کہ یہاں رؤیت خدا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا: آگے آیت میں وضاحت موجود ہے ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ یعنی حضور نے شب معراج خداوند کی ایک بڑی آیت مشاہدہ کی اور آیت خدا غیر از خدا ہے۔ خداوند تو انسان کے احاطہ علمی میں نہیں آتا ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ﴾، ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ اگر رؤیت ہو تو احاطہ علمی ہو جائے گا۔

راوی نے سوال کیا کہ کیا آپ ان روایات کی تکذیب کرتے ہیں جو رؤیت پر دلالت کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا: جو روایات مخالف قرآن ہوں ان کی تکذیب ضروری ہے۔

حضرت علیؑ نے بھی فرمایا: ﴿**لا تدرکہ العیون فی مشاھدۃ الابصار ولکن راتہ القلوب بحقائق الایمان**﴾ خداوند کو آنکھیں رؤیت کے ساتھ ادراک نہیں کرسکتیں۔ لیکن دل حقائق ایمان کے ساتھ اسے دیکھ سکتے ہیں۔

روایات میں رؤیت خدا

صدوق نے کتاب التوحید میں باب الرؤیۃ میں روایت کی ہے کہ ابوبصیر نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ کیا قیامت کے دن ہم خدا کو دیکھ سکیں گے؟ امامؑ نے فرمایا: تم نے قیامت سے پہلے بھی اسے دیکھا ہے، عرض کیا: کب؟ فرمایا: جب آپ نے کہا: ﴿قالوا بلیٰ﴾ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: کیا تم اب خدا کو نہیں دیکھتے ہو؟ عرض کیا: کیا یہ بات آپ کی طرف سے نقل کرسکتا ہوں۔ فرمایا: نہیں۔ کیونکہ اگر میری طرف سے تم امکان رؤیت کو نقل کرو گے تو لوگ سمجھیں گے میں نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی بات کی ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں سوال ہوا: رسول خداؐ بعض دفعہ وحی کے وقت مدہوش ہو جاتے اس کی کیا وجہ تھی؟

Presented by Ziaraat.Com

فرمایا: ﴿ذلك اذا تجلّی اللّٰه له﴾ (بحار، جلد ۱۸، صفحہ ۲۵۶۔ توحید صدوق، صفحہ ۱۱۵)

یعنی حضور پر یہ حالت تب ہوتی جب بغیر کسی واسطہ کے خداوند خود آپ کیلئے تجلی فرماتا۔ تجلی کے معنی قطعاً یہ نہیں کہ حضور آنکھ سے خدا کو دیکھتے۔ قرآن وحدیث میں عنوان تجلی وارد ہے۔ اور صحیفہ سجادیہ دعا نمبر ۴۲ میں ملک الموت کے قبض روح کیلئے آنے کو تجلی قرار دیا ہے کہ محتضر جس کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسرے اس سے محروم رہتے ہیں ﴿تجلّی ملك الموت بقبضها من حجب الغیوب﴾۔ تجلی حضور شہودی وقلبی ہے ایک موجود مجرد کا دوسرے موجود مجرد کیلئے، شیخ صدوق کتاب التوحید میں فرماتے ہیں: میں نے باب الرؤیۃ میں جو روایات ذکر کی ہیں اور بعض محدثین سے انہیں روایت کیا ہے یہ میرے نزدیک صحیح ہیں لیکن اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے، علامہ طباطبائی نے سورہ اعراف کی تفسیر میں بحث روائی کے ذیل میں فرمایا ہے کہ ان روایات سے مراد چشم قلب سے دیکھنا ہے۔ (المیزان، ج ۸، ص ۲۶۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ رؤیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خداوند سے یہ مطالبہ کیا: ﴿رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ خداوند میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ (اعراف: ۱۴۳)

اس تقاضے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمع وبصر خداوند کے مظہر تھے، انہوں نے ایسی چیزیں دیکھیں اور کانوں سے سنی جو مشاہدات کے علاوہ ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے برتر درجے کے طالب ہوئے لہٰذا یہ تقاضا کیا تو خداوند نے فرمایا: نہیں موسیٰ دنیا میں آپ کے لئے اس سے برتر درجہ نہیں ہے لیکن بطور کلّی اس درجے کی نفی نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تو اس منزل پر نہیں ہیں لیکن ایسا مرتبہ کسی اور کامل تر کے لئے ممکن ہے، قطعاً حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی نے ظاہری طور پر دیکھنے کی درخواست نہیں کی تھی، اس کا استحالہ ایسا امر نہیں جو کسی موحد پر مخفی ہو چہ جائیکہ نبی پر۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ مسلمہ مسئلہ ہے وحی الٰہی میں۔ جو موجود ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکے اس کا مطلب ہے وہ کسی خاص مکان وجہت میں ہے اور دوسرے مکان وجہات اس سے خالی ہیں ایسا موجود مادی ہوگا اور خداوند اس سے منزّہ ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا مطالبہ کیسے کر سکتے تھے، ہاں قوم موسیٰ نے یہ مطالبہ کیا تھا چونکہ وہ سمجھتے تھے جو موجود ہے وہ مادی ہے لہٰذا اسے آنکھوں سے دیکھا جانا چاہئے انہوں نے کہا ﴿اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ﴾ انہوں نے تقاضا کیا ہمیں خداوند ظاہر دوسری چیزوں کی طرح دکھلاؤ۔ اس پر بجلی کے عذاب نے انہوں کو آلیا۔ (نساء: ۱۵۳)

لہٰذا حضرت موسیٰ خود ایسا مطالبہ کیسے کر سکتے تھے، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مراد شہودی رؤیت تھی اور شہود کی دو قسمیں ہیں: باواسطہ اور بلاواسطہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلیمی کی منزل پائی اور ﴿اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ﴾ سنا یا وحی کو سنا یہ شہود

Presented by Ziaraat.Com

باواسطہ تھا، اب اگلی منزل کی طلب کی جو کہ شہود بلا واسطہ ہے، خداوند نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِيْ﴾ آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِيْ﴾ لیکن اس پہاڑ کو دیکھو اگر یہ اپنی جگہ کھڑا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ جب خداوند نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ نابود ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے ﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ہوش میں آ کر مان لیا یہ شہود کامل موسیٰ کلیم کے لئے بھی میسر نہیں۔ ہر انسان کی استعداد و قدرت محدود ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام بھی محدود تھا اسی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾۔

شہود کامل اس ہستی کیلئے ممکن ہے جو ولایۃ کلیہ کی منزل پر فائز ہو، وہ بے پردہ تمام اسرار الٰہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے اور وہ معلم خضر ہوگا نہ کہ اسے خضر یہ کہتے نظر آئیں تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے چونکہ تمہیں ابھی بہت سے اسرار کی خبر نہیں۔

وہ خاص جلوے جنہوں نے پہاڑ کو نابود کر دیا موسیٰ بے ہوش ہوئے۔ فنا کی منزل پر نہیں تھے لہٰذا اس مقام و مرتبے کے نہیں تھے، گویا جو بھی موسیٰ کلیم کی حد تک ہے وہ اس جلوے کی برداشت کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوگا، لیکن اس بے ہوشی نے موسیٰ کلیم کو مکمل ہوش و فہم عطا فرما دیا اور جب ہوش میں آیا تب یہ اقرار کر لیا کہ خدایا میں اس مطالبے سے توبہ کرتا ہوں میرے لئے یہ منزل شہود نہیں تھی۔ وہ جو رؤیت ظاہری کے طالب تھے اور بجلی نے انہیں نابود کر دیا وہاں جلال و قہر خدا نے ان کی زندگی ختم کر دی، یہاں موسیٰ نے رؤیت شہودی کا مطالبہ کیا یہاں جمال و رحمت خدا آئی اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے، جلال و جمال میں بہت فرق ہے، وہ تقاضائے جاہلانہ تھا جو ظاہری آنکھ سے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے تھے لہٰذا گرفتارِ عذاب مرگ بار ہوئے۔ یہ تقاضا عارفانہ تھا جس میں شہود قلب کا تقاضا کیا جا رہا تھا رحمت خدا نے انہیں شامل حال ہو کر کمال ایمان و حیات عطا کر دیا۔

رزق و نعمت کے حوالے سے اہم بحث

سوال:۔ نعمت اور رزق سے کیا مراد ہے؟ رزق کیا مقسوم ہے؟

کیا رزق میں اضافہ ممکن ہے اگر ایسا ہے تو پھر تقسیم رزق کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ لغت عرب میں نعمت الحالۃ الحسنۃ (اچھی حالت) اور نعمت مرفہ زندگی کو کہتے ہیں۔

انسان جب ولایت اللہ کے تحت ہو تو جتنے اسباب زندگی وہ استعمال کرتا ہے اپنی زندگی کی بقاء اور اس کی سعادت کے لئے وہ سب اس پر خدا کی نعمت کہلائیں گے، اور اگر انسان ولایت شیطان کے ماتحت ہو تو یہی اسباب اس پر نقمت کہلائیں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

وسائل حیات اگر ناقص ہوں اور سعادت کی مکمل ضمانت فراہم نہ کریں تو وہ ناقص نعمت ہیں جیسے کسی کو مال تو مل جائے لیکن اسے امنیت حاصل نہ ہو اور وہ اپنے مال سے اپنی خواہش کے مطابق استفادہ نہ کر سکے۔

لیکن اگر اس کے ساتھ سعادت حیات بغیر نقص کے حاصل ہو تو یہ نعمت تامہ ہے اسے ''تمام النعمۃ'' کہا گیا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو ارشاد ہوا: ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ﴾ اس تمام النعمۃ سے مراد نبوت، عزت اور ملک کا دینا ہے۔ ﴿حقیقة الشکر اظهار النعمة کانّ الکفر (فی مقابل النعمة) اخفاء النعمة﴾ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کی دی ہوئی نعمت کا اظہار کرے اور اظہار نعمت کا مطلب لوگوں پر تظاہر نہیں ہے (شو مارنا) بلکہ ﴿اظهار النعمة استعمالها فی محلّها الذی اراد مُنعمها و ذکر المنعم بها لسانا﴾ اظہار نعمت یعنی نعمت کو اسی جگہ استعمال کرے جس کا نعمت دینے والے نے حکم دیا ہے اور اس مُنعم کا ذکر بھی ضرور کرے۔

﴿وَ آتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ (ابراہیم:۳۴) خدا نے تمہیں وہ سب دیا جو تم نے اس سے مانگا، اور اگر خداوند کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکو گے انسان بڑا ہی ظالم اور کفران نعمت کرنے والا ہے، اس آیت کا مطلب ہے ہر شئ نعمت خدا ہے۔

قرآن مادی اسباب زندگی کے علاوہ کچھ معنوی فائدوں کو بھی نعمت کہتا ہے، سورہ نحل آیت ۸۱ میں دنیاوی زندگی کے مختلف ساز و سامان کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾ خداوند اسی طرح تم پر اپنی نعمت کی تکمیل فرماتا ہے۔

سورۂ آل عمران آیت ۱ تا ۳ میں میدان جنگ کی فتوحات کو نعمت کہا گیا ہے۔ سورہ نحل میں نعمت ضرر کے مقابل ذکر ہوئی یعنی نعمت وہ حالت ہے کہ جس کی زندگی تکلیفوں اور اذیتوں سے خالی ہو۔

سورہ دخان میں زندگی کی تمام آسودگیوں اور خوشحالیوں کو نعمۃ کہا گیا ہے۔

رزق

رزق وہ چیز ہے جس سے نفع اٹھایا جائے یا وہ غذا جو ذی حیات کو یعنی جاندار کو خداوند کی طرف سے نشو و نما کے سامان کے طور پر ملے۔

ابن فارس (معجم مقاییس اللغۃ میں) کہتے ہیں رزق کے بنیادی معنی کسی کو وقت مقررہ پر دینے کے ہیں۔

قرآن نے تمام کھانے پینے کی چیزوں کو رزق کہا ہے جو چیز بھی انسان کی نشو و نما میں دخالت رکھتی ہو جسمانی لحاظ سے یا روحانی لحاظ سے اسے رزق کہا گیا ہے۔

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

Presented by Ziaraat.Com

﴿الرزق يقال للعطاء الجاری تارةً دنيويا كان او اخرويا و للنصيب تارةً، ولما يصل الی الجوف و يتغذّی به تارةً﴾

راغب رزق کے استعمال کے قرآن سے تین مورد ذکر کرتے ہیں

(۱) وہ عطاء جو جاری وساری ہو جیسے ﴿اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (بقرہ:۲۵۴) انفاق کرو اس سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس سے مراد مال، جاہ اور علم ہے۔

(۲) ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (سورۂ واقعہ، آیت:۸۲) ای و تجعلون نصيبكم من النعمة تحرّی الكذب۔ یعنی تم نے نعمت سے اپنا حصہ جھوٹ کی قابلیت کو قرار دے لیا ہے۔

(۳) کھائی جانے والی غذا جیسے ﴿فليأتكم برزق منه ای بطعام يتغذیٰ به﴾ یعنی کھانا لے کر آئے۔

کیا رزق تقسیم ہوتا ہے ہر کسی کو اس کا مقسوم ہی ملتا ہے؟

آیات وروایات سے پتہ چلتا ہے کہ رزق خداوند کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے۔ خداوند ارشاد فرماتا ہے: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (زخرف:۳۲) دنیاوی زندگی میں ہم نے معیشت ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے۔

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ﴾ (سورۂ عنکبوت، آیت:۶۰) کوئی چوپایہ خود اپنا رزق نہیں اٹھاتا بلکہ صرف خدا اسے اور تمہیں رزق دیتا ہے۔

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (شوریٰ:۲۷) (اگر خداوند بندوں میں رزق پھیلا دیتا تو وہ زمین بغاوت کر دیتے)۔

نہج البلاغہ میں مولا علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿وَ قَدَّرَ الْاَرْزَاقَ وَ قَسَّمَهَا عَلَى الضِّيقِ وَالسَّعَةِ فَعَدَلَ فِيهَا لِيَبْتَلِيَ مَنْ اَرَادَ بِمَيْسُوْرِهَا و مَعْسُوْرِهَا وَ يَخْتَبِرَ بِذٰلِكَ الصَّبْرَ وَ الشُّكْرَ مِنْ غَنِيِّهَا وَ فَقِيرِهَا﴾ (خطبہ نمبر ۹۱)

خداوند نے رزق تقسیم فرمائے ہیں کسی کو وسیع رزق دیا کسی کو تنگی سے دوچار کیا تا کہ اس سے لوگوں کی آزمائش کرے اور ان کے صبر وشکر کو جانچے۔

سوال:۔ اگر رزق مقسوم ہے تو اس کا مطلب ہے اس میں کمی وزیادتی کا امکان نہیں ہے؟

جواب:۔ رزق میں کمی وزیادتی کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رزق مقسوم پر اضافہ ممکن نہیں ہے۔ اصول کافی میں ہے: ﴿بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهٗ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ

Presented by Ziaraat.Com

كَمَالَ الدِّيْنِ طَلَبُ الْعِلْمِ وَ الْعَمَلُ بِهٖ وَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ اَوْجَبُ عَلَيْكُمْ مِنْ طَلَبِ الْمَالِ اِنَّ الْمَالَ مَقْسُوْمٌ مَضْمُوْنٌ لَكُمْ قَدْ قَسَّمَهٗ عَادِلٌ بَيْنَكُمْ وَ ضَمِنَهٗ لَكُمْ وَ يَسْفِيْ لَكُمْ وَ الْعِلْمُ مَخْزُوْنٌ عِنْدَ اَهْلِهٖ وَ قَدْ اُمِرْتُمْ بِطَلَبِهٖ مِنْ اَهْلِهٖ فَاطْلُبُوْهُ﴾ یعنی دین کا کمال علم کے طلب کرنے اوراس پر عمل کرنے میں ہے اور طلب علم مال کی طلب سے زیادہ ضروری ہے چونکہ مال کی عادل نے تمہارے درمیان تقسیم فرمائی دیا ہے اوراس کی ضمانت بھی اس نے لی ہے وہ جو تمہارے حصے کا ہے تمہیں ضرور دے گا لیکن علم اہل علم کے پاس مخزون ہے اسے وہاں سے طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اسے ان سے طلب کرو۔

اسی طرح صحیفۂ سجادیہ میں ایک دعاء میں وارد ہے:

﴿جَعَلَ لِكُلِّ رُوْحٍ مِنْهُمْ قُوْتًا مَعْلُوْمًا مَقْسُوْمًا مِنْ رِزْقِهٖ لَا يَنْقُصُ مَنْ زَادَهٗ نَاقِصٌ وَلَا يَزِيْدُ مَنْ نَقَصَ مِنْهُمْ زَائِدٌ يَعْنِيْ مَنْ زَادَ اللّٰهُ مِنْهُمْ لَا يَنْقُصُه نَاقِصٌ وَمَنْ نَقَصَهٗ لَا يَزِيْدُهٗ زَائِدٌ﴾ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خداوند نے ہر روح کے لئے رزق تقسیم کر دیا ہے جسے خدا جتنا دے دے اس سے کوئی دوسرا کمی و زیادتی نہیں کرسکتا۔

لیکن اس کے مقابل رزق مقسوم میں کمی و زیادتی مسلمات میں سے ہے کتنے امور ایسے روایات میں مذکور ہیں جو روزی کی تنگی کا باعث بنتے ہیں اور کتنے امور ایسے مذکور ہیں جو رزق میں خیر و برکت کا باعث بنتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ رزق مقسوم بھی طلب کئے بغیر نہیں ملتا۔

کنز الفوائد کراجکی میں ہے: ﴿عَنِ الشَّيْخِ الطُّوْسِي باسناده عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ مُسْلِمٍ؟ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ اَقْبَلَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَ تَرَكَ التِّجَارَةَ فَقَالَ وَيْحَهٗ اَمَّا عَلِمَ اَنَّ تَارِكَ الطَّلَبِ لَا يُسْتَجَابُ لَهٗ دَعْوَةٌ اِنَّ قَوْمًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَمَّا نَزَلَتْ (وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ) اَغْلَقُوْا الْاَبْوَابَ وَ اَقْبَلُوا عَلَى الْعِبَادَةِ وَ قَالُوا قَدْ كُفِيْنَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا حَمَلَكُمْ مَا صَنَعْتُمْ؟ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ كَفَلَ اللّٰهُ لَنَا اَرْزَاقَنَا فَاَقْبَلْنَا عَلَى الْعِبَادَةِ فَقَالَ اِنَّهٗ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يُسْتَجَبْ لَه عليكم بِالطَّلَبِ﴾۔

امام نے راوی سے پوچھا: یہ عمر بن مسلم نے کیا کیا؟ عرض کیا: اس نے تجارت چھوڑ کر عبادت شروع کر دی، فرمایا: اس پر افسوس ہے کیا اسے معلوم نہیں جو طلب کو چھوڑ دیتا ہے اس کی نہیں سنی جاتی۔ رسول خدا ﷺ کے دور میں بھی ایسا ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو تقوائے الٰہی اختیار کرے گا خدا اس کی مشکلات حل فرمائے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان ہی نہ ہوگا'' تو اصحاب کی ایک جماعت نے عبادت اختیار کر لی اور کام کاج چھوڑ دیا،

Presented by Ziaraat.Com

حضور ﷺ نے انہیں پیغام بھیجا کہ یہ درست نہیں ہے ایسا کرنے والے کی دعا نہیں سنی جاتی، تم رزق کی تلاش میں نکلو۔

﴿وعن احمد بن فهد فی عُدَّةِ الدّاعِی عن عُمَرَ بْنِ یزید عَنْ ابی عبدِ اللّٰہ قالَ اِنّی لَاَرْکَبُ فِی الحاجةِ الَّتِی کَفَانِیها اللّٰہُ مَا اَرْکَبُ فِیهَا الاّ لِاِلْتِمَاسِ اَنْ یَرانِی اللّٰہُ اَضْحٰی فی طلبِ الحلال اما تسمع قول اللّٰہ عزوجلّ (فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ)﴾، میں طلب رزق میں جاتا ہوں جبکہ خداوند نے میرا رزق اپنے ذمے لے لیا ہے چونکہ وہ مجھے اس طرح دیکھنا چاہتا ہے ورنہ وہ دعا کو قبول نہیں کرتا۔

منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ میں میرزا شہیدی خوئی فرماتے ہیں: ﴿و یمکن الجمعُ بینها و بین الاخبار السابقة بِجَعْلِ الرزق علی قسمین، احدهما ما لیس للطلب والسعی مدخلیةٌ منه و الثانی مالا ینال الاّ بالطلب ویشهد علی هذا الجمع ما رواه فی الوسائل عن مقنعة المفید قال قال الصادق الرزق مقسوم علی ضربین احدهما واصل الی صاحبه و ان لم یطلبه و الآخر معلّق علی طلبه فالّذی قَسَّمَ لِلْعَبْدِ علٰی کلّ حالٍ آتیه وان لم یسع له والّذی قسّم له بالسعی فینبغی ان یلتمسه من وجوهه وهو ما احلّه اللّٰه دون غیره فان طلبه من جهة الحرام فوجده حسب علیه برزقه و حوسب علیه﴾۔ (منہاج البراعۃ، ج۶، ص۲۹۶)

شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں کہ ان دوقسم کی روایات میں اس طرح جمع کی جاسکتی ہے کہ رزق کی دوقسمیں ہیں: ایک وہ رزق ہے جو خداوند نے کسی کے نام لکھ دیا ہے اور وہ بغیر طلب وسعی کے بھی ملتا ہے اور دوسرا وہ رزق ہے جو خداوند نے کسی کے لئے ممکن بنا دیا ہے اس کی طلب کے ساتھ، یہ رزق اسے طلب وسعی کی صورت میں مل سکتا ہے اور اس کی تائید امام صادق علیہ السلام کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں حضرتؑ نے یہی فرمایا ہے:

اور اس حدیث میں رسول خدا ﷺ نے جس رزق کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رزق بنی آدم کو ایسے ہی ڈھونڈتا ہے جیسے موت اسے تلاش کرتی ہے تو اس سے مراد پہلی قسم کا رزق ہے۔ ﴿قال یا اباذر لو انَّ ابْنَ آدمَ فَرَّ مِنْ رِزْقِهِ کَمَا نَفِرُّ مِنَ الْمَوْتِ لَاَدْرَکَهُ الرِّزْقُ کَمَا یُدْرِکُهُ الْمَوْتُ﴾۔ (بحار، ۷۵)

اور دوسری قسم والے رزق کو فضل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورہ جمعہ والی آیت میں آیا ہے: ﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ﴾ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں ایک مرد صالح رہتا تھا جو فقیر تھا خدا سے روزی طلب کرتا، دعا کرتا، ایک دن اسے خواب میں کہا گیا: حلال کے دو درہم تمہیں زیادہ پسند ہیں یا حرام کے دو ہزار

Presented by Ziaraat.Com

درہم، اس نے کہا: حلال کے دو درہم زیادہ پسند ہیں۔ حکم ہوا: تکیے کے نیچے سے اٹھالو، بیدار ہوا: دیکھا تو دو درہم موجود ہیں، بازار گیا مچھلی خریدی، اس کے شکم سے دو موتی برآمد ہوئے جنہیں اس نے ۴۰ ہزار درہم میں بیچا۔ (بحار، ۵)

اہم سوال:۔ کیا حرام کی کمائی بھی رزق شمار ہوتی ہے کسی کا رزق کیا خداوند نے حرام کام میں قرار دیا ہے؟

یہ مسئلہ اختلافی ہے اشاعرہ (عام اہل سنت) حرام کو بھی رزق کہتے ہیں ان کے نزدیک رزق یعنی ﴿مطلق ما ینتفع بہ حیٌّ مباحًا کان او حرامًا بالتغذی او بغیرہ﴾ یعنی رزق ہر وہ چیز ہے جس سے زندہ موجود استفادہ کرے حلال ہو یا حرام، کھانا ہو یا اس کے علاوہ، لیکن معتزلہ اور شیعہ قائل ہیں کہ حرام رزق نہیں ہے۔ ﴿الرزق ما صح انتفاع الحیوان بہ و لیس لاحد منعہ منہ﴾ رزق وہ ہے کہ جس سے جاندار کا فائدہ اٹھانا صحیح ہو اور کوئی اس سے اسے روک نہ سکے اور حرام سے چونکہ خدا نے روکا ہے لہٰذا حرام رزق نہیں ہوسکتا۔

اشاعرہ نے ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ صفوان بن امیہ بیان کرتے ہیں ہم حضور اکرم ﷺ کے محضر میں بیٹھے تھے کہ عمر بن قرہ آیا: ﴿فقال یا رسول اللہ کتبَ اللّٰہُ عَلَیَّ الشِّقْوَۃَ فلا ارانی اُرْزق الاّ من دفّی بِکَفِّی فقالَ لا اذن لک ولا کرامۃ ولا نعمۃ کَذَبْتَ اَیْ عدوّ اللّٰہِ لقد رزقک اللّٰہ حلالاً طیّبًا فاخترتَ ما حرّم اللّٰہ علیک مکان ما اَحلَّ اللّٰہ لک من حلالہ﴾۔ یعنی اس نے عرض کیا: خداوند نے بدبختی میرے لئے لکھ دی اور میرا رزق اس نے حرام میں قرار دیا ہے کہ میں دف کو ہاتھ سے بجا کر روزی کماؤں، آپؐ نے فرمایا: اے دشمن خدا جھوٹ مت بولو، یہ کام غلط ہے اور اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ خداوند نے تمہارے لئے رزقِ حلال لکھا تم نے اسے حرام سے خود بدلا ہے۔

دوسری دلیل فخر رازی نے تفسیر الکبیر میں آیت ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا﴾ کے ذیل میں ذکر کی کہ ﴿تعلّق اصحابنا بھذہ الآیۃ فی اثبات انّ الرزق قد یکون حرامًا﴾ یعنی ہمارے اصحاب اشاعرہ اس آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ حرام بھی رزق ہوسکتا ہے۔

یہ دلیلیں درست نہیں ہیں۔ مفصل جواب تو اس کی جگہ پر دیا گیا ہے۔ مذہب صحیح یہ ہے کہ حرام رزق نہیں ہو سکتا۔ بہترین دلیل وہ روایت ہے جو شیعہ و سنی حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: ﴿قال الروحُ الامین نَفَثَ فی رَوْعِی انہ لا تموتُ نَفْسٌ حتّی تَسْتَکْمِلَ رزقَھا فَاتَّقُوا اللّٰہ واجملوا الرزق ولا یحملّنکم استبطاء شیٔ من الرزق ان تطلبوہ بشیٔ من معصیۃ اللّٰہ فانّ اللّٰہ قسّم الارزاق بین خلقہ حلالاً ولم یقسّمھا حرامًا فمن اتقی اللّٰہ و صبر اتاہ رزقہ من حلّہ ومن ھتک حجاب ستر اللّٰہ و عجّل و اخذہ من غیر حلّہ قُصَّ بہ مِنْ رِزْقِہِ الْحَلَالِ و حُوْسِبَ علیہ یوم

Presented by Ziaraat.Com

القیامة﴾۔(اصول کافی)

یعنی خداوند نے جبرئیل کے ذریعے مجھے یہ الہام کیا ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق مکمل کیے بغیر مر نہیں سکتا۔ طلب رزق میں تقویٰ اختیار کرو اور حلال طریقے سے طلب کرو۔ حلال رزق کی دیر سے تم ناجائز طریقے سے اسے حاصل نہ کرو، خداوند نے رزق حلال طریقے سے تقسیم کیئے ہیں نہ کہ حرام طریقے سے، اگر حلال کو چھوڑ کر حرام طریقے سے رزق حاصل کرو گے تو اسی حساب سے تمہارا حلال رزق کم ہو جائے گا اور قیامت کے دن اس حرام کا حساب بھی دینا ہوگا۔

سوال:۔ استخارہ کیا ہے اور طریقہ بیان فرمائیں؟

جواب:۔ لغت میں استخارہ کے معنی خدا سے طلب خیر کرنا ہے، وہ اس کائنات کا خالق ہے یہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ اپنے بندہ کو اچھائیوں کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے، اس طرح کے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب ایک کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کام کے تمام مقدمات مکمل توجہ کے ساتھ فراہم کرے اور موانع کو دور کرے، اس کے بعد صمیم قلب سے خدا سے درخواست کرے کہ خداوندا مجھے اس کام میں کامیابی عطا فرما اور کامیابی کے لئے میری رہنمائی فرما، یہ استخارہ طلب خیر کرنے کے معنی میں ہے جو کہ بہت سی معتبر روایات میں وارد ہے اس استخارہ کے لئے نہ تسبیح کی ضرورت ہے نہ قرآن کھولنے کی بلکہ صرف باطنی توجہ کافی ہے ہر انسان یہ کام کر سکتا ہے روایات میں وارد ہے:﴿ما استخار الله عبدٌ مومنٌ الاّ خار الله له﴾ کوئی مومن بندہ خدا سے طلب خیر نہیں کرتا مگر یہ کہ خداوند خیر اس کے لئے فراہم کر دیتا ہے۔

اب سوال اس استخارہ کے بارے ہے کہ جو آج کل مرسوم ہے کہ تسبیح یا قرآن کے ذریعے کیا جاتا ہے؟

تو اس کے لئے یہ بات ذہن میں رہے کہ استخارہ سے پہلے اپنی عقل سے مدد لے۔ خدا نے انسان کو نعمت عقل سے نوازا ہی اسی لئے ہے کہ اس کے لئے نفع و نقصان کے موارد کو روشن کرے، جب عقل ایسا فیصلہ کر لیتی ہے تو تسبیح یا قرآن سے استخارہ کا مورد باقی نہیں رہ جاتا۔

اس کے بعد دوسرے افراد سے مشورہ لینا ہے اسے بھی اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور علامات ایمان میں سے ہے کہ فرمایا:﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ﴾ (شوریٰ/۳۸)

حتیٰ کہ رسول خدا ﷺ کو حکم دیا:﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (آل عمران/۱۵۹) معاملات میں ان سے مشورہ کریں۔ پس مشورہ کی صورت میں جب ماہر اور سمجھدار افراد کسی بات کا مشورہ دے دیں تو یہاں بھی استخارہ کا کوئی مورد نہیں رہ جاتا۔ ہاں جہاں عقل اور مشیروں کے ذریعے معاملہ حل نہ ہو سکے اور انسان حیران و پریشان ہو جائے تو یہاں قرآن یا تسبیح سے استخارہ کا مورد ہے۔ انسان ایسی حالت میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے کہ خدایا تو ہی میری اس حیرانی و

Presented by Ziaraat.Com

تردید کو دور فرما اور مجھے صحیح راہ کی رہنمائی فرما۔

اس استخارہ کے حوالے سے جو روایات وارد ہیں وہ سنداً ضعیف ہیں لیکن اس میں اصل روایات نہیں ہیں بلکہ یہ ایک طریقہ عمل قرار پا چکا ہے علماء و صلحاء ہمیشہ اس کے اوپر کاربند رہے ہیں اور یہ علماء کی روش ہی اس کے اعتبار کی دلیل ہے اور عمل میں اس کی صحت تجربات مکررہ سے ثابت ہو چکی ہے لہٰذا اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنا بہت ہی فائدہ مند ہے۔ ایک خاص روحانیت کی ضرورت ہے تاکہ انسان صحیح مقصود کو پا سکے، بزرگان نے اس بارے رہنمائی فرمائی اور اس کا ہم نے خود بھی تجربہ کیا ہے۔

سوال:۔ تقلید عقل و قرآن کی روشنی میں ایک ناپسندیدہ عمل ہے پھر کیوں اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے؟

جواب:۔ کلمہ تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی جو کہ ناپسندیدہ ہے اور قبیح ہے وہ اور ہے اور وہ جو فقہی کتب میں آیا ہے اس سے دوسرے معنی مراد ہیں۔

تقلید کا ناپسندیدہ معنی کسی کی اندھی پیروی ہے یعنی انسان بلا سوچے سمجھے کسی کی اندھی پیروی کرے جیسا کہ مشرکین رسول خدا ﷺ کی دعوت کے جواب میں اپنے شرک کی دلیل اپنے آباء کی تقلید کو قرار دیتے تھے ﴿قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا﴾ ہم نے تو اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر پایا ہم بھی اسی کی پیروی کر رہے ہیں۔ ﴿بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ (زخرف، ۲۲) ہم نے اسی طریقہ (بت پرستی) پر اپنے آباء واجداد کو پایا ہے اور انہی کے آثار کی ہم پیروی کر رہے ہیں۔

شرک ایک احمقانہ عمل تھا اس کی دلیل انہوں نے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کو قرار دیا، آج کے دور کی زیادہ فضول رسمیں اسی اندھی تقلید کا نتیجہ ہیں۔ یہ ناپسندیدہ روش اپنے تمام مفاسد کے ساتھ آج جاری و ساری ہے، اس کی مخالفت نہیں کی جاتی ہے، جبکہ تقلید کے دوسرے معنی علم فقہ کی اصطلاح میں یہ ہیں کہ غیر ماہر افراد ہر شعبے کے ماہر افراد کی طرف رجوع کریں اور ان کے علم و افکار سے استفادہ کریں، یہ تقلید انسان کی زندگی کی اساس ہے تمام شعبوں میں ورنہ نظام ہی نہیں چل سکتا ورنہ کوئی بیمار ڈاکٹروں کے پاس نہ جائے، کوئی شخص انجینئر کے پاس نہ جائے، کوئی ضرورت مند وکیل کے پاس نہ جائے، یہ انسانی ضرورت ہے کہ ہر شخص ہر کام میں ماہر نہیں ہو سکتا اسے ہر ہر شعبے کے ماہر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، شریعت کے مسائل بھی اسی طرح ہیں، ان شرعی احکام کو ہر شخص دلیل سے حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا جو ان کے ماہر ہیں یعنی مجتہدین، ان کی طرف رجوع کرنا ہوگا، یہ رجوع اور پیروی اندھی و بلا دلیل تقلید نہیں ہے بلکہ عقل و منطق اس کی تائید بھی کرتی ہے اور اسے ضروری بھی شمار کرتی ہے۔

سوال:۔ مجتہدین کے شرعی مسائل میں اتنے اختلافات ہیں تو اس کا کیا کیا جائے؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب :۔ بہت زیادہ مسائل ایسے نہیں ہیں کہ ان میں اختلافات ہوں۔کم مسائل میں اختلاف ہے،غیبت امام اورامام معصوم سے محرومیت کا طبعی اثر یہ تو ہونا ہی تھا،اس کے باوجود عبادات ومعاملات میں یہ اختلافات کبھی آڑے نہیں آئے اگر تقلید نہ ہوتی تو پھر جو اختلافات ہوتے اس کا تصور ہی خطرناک ہے،اب تک جس چیز نے دین کو امر واحد کی صورت میں لوگوں کے درمیان رائج کر رکھا ہے یہ تقلید ہی تو ہے۔

عزت وذلت

سوال :۔قرآن میں ہے خداوند جسے چاہتا ہے ملک وحکومت دیتا ہے۔جس سے چاہتا ہے حکومت لے لیتا ہے۔جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، یہ سب مشیت خدا ہے تو پھر انسان کی سعی وکوشش کا کیا فائدہ؟

جواب :۔خداوند نے اس کائنات میں ترقی وتنزلی کے اسباب وعوامل قرار دیئے ہیں ان اسباب وعوامل سے استفادہ مشیت خدا ہے، اب جو بھی ان سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی کرتا ہے کامیابیاں حاصل کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہے چاہے مسلم ہو یا کافر۔

سوال :۔اگر اپنی سعادت وشقاوت ہر کسی کے اپنے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کی نسبت کیوں خدا کی طرف دی جاتی ہے؟

جواب :۔اس کائنات اور انسان میں موجود تمام قدرت واستعداد کا اصلی سرچشمہ ذات خداوند ہے۔خداوند ہی نے اس کائنات میں سرافرازی وعزت وکامیابی کے تمام وسائل فراہم کئے ہیں اور اسی نے وہ اصول وقوانین بتلائے ہیں جن پر عمل سے انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔اس وجہ سے ان سب کو اس کی طرف نسبت دی جاتی ہے،لیکن اس نسبت سے جبر لازم نہیں آتا اس لئے کہ ان مواہب سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا،حسن اختیار یا سوء اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

سوال :۔اگر ایسا ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے جس میں فرمایا گیا ہے: ﴿**السعید سعیدٌ فی بطن امّہ، الشقی شقیٌّ فی بطن امہ**﴾ یعنی ”جو نیک بخت ہے وہ ماں کے پیٹ میں سعید ہوتا ہے جو بدبخت ہے وہ ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا ہے“۔کیا یہ جبر نہیں؟

جواب :۔انسان کی سعادت وشقاوت کی ابتداء اس دنیا میں آنے کے بعد شروع نہیں ہوتی بلکہ شکم مادر سے ہی اس کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اسباب سعادت یا شقاوت معیّن کردیئے گئے ہیں اور انسان کو ان کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے اگر کوئی اسباب سعادت کو اختیار کر کے نطفہ منعقد کرتا ہے تو یکی بات ہے کہ بچہ نیک بخت ہوگا، اگر کوئی

Presented by Ziaraat.Com

اسباب شقاوت کو اختیار کرتا ہے اور نطفہ منعقد ہوتا ہے تو بچہ بد بخت ہوگا، یہ روایت اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے لہٰذا یہ روایت اگر صحیح سمجھ میں آ جائے تو اختیار کی دلیل ہے نہ کہ جبر کی۔

خداوند کا علم ازلی متعلق ہو جاتا ہے کہ یہ بچہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت تو اس سے جبر لازم نہیں آتا ہے اس لئے کہ یہ علم اس کی سعادت وشقاوت میں دخیل نہیں ہے علم معلوم کے متعلق ہوتا ہے ﴿علی ما هو علیه﴾ یعنی جیسا وہ ہے اس کے متعلق علم ہوتا ہے اور معلوم تابع علم نہیں ہوگا۔

سوال:۔ عبادت اور عبودیت کیا ہے اور ان میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ لغت میں عبادت کے معنی خضوع یا نہایت خضوع کے ہیں، بعض نے اطاعت کے معنی بھی بیان کئے ہیں، لیکن عام رائج استعمال عبادت کے معنی میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جو عمل قصد قربت اور وجہ الٰہی کے ساتھ انجام پائے عبادت ہے۔ لہٰذا نہ ہر خضوع واطاعت عبادت ہے اور نہ ہر تواضع عبادت ہے، اسلام میں عبادت غیر خدا حرام ہے لیکن تواضع اور اطاعت غیر خدا حرام نہیں ہے، فارسی میں پرستش اس معنی کے قریب ترین ہے۔

عبودیت کو اگرچہ بعض نے عبادت کے ہم معنی قرار دیا ہے کہ وہی خضوع کے معنی میں ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ عبودیت مملوکیت، عبدیت اور بندگی کے معنی میں ہے۔ اگر عبودیت کی نسبت خدا کے ساتھ ہو تو شخص عبداللہ کہلاتا ہے۔

شرح الاسماء الحسنٰی میں ملا ہادی سبزواری روایت نقل کرتے ہیں کہ شب معراج خداوند نے اپنے حبیب سے فرمایا آپ جو سعادت مانگنا چاہتے ہیں آج مانگ لیں۔ تو حضور اکرم ﷺ نے عرض کی: مجھے اپنی عبودیت سے سرافراز فرمادے اس درخواست کو خداوند نے منظور کر لیا اور فرمایا: ﴿سُبْحَانَ الَّذِیٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾۔

بناء بریں عبادت اور عبودیت میں فرق یہ ہے کہ عبادت عمل انسانی ہے انسان سعی وکوشش کرتا ہے عمل کرتا ہے تو عابد کہلاتا ہے لیکن عبودیت وصف ہے انتخاب ہوتا ہے جب خداوند کسی کو منتخب کر لے وہ عبد کہلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے فلانی وصف عبودیت رکھتا ہے لیکن یہ نہیں کہتے کہ وصف عبادت رکھتا ہے۔

ادیانِ الٰہی میں عبادت وعبودیت

عبادت لازمہ لاینفک ادیانِ الٰہی ہے۔ جیسے توحید دین کا اعتقادی چہرہ ہے۔ اسی طرح عبادت دین کا سلوکی چہرہ ہے۔ بغیر عبادت کے دین کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ روح پیغام تمام انبیاء یہ تھی کہ روح عبادت خدا انسانوں میں زندہ کریں اور عبادت غیر خدا سے انہیں روکیں۔ ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (سورۂ نحل) ترجمہ: خدا کی عبادت کرو اور طاغوت سے دوری اختیار کرو۔

Presented by Ziaraat.Com

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: خداوند نے محمدﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ لوگوں کو بندوں کی عبادت سے عبادت خدا، لوگوں کے عہد سے عہد خدا اور لوگوں کی ولایت سے ولایت خدا کی طرف نکالیں۔

(بحار، ج ۷، ص ۳۶۷)

اور حضرت علیؑ عبادت وعبودیت خدا کے کامل ترین نمونہ تھے۔

عبودیت عام ہر چیز میں موجود ہے۔ عبودیت یعنی تسلیم مطلق در برابر خدا یہ ہر چیز کی خاصیت ہے کہ وہ فرمان خدا کے سامنے خاضع ہے، ایک عبودیت خاص ہے کہ اپنے اختیار کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کے سامنے تسلیم کر دے۔

حضرت ابراہیمؑ سے خدا نے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (بقرہ/۱۳۱)

یہ قرآن میں ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (انعام:۱۶۲)

میری نماز وعبادت اور موت وحیات سب رب العالمین کے لئے ہے۔

عبودیت کے بارے عنوان بصری نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ ﴿ما حقيقة العبودية﴾ تو آپ نے فرمایا: انسان اپنے آپ کو اپنے امور کا مالک ومدبر نہ سمجھے اور فرمانِ الٰہی کے سامنے گردن جھکا دے۔

(بحار، ج ۱، صفحہ ۲۲۵)

حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿الهی کفی بی فخراً ان تکون لی ربًا و کفی بی عزًّا ان اکون لک عبدًا﴾ خدایا میرے لئے سب سے بڑا فخر ہے کہ تو میرا رب ہے اور میرے لئے سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ (بحار/۳۸، صفحہ ۳۴۰)

سوال:۔ قلب کیا ہے؟

جواب:۔ لغت میں قلب کے معنی الٹ پلٹ کرنے کے ہیں اور کسی شئ کے وجہ خالص کے معنی میں بھی آتا ہے۔ راغب اصفہانی نے المفردات میں قرآنی نقطہ نظر سے اس کے معنی بیان کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں: کسی شئ کو ایک طرف سے دوسری طرف الٹ دینا، اور انقلاب کے معنی انصراف کے ہیں اور انسان کے قلب کو اس لئے قلب کہتے ہیں کہ اس میں تغیر ودگرگونی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور عقل وفہم کو بھی قلب کہا جاتا ہے جیسے ﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (توبہ/۸۷) اور قلب روح پر بولا جاتا ہے ﴿وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (حج/۴۶) قرآن کی رو سے قلب روح کو کہتے ہیں اور اس کے ہم معنی الفاظ قرآن میں فؤاد، نفس، صدر اور روح استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ **صدر**:۔ اصل میں سینہ کے معنی میں ہے پھر یہ ہر شئ کے اگلے حصے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے صدر مجلس، صدر کلام، اور چونکہ انسانی وجود میں قلب اہم ترین پہلو ہے لہٰذا اس پر صدر کی لفظ بولی گئی ہے۔ ﴿رَبِّ اشْرَحْ

Presented by Ziaraat.Com

لِیْ صَدْرِیْ﴾ (طٰہٰ/۲۵) میں اسی معنی میں ہے۔

۲۔ **روح** :۔ قرآن میں ملائکہ، قرآن، حضرت عیسیٰؑ اور نفس ناطقہ انسانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ (اسراء/۸۵) میں آخری میں معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۳۔ **نفس** :۔ اہل لغت نے صراحت سے کہا ہے کہ یہ روح کے معنی میں ہے اور ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ﴾ (بقرہ/۲۳۵) میں اسی معنی میں ہے۔

۴۔ **فؤاد** :۔ قرآن میں یہ لفظ قلب کے لئے استعمال کی گئی ہے۔

ویسے تو قلب یا فؤاد کے معنی دل کے ہیں یعنی یہ عضو جو سینے میں دھڑکتا ہے اور خون پمپ کرتا ہے لیکن قرآن و حدیث اور علم اخلاق میں قطعاً اس لفظ سے یہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ روح انسانی کے لئے استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب ہے کہ یہ لفظ مشترک لفظی ہے اور دو الگ الگ معنوں کے لئے وضع ہوا ہے اور ان دونوں میں کوئی ربط مدنظر نہیں تھا لہٰذا جب روح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے وہ معنی قطعاً مدنظر نہیں ہوتے جو عضو کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اگرچہ علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں دونوں میں مناسبت بیان کی ہے کہ انسان کی زندگی سب سے پہلے قلب سے شروع ہوتی ہے اور سب سے آخر میں قلب سے جدا ہوتی ہے یعنی وہ آخری عضو جس کی موت واقع ہوتی ہے دل ہے، اس مناسبت سے روح کو قلب کہا گیا ہے۔ یہ بدن میں سے یہ عضو روح کی تجلی گاہ ہے اور یہ پہلا عضو ہے کہ جس کے متعلق روح ہوتی ہے اور آخری عضو ہے جس سے روح جدا ہوتی ہے۔

البتہ روح کے احساسات جیسے خوشی، اضطراب وغیرہ کا بیشتر احساس دل میں ہوتا ہے دل تیزی سے دھڑکتا ہے، شدید غم کا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مناسبت ہو سکتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ روح کو قلب کہنے کی یہ وجہ ہو۔

آیت اللہ مصباح یزدی فرماتے ہیں: قلب کی قرآن سے پہچان کے لئے بہتر ہے دیکھا جائے کون کون سے کام قلب کی طرف نسبت دیئے گئے ہیں؟ وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ **ادراک** :۔ سمجھنا اور درک کرنا قلب کا کام ہے جیسے ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ (اعراف/۱۷۹) یعنی وہ قلب رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ ان پر اعتراض کے طور پر کہا ہے یعنی دل کا کام سمجھنا ہے لیکن وہ اسے اس کام میں استعمال نہیں کرتے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ﴾ (انعام/۲۵) ان میں سے کچھ اے رسول آپ کی باتیں غور سے سنتے ہیں اور ہم نے ان کے قلوب پر پردے قرار دے دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

یعنی ان میں ادراک کا مقتضی تو موجود ہے لیکن پردے سمجھنے سے مانع ہیں۔

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد/۲۴) کیوں وہ قرآن کے بارے غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر تالے پڑے ہیں۔

ایک آیت میں صاف طور پر سمجھنا قلب کا کام بتلایا گیا ہے۔

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ (اعراف/۱۷۹) دل کا کام سمجھنا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے، آنکھ کا کام دیکھنا ہے لیکن وہ دیکھنے کا کام آنکھوں سے نہیں لیتے، کانوں کا کام سننا ہے لیکن وہ کانوں سے سننے کا کام نہیں لیتے۔

۲۔ **ادراک حضوری و شہودی**:۔ حضور اکرم ﷺ کے لئے فرمایا: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ (نجم/۱۱) فواد نے جو دیکھا اس میں اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔

اندھا پن اسی وجہ سے قلب کی طرف منسوب ہوا۔ ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (حج/۴۶) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں جو دل ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔

اور یہاں دل کے معنی وہ عضو تو نہیں جو خون پمپ کرتا ہے چونکہ اندھا اسے کہتے ہیں جو دیکھ سکنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور نہ دیکھ سکے، اس عضو کو اندھا نہیں کہہ سکتے، یہ روح ہے جو دیکھ سکتی ہے نہ دیکھے تو اندھی ہے۔

۳۔ **احساسات باطنی**:۔ قلب کا ایک اور کام باطنی احساسات ہیں جیسے خوف، بزدلی، شجاعت، ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (مومنون/۲) مومن وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ اسی طرح غفلت، حسرت، سنگ دلی، خشوع وغیرہ قرآن میں دل کا کام شمار ہوئے ہیں۔

۴۔ **قلوب محل ایمان ہیں**: ﴿كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ (مجادلہ/۲۲) محل تقویٰ ہیں ﴿امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (حجرات/۳)

اور دوسرے بہت سے اوصاف جو قرآن میں قلب کے لئے استعمال ہوئے ہیں یہ سب روح انسانی کے کام و اوصاف ہیں۔ نہ کہ اس عضو (دل) کے جو سینے میں ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں قرآن میں قلب اس کے معنی میں استعمال ہی نہیں ہوا۔

لہذا قلب یعنی روح انسانی کا وہ خاص پہلو جس میں وہ منشاء ہے انسانی خصوصیات واوصاف کیلئے۔

اور صدر چونکہ سینہ کو کہتے ہیں جو کہ ظرف ہے انسانی دل کے لئے اس لئے روح کے ظرف کو یعنی قلب کے ظرف کو بھی صدر کہا گیا ہے لہذا اس صدر سے مراد سینہ نہیں ہوگا بلکہ معنوی ظرف قلب مراد ہے اور روح انسانی ظرف ہے

Presented by Ziaraat.Com

قلب کے لئے لہٰذا صدر سے مراد روح ہوگی۔

عرفان کی رُو سے قلب

انسان کے سات بطن ہیں: (۱) مقام نفس، (۲) مقام عقل، (۳) مقام قلب، (۴) مقام سِرّ، (۵) مقام خفی، (۶) مقام اخفیٰ، (۷) تجلی ذاتی۔

تیسرا بطن مقام قلب ہے اس موطن میں سالک حضور حق کے ساتھ تسکین پاتا ہے اور مشاہدات قلبی کا ذریعہ بھی قلب ہی بنتا ہے۔ مولا امیر المومنین علیہ السلام نے بھی ذعلب یمانی کے جواب میں فرمایا کہ ﴿**لا تدركه العيون بمشاهدة الابصار ولكن رأته القلوب بحقائق الايمان**﴾، خدا کو آنکھیں دیکھنے سے درک نہیں کرسکتی لیکن قلوب حقائق ایمان کے ساتھ اسے ادراک کرسکتے ہیں۔ یعنی جب انسان ایمانِ حقیقی کی منزل کو پالے اور اس کا ایمان خالص ہوجائے تو عالم اَلست کے شہود کو پاکر **قالو بلیٰ** کا مصداق بن جائے گا۔

عرفان کی نظر میں قلب معرفت شہودی جسے یقین کہتے ہیں کے حصول کا ذریعہ ہے جبکہ عقل برہان و دل کے ذریعے مبدء تک پہنچاتی ہے، حکماء و فلاسفہ عقل کو حصول یقین کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں جبکہ عرفاء قلب کو حقائق و واقعیات کے ادراک کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے قلب ہی کو چونکہ اس ادراک حقیقت کا وسیلہ قرار دیا ہے اور اسے ہی ایمان ویقین کا مرکز قرار دیا ہے نہ عقل کو لہٰذا یہی صحیح ہے شاعر بھی اسی تصور کی وجہ سے کہتا ہے۔

کب دبدبۂ جبر سے دبتے ہیں کہ جن کے ایمان ویقین دل میں کیئے رہتے ہیں تنویر۔

قلب ایک خاص قسم کے معارف والہامات کے لئے وسیلہ ہے جو کہ فوق عقل ہیں اور قلب ان حقائق تک پہنچا سکتا ہے کہ عقل وحس ان تک پہنچنے سے قاصر ہیں، عقلی ادراکات اور قلبی ادراکات میں فرق ہے: (۱) وہ جسے عقل دور سے ایک کلی مفہوم کی صورت میں ادراک کرتی ہے قلب اسے نزدیک سے مشاہدہ کرتا ہے۔ (۲) عقل کا ادراک چونکہ منحصر ہے ادراک مفہومی میں لہٰذا بہت سے حقائق کے ادراک سے عقل عاجز ہوتی ہے لیکن قلب ادراک شہودی پر قادر ہونے کی وجہ سے کائنات کے بہت سے اسرار وحقائق کے ادراک پر قادر ہوتی ہے۔ اس سے یقین منطقی ویقین قلبی میں فرق معلوم ہوجاتا ہے، پہلا استدلال واکتساب سے حاصل ہوتا ہے لیکن دوسرا وجدان سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا یقین قلبی کے لئے منازل سیر وسلوک کا طے کرنا ضروری ہے تاکہ قلب مرکز انوار واشراقات قرار پاسکے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے عنوان بصری سے فرمایا: ﴿**اذا اردت العلم فاطلب فی نفسك حقيقة العبودية**﴾ اگر علم ومعرفت کے طالب ہو تو پہلے اپنے اندر حقیقت عبودیت پیدا کرو۔

سوال:۔ قلب کے معنی بیان کرنے کے بعد اسی طرح تفصیل سے نفس کے معنی بھی بیان کریں؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب:۔ ڈاکٹر محمد کاظم شاکر دانشگاہ قم میں علوم قرآن وحدیث کے استاد ہیں انہوں نے ایک مقالہ میں اس کی تفصیلی بحث کی ہے ہم انہی کے مقالہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس بارے کچھ توضیحات ذکر کرتے ہیں۔

یہ کلمہ قرآن میں سات موارد میں استعمال ہوا ہے: (۱) ذات خداوند، (۲) انسان فردی تشخص کے ساتھ، (۳) انسان اجتماعی تشخص کے ساتھ، (۴) انسان کی طبع اوّلی، (۵) عقل، (۶) قلب، (۷) انسان کا برزخی وجود۔

نفس انسان شناسی میں بہت دخل رکھتا ہے۔ فلسفہ میں نفس وہ جوہر ہے جو ذاتاً مستقل ہے لیکن فعل میں مادہ کا محتاج ہے اور بدن کے ساتھ تدبیری تعلق رکھتا ہے۔

علماءِ اخلاق نے بھی انسان میں نفس امّارہ، نفس لوّامہ، نفس ملھمہ، نفس مطمئنہ و راضیہ و مرضیہ جیسے مراتب کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

نفس کے لغت میں معنی کے بارے دو قول ہیں:

(۱) ﴿اصل واحد یدلّ علی خروج النسیم کیف کان من ریح او غیرھا والیہ یرجع فروعہ﴾ یعنی اس کلمہ کا ایک اصلی معنی ہے اور وہ ہے نسیم کا نکلنا چاہے ہوا ہو یا اس کا غیر۔ اور اسکے تمام مشتقات کے معانی اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ انسان کی روح کو اس لئے نفس کہتے ہیں کہ انسان کی پائیداری نفس سے ہے اور خون کو بھی اس لئے نفس کہتے ہیں کہ جب خون کسی انسان یا حیوان سے بہہ جائے تو اس کی جان نکل جاتی ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ نفس ایسا کلمہ ہے جو ابتداء میں خود کوئی معنی نہیں رکھتا تھا بلکہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اضافہ کے ذریعے معنی دیتا تھا جو کہ تاکید کے معنی تھے جیسے نفس الشیَ یعنی خود شیَ۔ سیبویہ نے کہا: جب عرب کہیں: نزلت نفس الجبل تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں خود پہاڑ پر اترا۔

علامہ طباطبائی نے اس دوسرے نظریئے کی تائید فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے استعمال کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کلمہ کا معنی نہیں ہوتا مگر وہی جس کلمہ کی طرف یہ مضاف ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ سے اسے جدا کرلیں تو اس کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔ بعد میں انسان میں اس لفظ کے استعمال نے تنوع پیدا کرلیا لہٰذا بغیر مضاف الیہ کے بھی انسان یعنی روح و بدن سے مرکب پر استعمال ہونے لگا جیسے ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (اعراف/۱۸۹) یعنی ایک شخص انسان سے اس نے تمہیں خلق کیا۔ اور ﴿كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ (نحل/۱۱۱) میں دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی انسان اپنے آپ سے دفاع کرے گا۔ بعد میں یہ کلمہ روح کے معنی میں استعمال ہوا کیونکہ وہ جس سے انسان کی شخصیت کو قوام حاصل ہے جیسے حیات، علم اور قدرت ان کا منبع و سرچشمہ روح ہے۔ (تفسیر المیزان، ج ۱۴، ذیل آیت ۳۵ سورہ انبیاء، وج ۶، ص ۱۹۱) نفس جس کے معنی روح کے ہیں اس کی جمع انفس ونفوس آتی

Presented by Ziaraat.Com

ہے یہ ذات الشئ اور حقیقت شئ کے معنی میں ہے اور نفس کسی شئ میں وسعت کے معنی میں ہے نہ کہ خروج نسیم کے معنی میں ہو جیسا کہ کہا گیا ہے: ﴿انت فی نفس من امرك ای فی فسحة وسعة یا دارك انفس من داری ای اوسع﴾ (لسان العرب، مادہ نفس)

قرآن میں نفس کے معنی

طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں کہا: نفس کلام عرب میں تین معنی میں آیا ہے: (۱) روح کے معنی میں، (۲) تاکید کے معنی میں، (۳) اور ذات کے معنی میں کہ یہ اس لفظ کے اصلی معنی ہیں۔ (مجمع البیان، ج ۱، ص ۱۳۳)۔

وہ لکھتے ہیں: لفظ نفس کے اصلی معنی ذات کے ہیں یعنی وہ حقیقت جو اس کے ساتھ خاص ہے کہ اگر وہ باقی رہے تو وہ چیز باقی رہتی ہے۔

قرآن میں لفظ نفس ۱۴۰ بار، کلمہ نفوس ۲ بار اور کلمہ انفس ۱۵۳ بار استعمال ہوا ہے اور ان سب موارد میں ذات الشئ اور حقیقت شئ کے معنی میں آیا ہے اگر چہ اس کے مصادیق مختلف ہیں:

(۱) خداوند:۔ ﴿کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ جیسی آیات میں اس کا مصداق خداوند ہے ﴿یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ (آل عمران/۲۸)

(۲) انسان فردی تشخص کے ساتھ:۔ جیسے ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ﴾ کہ یہاں مراد ایک فرداز انسان ہے اسی طرح ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۳) انسان جمعی تشخص کے ساتھ:۔ یعنی ایسے اوصاف پر بولا جائے جو مختلف افراد یا کسی قوم میں مشترک ہوں جیسے ﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ﴾ (توبہ/۱۲۸)، ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا﴾ (روم/۲۱) یعنی نفس کے معنی خود فردی نہیں ہے بلکہ خود جمعی ہے یعنی خود نوعی یعنی تمہاری قوم سے یہ رسول ہے۔

بعض آیات میں انفسکم ایک دوسرے کے معنی میں آیا ہے جیسے ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ﴾ (نور/۶۱) یہاں اپنے آپ پر مراد نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے پر سلام کا حکم ہے اسی طرح ﴿وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ﴾، ﴿لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَکُمْ﴾ اور ﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَکُمْ﴾ میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔

(۴) طبیعت اولیہ:۔ بعض آیات میں نفس انسان کی اولی طبیعت پر بولا گیا ہے جسے ہم خواہشات نفسانی کہتے ہیں جیسے ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی﴾ (النازعات/۴۰)، شح نفس، وسوسہ نفس، امر بالسوء وغیرہ اسی معنی میں ہے۔

ان آیات میں نفس سے مراد انسانی قویٰ میں سے ایک قوت نہیں ہے کیونکہ انسان ایک حقیقت رکھتا ہے کہ جسے

Presented by Ziaraat.Com

نفس کہتے ہیں یہ نفس ایسی قابلیت رکھتا ہے اس پر مختلف حالات طاری ہو سکتے ہیں کبھی لذت وھوئی وہوس کے پیچھے ہے تو اسے نفس امارہ کہا جاتا ہے، جب یہ آگ بجھتی ہے تو نفس ایک دوسری حالت کو اپنے اوپر طاری پاتا ہے اب اسے نفس لوامہ کہتے ہیں، ایک اور حالت جب وہ خدا کی طرف متوجہ ہو کر یادِ خدا میں سکون پاتا ہے تو اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ ہاں نفس کی طبع اوّلی امارہ بالسوء ہے، تربیت الٰہی کے ذریعے اسے لگام دی جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن نے کہا: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ یعنی خود نفس کی طبع یہ ہے کہ یہ امارہ ہے بالسوء۔ جبکہ مطمئنہ ہونا اس کی طبع اولی نہیں ہے بلکہ یہ کسب کرے گا تو مطمئنہ کہلائے گا۔

نفس روایات کی نظر میں

بعض روایات میں نفس عقل کے مقابل استعمال ہوا ہے حالانکہ خود عقل نفس کے شؤون میں سے ہے۔ نہج البلاغہ میں فرمایا: ﴿قد احینی عقله و امات نفسه﴾ (خطبہ نمبر ۲۲۰)

اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث میں نفس سے مراد خواہشات نفسانی ہیں جو کہ طبعی طور پر نفس پر حاکم ہیں لہٰذا اصل عبارت ہے ﴿قد امات هوی نفسه﴾ جیسا کہ نہج البلاغہ میں دوسری جگہ فرمایا: ﴿فانّ هذه النفس ابعد شئ منزعًا و انها لا تزال تنزع الی معصیة فی هوی﴾۔ (۲۶، خطبہ ۱۷۶) یعنی خدا رحم کرے اس پر جو اپنی شہوت کو مغلوب کرلے اور ہوائے نفس کو سرکوب کرلے اور نفس کو بہت مشکل ہے شہوت سے موڑنا۔ چونکہ یہ ہمیشہ نافرمانی پر مائل رہتا ہے۔

معلوم ہوا جن روایات میں نفس کی مذمت ہوئی ہے یہ انہی حالات کے لحاظ سے ہے کہ قرآن نے جنہیں بالسوء کہا ہے یعنی برے حالات۔

(۵) نفس عقل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾۔

(۶) نفس قلب کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے ﴿تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ﴾ (مائدہ/۱۱۶) ترجمہ: خدایا! جو کچھ میرے دل میں ہے تو جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے اندر ہے میں نہیں جانتا۔

(۷) انسان کا برزخی وجود:۔ کچھ آیات میں نفس سے مراد وہ حقیقت انسان ہے کہ جسے فرشتہ مرگ موت کے وقت آکر قبض کرتا ہے۔ زمر/۴۲ اور انعام/۹۳ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ نفس وہی روح ہے، حالانکہ قرآن نے روح کو نفس نہیں کہا۔ روح تو خداوند کی عظیم مخلوق ہے جس کی نسبت خداوند نے اپنی طرف دی ہے روحی، روحنا کی تعبیریں اس کی ترجمان ہیں۔ جسم جب رشد و کمال پیدا کرلے یعنی قرآنی اصطلاح میں تسویہ پیدا کرلے تو ایک دوسری خلقت اس میں ایجاد ہوتی ہے ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾

Presented by Ziaraat.Com

(مومنون/۱۴) اس دوسری خلقت سے مراد روح کے ذریعے انسانی حیات کی خلقت ہے یعنی جب روح بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرتی ہے تو انسانی حقیقت تشکیل پاتی ہے کہ اس کو قرآن نفس کہتا ہے یہاں انسان شہود بر نفس پیدا کرتا ہے اور یہی اسے معرفت خدا کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے کہا گیا ﴿من عرف نفسه فقد عرف ربّه﴾

(بحار، ج ۲، ۵۱، صفحہ ۹۱)

پُرخوری (زیادہ کھانا) کے نقصانات اور بھوک کے فوائد

خواہشیں شہوت بطن اعظم مُہلکات میں سے ہے، پیٹ تمام خرابیوں کا منبع اور جڑ ہے، شہوت فرج بھی اسی کے تابع ہے، جب یہ دو خواہش شدت پیدا کرتی ہیں ایک شکم کی شہوت، دوسرا جنسی شہوت تو پھر مال و جاہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور خرابیاں شروع ہو جاتی ہیں مثل ریاء، تکاثر، تفاخر، حسد، عداوت، بغضاء، اور پھر منکر و فحشاء۔

حضرت امیرؑ فرماتے ہیں: ﴿کان لی اخٌ فی الله فیما مضی و کان خارجا من سلطان بطنه و فرجه﴾ قدیم میں میرا ایک دوست و بھائی (دینی بھائی) تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ پیٹ اور شرم گاہ کی سلطنت و تسلط سے آزاد تھا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿یستدل علی الایمان بکثرة التقیٰ و ملك الشهوة و غلبة الهویٰ﴾ کسی کے ایمان کا پتہ اس کے کثرت تقویٰ اور شہوت و خواہشات کے اوپر تسلط سے چلتا ہے۔ (غرر الحکم)

بھوک کی شریعت میں بڑی تعریف ہوئی ہے اور پیٹ بھر کے کھانے کے بڑے اثرات بد ذکر ہوئے ہیں۔ امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿اقرب ما یکون العبد الی الله اِحبّ اذا جفّ بطنه و ابغض ما یکون العبد الی الله اذا امتلاء بطنه﴾ (اصول کافی) خداوند کو وہ بندہ زیادہ پسند ہے جس کا پیٹ خالی ہو اور پیٹ بھرا زیادہ ناپسند ہے۔

حضرت داؤدؑ نے کہا: ﴿ترك لقمة مع الضرورة الیها احبّ الیّ من قیام عشرین لیلة﴾ مجھے ایک لقمہ اس کی ضرورت کے باوجود چھوڑ دینا بیس راتوں کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

کھانے کے آداب میں روایت ہے: ﴿فاذا اکل احدکم طعامًا فلیجعل ثلث بطنه للطعام و ثلث بطنه للشراب و ثلث بطنه للنفس﴾، کھاتے وقت پیٹ کے تین حصے رکھیں: ایک کھانے کے لئے، ایک پانی کے لئے اور ایک سانس کے لئے۔ (اصول کافی)

پیٹ بھرنے کی جو مذمت ہے یہ سب مال حلال سے کھانے کے بارے ہے ورنہ مال حرام سے پیٹ بھرا ہو تو یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے، حرام سے پیٹ بھرا ہو اور اس سے نطفہ منعقد ہو تو پاکیزہ نسل کا تصور ہی نہیں ہے، باپ اور ماں نسل کے محافظ ہوتے ہیں وہ صرف اس کے نسب کے محافظ نہیں ہیں بلکہ اس کی پاکیزگی اور شرافت کے ذمہ دار بھی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ایک لقمہ حرام کھائے اس کی چالیس دن تک دعا قبول نہیں ہوتی، حرام کھانے والے میدان محشر میں سؤر کی صورت میں محشور ہوں گے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک لقمہ حرام ترک کرنا ۲ ہزار رکعت نماز سے افضل ہے۔ کم کھائیں دیر تک جوان رہیں۔ اسی میں صحت بدن و دفع امراض ہے۔

علامہ مجلسیؒ کی روایات آداب کھانے کے بارے (از حلیۃ المتقین)

سونا و چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا جائز نہیں ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: سونے چاندی کے برتن ان لوگوں کی متاع ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

اچھے کھانے کھانا اور دوسروں کو کھلانا حرام نہیں ہے اور نہ ہی ناپسندیدہ ہے بلکہ اچھا کھلانے والے کو خداوند پسند فرماتا ہے۔ حدیث معتبر میں وارد ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام بہترین روٹی اور فرنی لوگوں کو کھلاتے تھے۔ البتہ پیٹ بھر کر کھانے کی مذمت ہوئی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تین چیز والوں کو خداوند ناپسند فرماتا ہے: (۱) پوری رات سوئے رہنا، (۲) بغیر تعجب کے ہنسنا، (۳) پیٹ بھرا ہوا اور پھر کھانا۔

حدیث نبویؐ میں ہے کہ بھرے ہوئے پیٹ سے زیادہ خدا کو کوئی شئ ناپسند نہیں ہے۔

کھانے کے آداب و اوقات

سنت ہے چاشت کے وقت ناشتہ کھائے اور پھر دن میں کچھ نہ کھائے، پھر عشاء کے وقت کھانا کھائے۔ (۱) لقمے چھوٹے ہوں، اور (۲) خوب چبا کر کھایا جائے، (۳) کھانا کھاتے وقت دوسروں کی طرف نظر نہ کریں، (۴) زیادہ گرم کھانا نہ کھائیں بلکہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کریں تب کھائیں، (۵) چھری کھانے میں استعمال نہ کریں، (۶) ہڈی کو گوشت سے بالکل صاف نہ کر دیں، (۷) کم سے کم تین انگشت استعمال کریں۔ (۸) دوسروں کے سامنے سے نہ کھائیں، (۹) برتن (سالن والا) اور انگلیاں چاٹیں۔

جنابت کی حالت میں کھانا مکروہ ہے، وضوء کر لیں یا ہاتھ دھو کر کلی کریں اور ناک میں پانی ڈال لیں اس سے کراہت کمتر ہو جاتی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ گرم طعام میں برکت نہیں ہے۔ طعام ٹھنڈا ہو تو اس میں برکت ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: جب بھوک نہ لگے کھانا مت کھاؤ۔ جب کھانا شروع کرو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دو۔

حضرت امیر علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: میں تمہیں چار ایسی باتیں بتلاتا ہوں اگر ان پر عمل کرو گے تو تمہیں

Presented by Ziaraat.Com

طبیب کی ضرورت نہیں پڑے گی: (۱) کھانے پر اس وقت بیٹھو جب اس کی ضرورت محسوس کرو، (۲) اس وقت کھانے سے اٹھ جاؤ جب اس کی خواہش ابھی باقی ہو، (۳) خوب چبا کر کھاؤ، (۴) سونے سے پہلے پیشاب کرو۔

کھانے کے بقیہ آداب

(۱) سنت ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائیں، (۲) دوزانو بیٹھیں، (۳) لیٹ کر نہ کھائیں، (۴) چارزانو بیٹھ کر کھانا مکروہ ہے اور اگر پاؤں زانو پر رکھ کر کھائے تو یہ بہت بدتر ہے، (۵) نوکروں کے ساتھ بیٹھ کر اور زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ راہ چلتے کھانا مکروہ ہے۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں اور کپڑے سے خشک نہ کریں نمی کے ساتھ کھانا سنت ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ کھانے میں چار چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ مکمل ہو جاتا ہے: (۱) مال حلال سے ہو، (۲) اس کی طرف بڑھنے والے ہاتھ زیادہ ہوں، (۳) اس کے اول میں خدا کا نام لیا جائے، (۴) اس کے آخر میں خدا کی حمد ہو۔

امام رضاؑ کے سامنے کھانا حاضر کیا جاتا تو آپؑ ایک برتن منگوا کر اس میں اچھے کھانے ڈالتے اور فرماتے: یہ مسکینوں کو دے دو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: اس دسترخوان پر بیٹھنے والا ملعون ہے جس پر شراب ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علی! کھانے کے اول اور آخر میں کچھ نمک کھاؤ جو ایسا کرے خدا اس سے ستر قسم کی بیماریاں دور فرماتا ہے۔

حدیث میں ہے: دسترخوان پر بیٹھنے کو لمبا کرو کہ یہ وقت انسان کی عمر سے شمار نہیں ہوتا۔

دعا

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب دسترخوان لگ جائے تو بسم اللہ پڑھو، کھانا شروع کرو تو ﴿بسم اللّٰه علٰی اوّله و آخره﴾ پڑھو، جب دسترخوان اٹھائیں تو ﴿الحمدُ لِلّٰه﴾ کہیں۔ نیز آپؑ نے فرمایا: ہر لقمہ اٹھاتے وقت کہیں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ جب یہ کہیں گے تو لقمہ کے منہ تک پہنچنے سے پہلے خداوند گناہوں کو بخش دے گا۔

حدیث معتبر میں ہے کہ امام زین العابدینؑ کھانے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْكَ وَ مِنْ فَضْلِكَ وَ عَطَائِكَ فَبَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَ سَوِّغْنَاهُ وَارْزُقْنَا خلفًا اذا اکلناه و رُبَّ محتاجٍ الیه رَزَقْتَ فَاَحْسَنْتَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الشَّاكِرِیْنَ﴾۔

اور جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو یہ دعا پڑھتے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ حَمَلَنَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقَنَا مِنَ

Presented by Ziaraat.Com

الطَّیِّبَاتِ وَ فَضَّلنَا عَلٰی کَثِیرٍ مِنْ خَلقِهٖ مِمَّنْ خَلَقَ تَفضِیلاً﴾۔

روٹی کی فضیلت

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: روٹی کا احترام کرو کہ اس کی تیاری میں زمین و عرش کے درمیان کے فرشتوں نے اور اہل زمین نے محنت کی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ روٹی کا احترام کرو۔ پوچھا گیا: اس کے احترام کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: جب روٹی آجائے تو کھانا شروع کر دو۔ کسی دوسری چیز کا انتظار مت کرو۔ امام رضاؑ نے فرمایا: روٹی کے لقمے چھوٹے بناؤ کہ ہر لقمے میں برکت ہے۔ حدیث میں ہے روٹی کو ہاتھ سے توڑو چھری سے مت کاٹو۔

گوشت

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: گوشت کھانے سے بدن میں گوشت اگتا ہے اور چالیس دن گوشت نہ کھانے سے انسان بدخلق ہو جاتا ہے، نیز آپ نے فرمایا: دنیا و آخرت میں بہترین کھانا گوشت ہے۔ خدا نے جنت کے لئے فرمایا: ﴿وَلَحمِ طَیرٍ مِمَّا یَشتَهُونَ﴾ کہ وہاں پرندوں کا گوشت ان کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ نیز آپؑ نے فرمایا: اگر چالیس دن تک گوشت میسر نہ ہو سکے تو توکل بر خدا کرے قرض لے کر گوشت کھائے کہ خداوند یہ قرض ادا کرے گا۔

ایک شخص نے امام رضاؑ سے عرض کیا: ہمارے گھر والے گوسفند کا گوشت نہیں کھاتے کہ یہ سوداء کو متحرک کرتا ہے جس سے سردرد اور دوسرے درد ہوتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: اگر خدا گوسفند کے گوشت سے بہتر گوشت والا جانور پاتا تو اسی کو فداء اسماعیل قرار دیتا۔ گوسفند کو قرار نہ دیتا۔

کھانے کی اشیاء

دال مسور کے بارے میں روایت ہے کہ یہ دل کو نرم کرتی ہے اور آنسوؤں کو جاری کرتی ہے۔ حدیث معتبر میں ہے سیب معدے کو جلا بخشتا ہے، حضرت امیرؑ کے پاس کھانا نہیں لاتے تھے مگر یہ کہ اس میں لہسن ہوتا تھا۔

مومن کی ضیافت

مومن کی پُرتکلف دعوت کا حکم دیا گیا ہے اور جب مومن کو کوئی کھانے کی چیز پیش کرے تو وہ ضرور کھائے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزوں میں ولیمہ و دعوت سنت ہے: (۱) شادی میں، (۲) عقیقہ میں، (۳) بچے کے ختنوں میں، (۴) نیا گھر خریدنے یا بنانے میں، (۵) سفر کی واپسی پر۔ دوسری روایت میں سفرحج بیان ہوا ہے۔

حدیث معتبر میں وارد ہے کہ جو کسی شہر میں وارد ہو وہ اپنے مومن بھائی کا مہمان ہے۔ گھر میں مہمان سے کوئی کام نہ کروائیں۔ امام جعفر صادقؑ کے ہاں کوئی مہمان تھا کسی کام کے لئے اٹھا تو حضرت نے اسے منع فرمایا۔ اور خود وہ

Presented by Ziaraat.Com

کام انجام دیا اس کے بعد فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان سے خدمت لینے سے منع فرمایا ہے۔

روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہارا مومن بھائی تمہارے پاس آئے تو یہ مت پوچھو کیا کھانا کھا چکے ہو بلکہ جو کچھ ماحضر ہے وہ لے آؤ، سخی وہ ہے جو ماحضر لے آئے، حدیث میں ہے اگر کوئی ہزار درہم کھانے پر خرچ اور اس سے مہمان کھالے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

پانی پینے کے آداب

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو بھی پانی پیئے اور امام حسین علیہ السلام اور اہل بیتؑ کی پیاس کو یاد کرے اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرے، تو خداوندا سے ایک لاکھ حسنہ دے گا اور ایک لاکھ گناہ معاف کر دیتا ہے اور ایک لاکھ درجے اسے عطا فرماتا ہے اور ایک لاکھ غلام آزاد کرنے والے کی مانند ہے وہ شخص، خداوند قیامت کے دن اسے خوشحال و مطمئن محشور فرمائے گا۔ یوں کہنا بہتر ہے: ﴿صلوات اللّٰه عَلَى الْحُسَيْنِؑ و اهل بيتهؑ و اصحابه و لعنة اللّٰه علیٰ قتلة الْحُسَيْنِؑ و اعدائه﴾۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے: ﴿الحمد لله الذی سقانا عذبًا زُلالاً ولم يَسْقِنَا ملحًا أُجاجًا ولم يؤاخذنا بذنوبنا﴾ ہر گھونٹ کے ساتھ اول میں بسم اللہ اور پی کر الحمد للہ کہنا مستحب ہے۔

پانی تین سانس میں پئیں۔ دن میں کھڑے ہو کر اور رات میں بیٹھ کر پئیں۔ دستے کی طرف سے اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے پانی نہ پئیں کہ یہ شیطان کی جگہیں ہیں۔

چار عرفانی و فلسفی سفر الاسفار الاربعة الالٰهية و العقلية

ملا صدرا شیرازی کتاب اسفار، جلد ۱، صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں: ﴿و اعلم انّ للسلّاك من العرفاء و الاولياء اسفاراً اربعةً احدها السفر من الخلق الى الحق، و ثانيها السفر بالحق فى الحق، والسفر الثالث يقابل الاوّل لانّه من الحق الى الخلق بالحقّ والرابع يقابل الثانى من وجه لانّه بالحق فى الخلق﴾۔

مرحوم مُلا ہادی سبزواری اسفار کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ﴿قال الشيخ كمال الدين الكاشىؒ السفر هو توجّه القلب الى الحق تعالىٰ، والاسفار اربعةٌ الاوّل هو السير الى اللّٰه من منازل النفس الى الوصول الى الافق المبين وهو نهاية مقام القلب و مبدء التجليات الاسمائية، الثانى هو السير فى اللّٰه بالاتصال بصفاته والتحقق باسمائه الى الافق الاعلىٰ و نهاية الحضرة والواحديّة، والثالث

Presented by Ziaraat.Com

هو الترقی الی عین الجمع والحضرة الاحدیة وهو مقام قاب قوسین ما بقیت الاثنینیّة فاذا ارتفع فهو مقام "اَوْ ادنیٰ" وهو نهایة الولایة، الرابع السیر باللّٰہ عن اللّٰہ للتکمیل وهو مقام البقاء بعد الفناء والفرق بعد الجمع﴾۔

اس کے بعد مرحوم سبزواری نے مرتبہ احدیت و واحدیت کی وضاحت کی۔ قلب و روح کے معنی بیان کئے اور عوالم سبعہ جو کہ ان کے نزدیک مقام طبع، نفس، قلب، روح، سرّ، خفی اور اخفیٰ ہیں بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

﴿المحو فناء افعال العبد فی فعل الحق، والطمس فناء صفاته فی صفته و الحق فناء وجوده فی وجوده﴾۔

مرحوم محمد رضا قمشہ ای نے مراتب فناء کی وضاحت اس طرح سے فرمائی ہے:

سفر اول:۔ جو کہ خلق سے حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ یہ رفع حجاب ظلمانی و نورانی ہے ظلمانی حجابوں کا تعلق نفس سے ہے اور نورانی حجابوں کا تعلق قلب و روح سے ہے۔ سالک کو چاہئے کہ انوار قلبیہ اور اضواء روحیہ سے گزر جائے، مقام نفس سے قلب کی طرف اور مقام قلب سے روح کی طرف اور روح سے مقصد اقصیٰ کی طرف حرکت کرے، جب سالک نے یہ تین حجابات اٹھا لئے اور یہ تین عالم یعنی نفس، قلب اور روح طے کر لئے تو جمال حق تعالیٰ کو پہنچ جاتا ہے اور اپنی ذات کو حق تعالیٰ میں فناء کر دیتا ہے اس وجہ سے اسے مقام فناء در ذات کہتے ہیں۔ یہاں تین مقام ہیں: سرّ، خفیّ اور اخفیٰ۔ یہ تینوں مقام سفر دوم میں ہیں (کبھی مقام روح کو مقام عقل کہا جاتا ہے) پس سفر اول و دوم میں مجموعاً سات مقام ہیں: (۱) مقام نفس، (۲) مقام قلب، (۳) مقام عقل، (۴) مقام روح، (۵) مقام سرّ، (۶) مقام خفی، (۷) مقام اخفیٰ۔ یہی سات مقام سات شہر عشق کہلاتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

هفت شهر عشق را عطار گشت ما هنوز اندر خم یك كوچه ایم

جب سالک مقام روح سے گزر جائے اور جمال حق اس پر متجلّی ہو جائے اور خود کو فانی در حق پائے تو اس کا سفر اول مکمل ہو چکا ہے اس کا وجود حقانی ہو چکا ہے۔ مَحو اس پر طاری ہو چکا ہے اور وہ مقام ولایت پر پہنچ جاتا ہے اب وہ موقف ذات سے جو کہ مقام سرّ ہے شروع کرتا ہے اور سفر دوم میں ایک ایک کمالات میں سیر کرتا ہے یہاں تک کہ تمام کمالات حق کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو تمام اسماء و صفات میں فانی کرتا ہے۔ **﴿فبه یسمع و به یُبصر و به یمشی و به یبطش﴾**، پس سرّ مقام فناء ذات ہے اور خفی اس کا بلند تر مقام ہے یہ مقام فناء در صفات و اسماء ہے اور اخفیٰ ان سے بلند تر مقام ہے کہ انسان ان دو قسم کے فناء سے بھی فناء ہو جائے کہ دوسرے سفر کا آخری مرتبہ ہے۔

پس سفر اول عالم ناسوت، ملکوت اور جبروت سے گزرنا ہے اور سفر دوم عالم لاہوت سے گزرنا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

السفر الثالث کہ من الحق الی الخلق بالحق ہے یہ دوسرے سفر سے بلند تر ہے کہ اس میں حالت سکر ومحو ختم ہو جاتی ہے باوجود فناء در مقام ذات وفناء در صفات حق وفناء از فناء کے سالک مقام افعال میں سلوک کرتا ہے اور محو تامّ کے ساتھ بقاء حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور تمام عوالم ناسوت، ملکوت اور جبروت کو باعیانها ولوازمها مشاہدہ کرتا ہے اور معارف ذات، صفات اور افعال کے بارے خبر دیتا ہے۔

اسفار اربعہ کے بارے حکیم علامہ مرزا حسن نوری ابن حکیم الٰہی ملا علی نوری آسان بیان رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جب تک انسان سلوک علمی ونظری میں قدم نہ رکھے وہ ہمیشہ کثرت کے مشاہدہ کا شکار رہتا ہے اور مشاہدہ وحدت سے غافل رہتا ہے اس حالت میں کثرت حاجب ہے وحدت سے۔ جب علمی سلوک شروع کرتا ہے اور آثار کے ذریعے سے مؤثر تک پہنچنا شروع کرتا ہے تو آہستہ آہستہ کثرت ختم ہونا شروع ہوتی ہے اور وحدت میں بدلتی جاتی ہے۔ یہاں تک وحدت صرفہ حقہ حقیقیہ میں بدل جاتی ہے اب وہ بالکل کثرت کو نہیں دیکھتا۔ وحدت کے علاوہ کو نہیں دیکھتا۔ اس حالت میں وحدت حاجب کثرت ہے۔ یہ منزل سفر اول کی منزل ہے جو ملا صدرا کے بیان میں فرمایا ہے جو کہ سفر از خلق بطرف حق ہے یعنی من الکثرۃ الی الوحدۃ کثرت سے وحدت کی طرف کا سفر۔ سیر وسلوک میں دوسرا سفر کہ فی الحق بالحق ہے، یہ ہے کہ جب سالک عالم وحدت تک پہنچ گیا اور کثرت سے محجوب ہو گیا تو اب سلوک علمی کے ساتھ ذات کے ذریعے، اس کے صفات، اسماء اور افعال پر استدلال کرتا ہے۔ یہ سفر فی الحق ہے چونکہ صفات، اسماء اور افعال حق میں سفر ہے، اور بالحق ہے چونکہ سالک متحقق بحقیقۃ الحق ہے، اپنی انانیت اور تمام اعیان وکثرات کی انانیت سے خارج ہے فانی ہے ذات وصفات واسماء حق میں، یہاں سالک وحدت کو در عین کثرت اور کثرت کو در عین وحدت ملاحظہ کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے سے حاجب نہیں رہتا وہ نشاتین کا جامع ہو جاتا ہے۔ یہ ناقصین کی تعلیم، اور ضعفاء العقول والنفوس کا مرشد بن جاتا ہے۔ یہ تیسرا سفر ہے کہ حق سے خلق کی طرف ہے حق کی ہمراہی میں۔ اس سے ایک مرتبہ بالاتر یہ ہے کہ از وجود حق وغیر وجود حق استدلال کرتا ہے وجود حق پر اس طرح کہ وجود غیر حق کے لئے کوئی واسطہ قائل نہ رہے یہ برہان صدّیقین کہلاتی ہے کہ سفر رابع ہے فی الخلق بالحق۔

امّا الاسفار الاربعة العقلية

اوپر جو چار سفر بیان ہوئے یہ اصطلاح عرفاء میں تھے۔ اور فلسفہ الٰہی میں چار سفر یوں ہیں: فلاسفہ وحکماء آفاق وانفس میں دیکھتے ہیں اور آیات خدا کو ان میں ظاہر پاتے ہیں۔ ان آثار قدرت کے ذریعے خدا کے وجوب وجود پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے انوار حکمت سے اس کے اسماء وصفات کے تقدس پر استدلال کرتے ہیں اور ہر وجود وکمال وجود کو اس کے وجود وکمالات میں مستهلک پاتے ہیں بلکہ تمام وجودات اور اس کے کمالات کو اسکے نور کی چمک اور اس کے

Presented by Ziaraat.Com

ظہور کے جلووں میں سے ایک جلوہ پاتے ہیں۔ یہ سفر اول ہے از اسفار اربعہ عقلیہ کہ من الخلق الی الحق کہلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ وجود کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کی حقیقت میں تامل و غور کرتے ہیں تو اسے واجب بذاتہ لذاتہ پاتے ہیں اور اس کے وجوب ذاتی سے، اس کی بساطت، وحدانیت، علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تمام اوصاف کمالیہ پر استدلال کرتے ہیں کہ یہ سب اس کی عین ذات ہیں یہ سفر ثانی ہے جسے اہل سلوک نے من الحق الی الحق بالحق کہا۔ اس کے بعد وہ اسکے وجود، اس کی عنایت اور احدیت پر نظر کرتے ہیں تو اس کے فعل کی وحدانیت اور اس سے کثرت کے ظہور کی کیفیت ان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ سفر سوم من الحق الی الخلق بالحق ہے، اس کے بعد وہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت پر نظر کرتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف راجع ہیں نفع و نقصان عالم کو جان لیتے ہیں، دنیا و آخرت کی سعادت و شقاوت کو جان لیتے ہیں، فاسد سے روکتے ہیں اور منافع کا امر کرتے ہیں اور امر آخرت میں نظر کرتے ہیں اور اس کے امور جیسے جنت، جہنم، ثواب، عقاب کو جان جاتے ہیں۔ یہ سفر رابع ہے من الخلق الی الخلق بالحق۔

فلسفۂ الٰہی میں امور عامہ، جواہر اور اعراض کی بحثیں سفر اول کی کفیل ہیں اور اثبات واجب وصفات واجب یہ سفر ثانی کی کفیل ہیں، اور اثبات جواہر قدسیہ ونفوس مجردہ سفر ثالث کی کفیل ہیں اور نفس کی بحثیں اور معاد کی بحثیں سفر رابع کی کفیل ہیں۔

اخذ میثاق اور عالم ذر

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾

ربوبیت پر یہ میثاق کہاں ہوا، اس بارے میں اختلاف ہے: (۱) بعض نے کہا: یہ عالم ذر میں ہوا یعنی انسانوں کی ارواح اس دنیا میں ابدان سے تعلق سے پہلے ایک عالم میں زندہ کی گئی جب خداوند نے پشت آدم سے قیامت تک آنے والے انسانوں کو ذرات کی صورت میں نکالا اور ان کی ارواح ان ذرات سے متعلق کیں وہ زندہ ہوئے تو ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔

محققین نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا، یہ نظریہ ظاہر آیت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ چونکہ آیت نے یہ نہیں کہا خود آدم کی پشت سے ذرات کی صورت لوگوں کو نکالا بلکہ بنی آدم کی پشتوں سے ذریت لینے کی بات کی ہے، اس کے علاوہ یہ نظریہ عقلی ادلہ کے بھی منافی ہے کیونکہ تناسخ کو مستلزم ہے اور تناسخ عقلاً محال ہے، کیونکہ اس نظریئے میں یہ کہا گیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ اس عالم میں ابدان سے تعلق سے پہلے یہی ارواح اُس عالم ذر میں مادی ذرات کے متعلق ہوئی وہ زندہ ہوئے اقرار کے بعد وہ ذرات چھوڑ دیئے اور ارواح اب دوبارہ ان ابدان کے متعلق ہوں گی، یہی تو تناسخ ہے۔

(۲) بعض نے کہا یہ تمثیل ہے حقیقت نہیں ہے، یعنی ایسا کوئی واقعہ ہوا نہیں ہے کہ جہاں ذرات کی صورت موجودات ہوں خداوند نے ان سے یثاق لیا ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ گویا خداوند نے ان سے یثاق لیا ہے، خداوند کی ربوبیت اور انسان کی عُبودیت اتنا واضح مسئلہ ہے کہ گویا تمام انسان اس کا اقرار کر چکے ہیں جیسا کہ سورہ فصلت میں آیا ہے:

﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ (آیت:۱۱)

یہ زمین و آسمان سے خدا کی گفتگو ہے خدا نے ان سے کہا ہماری اطاعت کرو،

انہوں نے کہا ہم مطیع ہیں۔ حالانکہ ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، لفظی امر و نہی نہیں تھی بلکہ تمثیلی تھی، ہمارے مورد بحث آیت میں بھی اسی طرح ہے۔ مرحوم آیت اللہ شرف الدین عاملی نے یثاق کے بارے ایک مقالے میں یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔

(۳) یہ تمثیل نہیں ہے بلکہ واقعیت خارجی کا بیان ہے یعنی خداوند نے عقل، وحی اور زبان انبیاءؑ کے ذریعے انسانوں سے یثاق لیا ہے، لہٰذا اس وحی و رسالت کے مقام میں اخذ یثاق ہوا ہے، خداوند نے درک عقلی دیا اس کے ساتھ حجت ظاہری وحی کے ساتھ بھیجی، اب ان سے یثاق لیا کہ معارف دین کو قبول کریں جیسا کہ سورہ یٰسین میں ہے: ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ یہی بات قیامت کے دن خداوند کہے گا کہ میں نے دو حجت تمام کیں ظاہری اور باطنی، ان کے ساتھ اپنی ربوبیت و عبودیت بیان کی لہٰذا اب یہ نہیں کہہ سکتے ہم تو اس حقیقت سے غافل تھے۔

(۴) علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں فرمایا کہ اس آیت میں ان میں سے کوئی مطلب بھی مراد نہیں ہے بلکہ مراد انسانوں کا ملکوتی پہلو ہے یعنی یہ شہود و اشہاد اور اخذ یثاق کا مقام انسانوں کا ملکوت ہے، ﴿وَ اِذْ اَخَذَ﴾ یعنی آپ یاد کریں اس مقام کو جب خدا نے بنی آدم سے یثاق لیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظاہری مقام سے پہلے ایک مرحلہ ایسا آیا تھا کہ جہاں انسانوں نے یہ یثاق دیا تھا کہ خدا رب ہے اور باقی سب عبد یعنی انسان دو وجودی مقامات رکھتا ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں ایک ملک ہے اور دوسرا ملکوت ہے، مقام ملکوت اس مقام ملک پر مقدم ہے، یہ تقدم زمانی نہیں ہے چونکہ مقام ملکوت زمان سے خارج ہے، انسان نے اپنے مرتبہ ملکوت میں خداوند کو رب کے طور پر اور اپنے آپ کو عبد کے طور پر مشاہدہ کیا، چونکہ نشأہ ملکوت حجاب سے پاک ہے لہٰذا وہاں حقائق آشکار ہوتے ہیں۔

لیکن یہ نظریہ امکان کی حد تک صحیح ہے، اس کا اثبات مشکل ہے اس لئے کہ خداوند نے یہ یثاق لیا تا کہ یہ اس کی

Presented by Ziaraat.Com

طرف سے حجت بالغہ ہو اور مقام ملکوت کا لیا ہوا میثاق مقام ملک کے لئے حجت بالغہ نہیں بن سکتا۔

لہٰذا یہ تیسرا نظریہ اس حوالے سے قابل قبول نہیں ہو سکتا ہے اگرچہ اس میں ایسا کوئی اشکال پیش نہیں آتا جو باقی نظریات پر ہیں لیکن یہ مراد از آیت ہو کچھ کہنا مشکل ہے۔

لیکن یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے، آیت اللہ جعفر سبحانی نے تفسیر موضوعی میں مفصل گفتگو کی ہے اس بارے اور تمام نظریات ذکر کئے ہیں آخر میں کہا اس بارے کچھ فیصلہ کرنا مشکل ہے، آپ تحقیق کریں ممکن ہے کچھ اور پہلو سامنے آجائیں۔

علامہ امینی نے جو کہ روایات آل محمد علیہم السلام کے بارے مہارت نامہ رکھتے تھے، آیت میثاق کے بارے ۱۵۰ صفحے کا رسالہ لکھا جس میں انہوں نے ۱۹ آیات اور ۱۳۰ احادیث کے ذریعے عالم ذرّ کو ثابت کیا ہے اور ۴۰ احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، ہم یہاں عالم ذرّ کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ ذرّ لغت میں بہت چھوٹی چیونٹی یا ہوا میں پراگندہ ذرات کو کہتے ہیں، انسان کے بدن کی اصلی مٹی کا ایک ذرہ ہے اس کی مناسبت سے اسے عالم ذرّ کہا ہے۔ امام صادق علیہ السلام خلقت انسان کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿اخذ طینا من ادیم الارض فعرکه عركاً شديداً فاذاهم كالذر يدبّون﴾ (اصول کافی، ج ۲، صفحہ ۶) یعنی خداوند نے انسانوں کو اس دنیا میں وارد کرنے سے پہلے ایک بہت چھوٹے ذرے کی مانند بدن میں متجلی کیا اور پوری حقیقت انسانی اس میں متجلی ہوگئی، روایات میں اس بدن ذرّہ کو طینت کہا گیا ہے، امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا مردے کا بدن بوسیدہ ہو کر ختم ہو جاتا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ہاں نہ گوشت باقی رہتا ہے نہ ہڈی سوائے اس کی طینت کے یہ ختم نہیں ہوتی۔ (اصول کافی، ج ۳، صفحہ ۲۶۱)

عالم ذر کے بارے تقریباً ۲۰۰ روایات موجود ہیں (معرفت فطری خدا از رضا برنجکار)

قرآن نے سورہ مومنون میں کہا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ﴾ ہم نے انسان کو عصارہ گل سے خلق کیا پھر اسے محکم و محفوظ جگہ پر قرار دیا۔ سلالہ کسی شئ کے نچوڑ کو کہتے ہیں اور ہر چیز کا اصلی جوہر جو کہیں سے نکالا جائے۔ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ یعنی خالص مٹی تھی اور انسان ان ذرہ بدنوں میں خلق ہوئے (بازنگری تاریخ انبیاء باقر بہبودی، مجلہ پژوھشہای قرآنی، شمارہ ۱۱ تا ۱۲)۔ آیت قرآن کا ظہور یہ ہے کہ یہ خلقت سب انسانوں کیلئے ہے نہ کہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کیونکہ فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ﴾ صرف حضرت آدم علیہ السلام مراد ہوتے تو ان پر یہ جملہ تو صادق نہیں آتا، ہاں سورہ سجدہ میں جو خلقت انسان کی بات ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے ہے: ﴿وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ﴾ (۷ و ۸) یہاں نسل آدم کی بات کی ہے لیکن نسل کو ماء مھین سے چلانے کی بات کی ہے، وہاں طین سے خلقت کی

Presented by Ziaraat.Com

بات تھی وہ آدم سمیت تمام انسانوں کی خصوصیت تھی، یہ ماء مھین سے خلقت حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ باقی نسل کے لئے ہے۔

توحید صدوق میں روایت ہے: ﴿عن زراره قلت لابی جعفر اصلحك الله قول الله عزوجل فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا؟ قال فطرهم علی التوحید عند المیثاق علی معرفته انه ربّهم، قلت و خاطبوه، قال فطأطأ راسه ثمّ قال لولا ذلك لم یعلموا من ربّهم ولا من رازقهم﴾۔

آیت فطرت کے بارے سوال ہوا تو آپ نے اسے عالم ذر والے میثاق کے ساتھ بیان فرمایا، زرارہ نے پھر سوال کیا: کیا لوگوں نے خداوند سے گفتگو کی تھی۔ تو آپ نے فرمایا: اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو لوگوں کو اس عالم میں پتہ ہی نہ ہوتا کہ ان کا رب و رازق کون ہے۔

اور دوسری حدیث میں آیت میثاق (اعراف:۱۷۲) کو اسی عالم ذر پر تطبیق فرمایا گیا ہے (ملاحظہ کریں باب ۵۳ حدیث ۸ و ۹) ﴿قال اخرج من ظهر آدم ذرّیته الی یوم القیامة فخرجوا كالذّر و اراهم صنعه و لولا ذلك لم یعرف احد ربّه﴾ ترجمہ: فرمایا: خداوند نے پشت آدم سے ان کی قیامت تک کی ذریت نکالی اور وہ ذروں کی صورت میں نکلے اور انہیں اپنی قدرت دکھلائی، اگر یہ نہ ہوتا تو کوئی بھی اپنے رب کو نہ پہچان پاتا۔

بناء برین آیت ۱۷۲ سے قطع نظر روایات کی رو سے عالم ذرّ کا انکار کرنا بہت ہی مشکل ہے۔

سوال:۔ ابدال کون لوگ ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے؟

جواب:۔ وجود ابدال زمین میں مسلمات میں سے ہے اور شیعہ و سنی روایات میں ان کا ذکر موجود ہے، ان کے بارے مختلف احتمالات ذکر ہوئے ہیں: (۱) ایک احتمال یہ ہے کہ یہ انبیاءؑ کے جانشین ہوں، خالد بن ہیثم فارسی امام رضا علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ زمین پر کچھ ہستیاں ابدال کے نام سے موجود ہیں یہ کون لوگ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: درست کہتے ہیں ابدال سے مراد وہ اوصیاء و جانشین ہیں جنہیں خداوند ہر پیغمبر کی وفات کے بعد اس کا بدل و جانشین قرار دیتا ہے یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا خاتمہ کر دیا۔ (سفینۃ البحار، جلد۱، صفحہ ۶۴)

(۲) بعض نے احتمال دیا ہے کہ ائمہ مراد ہوں جیسا کہ سفینۃ البحار میں اشارہ فرمایا ہے۔

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ائمہؑ کے خاص اصحاب مراد ہوں (سفینۃ البحار)

(۴) ہوسکتا ہے صالحین افراد مراد ہوں کہ زمین جن سے خالی نہیں رہتی، علامہ طریحی لکھتے ہیں: ﴿الابدال قوم من الصالحین لا تخلوا لدنیا منهم اذا مات و احد بدّل الله مكانه آخر﴾ ''ابدال صالحین کی ایک جماعت ہے کہ زمین جن کے وجود سے خالی نہیں رہتی، ان میں سے جب ایک دنیا سے چلا جاتا ہے تو خداوند دوسرے کو

Presented by Ziaraat.Com

اس کی جگہ قرار دے دیتا ہے۔" (مجمع البحرین)

(۵) احتمال ہے کہ یہ امام زمان علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے افراد کی جماعت ہو، جیسا کہ علامہ مجلسی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ: ﴿لا بدّ لصاحب الامر من عزلةٍ و لا بدّ فی عزلته من قوّة وما بثلاثین من وحشةٍ﴾ صاحب امر کے لئے غیبت ہے اور غیبت میں قوت کی ضرورت ہوگی اور تیس افراد ساتھ ہوں تو انہیں تنہائی محسوس نہیں ہوگی۔

پہلا اور دوسرا احتمال تو درست نہیں ہو سکتے چونکہ پہلے احتمال میں روایت نے کہا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا خاتمہ ہوگیا جبکہ دوسری روایت سے مسلّم ہے کہ زمین ان سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ دوسرا احتمال اس لئے درست نہیں کہ روایات میں ان کی تعداد زیادہ مذکور ہے کسی روایت میں بارہ ذکر نہیں ہوئی۔

نیمہ رجب کی دعا جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اس میں ابدال کا ذکر وارد ہے: ﴿اللّٰهم صلّ علیٰ الابدال والاوتاد و السیّاح والعبّاد والمخلصین و الزهّاد و اهل الجدّ والاجتهاد واخصص محمداً و اهل بیته بافضل صلواتك﴾۔ (مفاتیح الجنان)

یہ دعا ظہور رکھتی ہے کہ ابدال غیر از ائمہ اہل بیتؑ ہیں اور یہی صحیح ہے اور آخری احتمال بعید ہے اس لئے کہ ہماری گفتگو صرف زمان غیبت کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ تمام زمانوں کے لحاظ سے ہے۔ یہ امام زمان علیہ السلام کے ساتھی الگ افراد ہیں اور ابدال الگ افراد، ہوسکتا ہے ابدال میں سے کچھ افراد حضرت کے ساتھ کے لئے منتخب کر لئے جائیں کہ یہ ابدال کا بھی حلقہ اختصاص ہو یعنی اگر حضرت کے ساتھیوں میں سے کوئی دنیا سے چلا جائے تو ابدال میں سے ایک شخص اس کی جگہ پر قرار پائے اور ابدال میں جو کم ہوا اسے دوسرے لوگوں سے منتخب کیا جائے جیسا کہ بعض واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ابدال کی تعداد

(۱) مسند احمد بن حنبل نے روایت نقل کی ہے: عبادہ بن صامت سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿الابدال فی هذه الامة ثلاثون مثل ابراهیم الخلیل﴾ یعنی اس امت میں ابدال تیس افراد ہوں گے مثل ابراہیم خلیل، جب ان میں سے ایک وفات پا جائے تو خداوند اس کی جگہ دوسرے کو قرار دے دیتا ہے۔"

(مسند احمد، ج ۵، ص ۳۲۲)

(۲) معجم کبیر طبرانی میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿لا یزال اربعون رجلاً من امّتی قلوبهم علیٰ قلب ابراهیم یدفع بهم عن اهل الارض یقال لهم الابدال﴾ کہ ابدال اس

Presented by Ziaraat.Com

امت میں سے چالیس افراد ہیں۔ جن کے دل ابراہیم خلیلؑ کے دل کی مانند ہیں، خداوندان کے ذریعے میری امت سے مصائب و بلاء کو دور کرتا ہے یہ ابدال کہلاتے ہیں۔

(۳) سفینۃ البحار میں وارد ہے کہ عسقلان کے ایک شخص نے جناب الیاس سے ملاقات کی تو ابدال کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: ساٹھ افراد ہیں۔

(۴) طریحی نے مجمع البحرین میں ستر (۷۰) افراد کی تعداد ذکر کی ہے۔

(۵) فردوس الاخبار میں اسی (۸۰) کی تعداد ذکر ہوئی ہے۔

ابدال کا فائدہ

ویسے تو روایات میں ان کی متعدد خصوصیات ذکر کی گئی ہیں جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا روایات میں ملاحظہ فرمایا لیکن ان کا جو فائدہ ذکر ہوا ہے وہ ہے: ﴿**یدفع اللّٰہ بھم عن اھل الارض**﴾ کہ خداوندان کے ذریعے اہل زمین سے بلاء و مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔

یہ کہاں رہتے ہیں کس شہر سے ان کا تعلق ہے یہ معلومات نہیں ہیں۔ عملیات والے رجال غیب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں رجال غیب کا ذکر کیا ہے ہوسکتا ہے وہ بھی ابدال ہی ہوں۔

سوال:۔ اخباری کون ہیں اور یہ مسلک کیا ہے؟

جواب:۔ **اخباریت کی تاریخ**: روایات پر عمل کو اخباریت نہیں کہتے بلکہ اجتہاد و فقاہت کے خلاف باقاعدہ ایک مکتب کے عنوان سے اخباریت کا رواج محدث محمد امین استرآبادی کے دور سے پہلے قطعاً موجود نہیں تھا۔

صاحب حدائق کی بعض باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخباری مسلک کو شیخ صدوق کی طرف نسبت دیتے ہیں اور انہیں "رئیس اخباریین" کہتے ہیں، اور امین استرآبادی بھی اس طرح کی بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: میں نے وہی طریقہ اپنایا جو متقدمین اخباریین کا تھا، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، قدماء ظواہر کتاب وسنت پر عمل کرتے تھے اور اجتہاد وتقلید کو حرام نہیں سمجھتے تھے جبکہ اخباری ظواہر قرآن وسنت کی نفی کرتے ہیں یعنی انہیں حجت نہیں سمجھتے، عقل واجماع کو بھی حجت نہیں سمجھتے اور اجتہاد وتقلید کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔

سید نعمت اللہ جزائری خود ایک اخباری تھے، وہ بیان کرتے ہیں: ﴿**قال الاخباریون عطر اللّٰہ مرقدھم ذھب قدماء اصحابنا الاخباریین مثل المحمدین الثلاث (شیخ صدوق، شیخ کلینی و شیخ طوسی) الی حرمۃ الاجتھاد و التقلید بل الواجب ھو التمسک بالروایات.......... اقول امّا تحریم اصحابنا القدماء الاجتھاد و التقلید فالظاھر انّ مرادھم منہ الردّ علی العامّۃ فی**

Presented by Ziaraat.Com

اجتهاداتهم الماخوذة من الرأى والقياس امّا اجتهاد اصحابنا رضوان الله عليهم الماخوذ من الكتاب والسنة و اجتهادهم فى تحصيل الاحكام منها فالظاهر انه غير مذموم﴾ ۔(منبع الحیات) وہ فرماتے ہیں: اخباریوں نے کہا ہمارے قدماء اخباری جیسے تینوں محمد یعنی شیخ صدوق، شیخ کلینی و شیخ طوسی اجتہاد وتقلید کو حرام سمجھتے تھے اور روایات کے ساتھ تمسک کو واجب کہتے تھے۔ سید نعمت اللہ جزائری اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ جو اخباریوں نے اجتہاد وتقلید کو حرام کہا ہے اس سے مراد اہل سنت کا اجتہاد ہے جو رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا ہے، لیکن ہمارے علماء جو اجتہاد قرآن وسنت سے احکام کے استنباط کے لئے کرتے ہیں یہ اخباریوں کی نظر میں حرام نہیں ہے۔

اخباری مسلک کی تاسیس

یہ مسلک محدث امین استر آبادی کے ذریعے دسویں صدی ہجری میں تاسیس ہوا۔ یہ پہلے صاحب مدارک کے شاگرد تھے، اس کے بعد مکہ معظمہ میں ۱۰۱۵ ہجری میں میرزا محمد استر آبادی کے شاگرد ہوئے اور ۱۰۲۵ تک ان سے کسب فیض کرتے رہے اور ۱۰۳۳ یا ۱۰۳۶ میں مکہ میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی کتاب الفوائد المدینہ بھی مکہ میں ہی لکھی، ان کے بعد دو سو سال تک یہ مکتب خوب پھلا پھولا، بہت سے اخباری جیسے شیخ حر عاملی، فیض کاشانی، محقق کرکی (محقق دوم) اور صاحب حدائق بھی اسی دور میں تھے۔ صاحب حدائق اور علامہ مجلسی خالص اخباری نہیں تھے بلکہ ایک درمیانی راستے کے قائل تھے۔

وجہ تاسیس

اس مسلک کی پیدائش کی اصل وجہ اہل بیتؑ کا دفاع تھا، انہوں نے سمجھا کہ طریقہ اجتہاد روایات ائمہ سے ہٹ کر ہے لہٰذا اس سے روایات ائمہؑ کی تضعیف ہوتی ہے۔

اخباری فکری واعتقادی لحاظ سے دو گروہوں پر منقسم ہیں:

(۱) وہ گروہ جو بہت افراطی ومتشدد تھے جیسے محدث امین اور حر عاملی، یہ تمام اصول ومبانی کے منکر تھے، ان کے نزدیک اجتہاد وتقلید موجودہ روش پر بدعت ہیں بلکہ ہر مکلف پر لازم ہے کہ خود روایات کی طرف مراجعہ کرکے احکام اخذ کرے۔

(۲) دوسرا گروہ اتنا متشدد نہیں ہے جیسے سید نعمۃ اللہ جزائری، صاحب حدائق اور فیض کاشانی۔ یہ اجتہاد وتقلید کو لازم سمجھتے ہیں البتہ اسے کتاب وسنت میں محدود قرار دیتے ہیں (البتہ فیض کاشانی اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے تھے)۔

دونوں گروہ عقل واجماع کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

اصولیوں اور اخباریوں میں فرق

یہ پہلے گروہ کے ساتھ فرق مراد ہے چونکہ دوسرا گروہ در حقیقت اخباری ہی نہیں ہے۔ آٹھ فرق ہیں:

(۱) اصولیوں کے نزدیک احکام کے چار منابع ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور عقل۔ جبکہ اخباریوں کے نزدیک منبع احکام صرف ایک ہے جو کہ معصومین علیہم السلام سے صادرہ روایات ہیں۔

(۲) اصولی اجتہاد کو واجب سمجھتے ہیں جبکہ اخباری اسے حرام سمجھتے ہیں۔

(۳) اصولی ظنون معتبرہ سے احکام کے لینے کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اخباری احکام کے بارے علم کو ضروری سمجھتے ہیں۔

(۴) اصولی حدیث کی چار قسموں کے قائل ہیں: صحیح، حسن، موثق، اور ضعیف، جبکہ اخباری صرف دو قسم کے قائل ہیں: صحیح اور ضعیف۔

(۵) اخباری کتب اربعہ کی روایات کو بلا استثناء حجت سمجھتے ہیں جبکہ اصولی ایسا نہیں سمجھتے۔

(۶) اصولیوں کے نزدیک صحیح روایات یعنی جس کے تمام راوی شیعہ و عادل ہوں جبکہ اخباریوں کے نزدیک صحیح روایت وہ ہے کہ جس کا امام سے صدور ثابت ہو اگرچہ اس کے تمام راوی امامی عدل نہ ہوں۔

(۷) اصولیوں کے نزدیک لوگ یا مجتہد ہیں یا مقلد جبکہ اخباریوں کے نزدیک سب لوگ معصوم کے مقلد ہیں۔

(۸) اصولی کہتے ہیں کہ زمانہ غیبت میں طلب علم کا طریقہ صرف اجتہاد میں منحصر ہے جبکہ اخباری کہتے ہیں کہ زمانہ غیبت ہو یا حضور طلب علم کا طریقہ صرف یہ ہے کہ معصوم سے لیں اور اجتہاد ممنوع ہے۔

اجتہاد تعریف و تاریخ

اجتہاد لغت میں انتہائی کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور فقیہ کو مجتہد کہتے ہیں کیونکہ فقہی اصطلاح میں اجتہاد کی تعریف یوں کی گئی ہے: ﴿**هو استفراغ الوسع فی تحصیل الاحکام الشریعة الفرعیة عن ادلتها التفصیلة**﴾ یعنی حکم شرعی کو اس کی تفصیلی ادلہ سے استنباط و استخراج کے لئے انتہائی کوشش کرنا۔

اہل سنت میں تفتازانی نے یوں تعریف کی: ﴿**هو استفراغ الوسع لتحصیل الظن بالحکم الشرعی**﴾۔ بہترین تعریف جناب ملا محمد کاظم اخوند خراسانی نے کی ہے: ﴿**هو استفراغ الوسع فی تحصیل الحجة علی الحکم الشرعی**﴾ مجتہد حکم شرعی پر حجت و دلیل تحصیل کرتا ہے نہ کہ ظن کی تحصیل کرتا ہے۔

اجتہاد کی تاریخ

اصولی قائل ہیں کہ اجتہاد ائمہ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور موجودہ اجتہاد اسی کی تکامل یافتہ شکل ہے، معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے: ﴿**انما علینا القاء الاصول و علیکم ان تفرعوا**﴾ (وسائل الشیعہ، کتاب القضاء،

Presented by Ziaraat.Com

باب ۶، از ابوابِ صفات قاضی) فرمایا: ہمارا کام اصول وکلیات کو بیان کرنا ہے اور ان اصول سے فروع کا استخراج تمہارا کام ہے۔

دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

﴿انتم افقہ الناس اذا عرفتم معانی کلامنا﴾ جو ہماری کلام کے معنی سمجھ لے وہ فقیہ ترین ہے۔ یعنی جب ہماری کلام میں مختلف احتمالات ہوں ان میں سے اظہر معنی کی تشخیص ہی فقاہت و اجتہاد ہے۔

ائمہ علیہم السلام نے خود اجتہاد کی تشویق دلائی، ابان سے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اجلس فی المسجد و أفت الناس﴾ مسجد میں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو فتویٰ دو۔

ہمارے نزدیک اجتہاد کی اجازت نصوص وروایات کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہے۔ اہل سنت کا اجتہاد اس پابندی سے آزاد ہے وہ رائے و قیاس کی بناء پر اجتہاد کے قائل ہیں اور درمقابل نص بھی اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں، مومن کا قتل قرآن وروایات کی رو سے انتہائی عظیم گناہ ہے وہ اجتہاد سے اسے نہ صرف جائز کر لیتے ہیں بلکہ قاتل کے لئے ثواب واجر کے قائل بھی ہیں۔ عمار یاسر کے قاتل ابو الغادیہ کو مجتہد مخطی کہا گیا۔ (المحلّی ابن حزم)

سب سے پہلا فقیہ جس نے اجتہاد کو باقاعدہ علمی وفنی طریقے سے فقہ میں استعمال کیا اور اسے مدوّن کیا مجتہد اعظم حسن بن علی عمانی المعروف ابن ابی عقیل ہیں، جنہوں نے اس بارے ایک کتاب لکھی "المستمسك بحبل آل الرسولؐ" نجاشی نے اس کتاب کو شیعہ کی معروف کتب میں سے شمار کیا ہے، ابن ابی عقیل نے بڑی محنت سے اجتہاد کے احکام، عناصر اور احکام مشترکہ سے بحث کی ہے، آپ نے اجتہاد کے بارے اپنی یہ کتاب غیبت صغریٰ کے دور میں لکھی اور آپ سے پہلے اس بارے کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔

ابن ابی عقیل کے بعد پہلا فقیہ جس نے مسائل فقہ کو علمی اجتہادی طریقے سے مدوین کیا محمد بن احمد کاتب اسکافی (م ۳۸۱) تھے جو کہ ابن جنید کے نام سے معروف ہیں۔ آپ نے تہذیب الشریعہ اور المختصر الاحمدی نامی دو کتابیں فقہ میں تحریر کیں۔ سب سے پہلا فقیہ جس نے عملی اجتہاد کو فقہ میں استعمال کیا یگانہ روزگار شیخ الطائفہ شیخ محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵ تا ۴۶۰) تھے، ان کے ذریعے باقاعدہ اصول سے فروع کا استنباط ہوا، آپ نے یہ کام اپنے گران قدر تصنیف المبسوط میں انجام دیا اور آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہیں کہ شیعہ میں اصول سے فروع کے استنباط کی صلاحیت نہیں ہے، اسی توہم کو دور کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی۔

Presented by Ziaraat.Com

تقلید

لغوی معنی

تقلید کے لغوی معنی گردن بند کا گردن میں ڈالنا ہے، اور ایک دوسرے استعمال میں گلے میں رسّی ڈالنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

تقلید کے اصطلاحی معنی

اصولی تقلید کے دو معنی کرتے ہیں، بعض کے نزدیک تقلید یعنی مقلد کا مجتہد کے فتاویٰ پر التزام ہے، اور بعض کے نزدیک تقلید مقلد کا مجتہد کے قول پر عمل کرنا ہے۔

سید محمد کاظم یزدی صاحب العروۃ الوثقیٰ پہلے گروہ سے ہیں ان کے نزدیک تقلید التزام ہے قول وفتویٰ مجتہد کو اگرچہ اس پر عمل نہ کیا ہو بلکہ اگرچہ فتویٰ مجتہد کو نہ جانتا ہو لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک تقلید فقیہ کے فتویٰ پر عمل کرنے کو کہتے ہیں، سید محسن حکیم فرماتے ہیں: تقلید دوسرے کے قول پر تعبداً یعنی بغیر مطالبہ دلیل کے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ (دائرۃ المعارف تشیع، جلد ۵)

علماء نے امور دینی کو دو قسم پر تقسیم کیا ہے اصول دین اور فروع دین۔ اصول دین میں خود تحقیق کرنا اور دلیل قائم کرنا ضروری ہے۔ ان میں تقلید جائز نہیں ہے لیکن فروع دین میں اگر شخص مجتہد نہ ہو تو اسے تقلید کے ذریعے عمل کی رعایت دی گئی ہے کہ یہ درحقیقت اجمالی دلیل ہے جسے خداوند اپنے لطف وکرم سے قبول فرماتا ہے یعنی حقیقت میں بغیر دلیل کے خداوند کوئی عمل قبول نہیں فرماتا۔ اور چونکہ ہر شخص کے لئے ہر فقہی حکم پر دلیل قائم کرنا ممکن نہیں ہے ورنہ کاروبار زندگی معطل ہو جائے گا لہٰذا عقلی طور پر آسان ترین راستہ ہونا چاہئے تھا جس میں مکلف سے ہر حکم پر دلیل کا مطالبہ نہ ہو، شریعت نے اسی خاطر یہ تقلید کا دروازہ کھولا ہے کہ مکلف سے نیابت میں فقیہ دلیل اقامہ کرے گا مقلد اسی کو اپنے لئے دلیل بنالے گا۔

اجتہاد وتقلید کے بارے اخباری نظریہ

مکتب اخباری کے مؤسس محدث امین استر آبادی اپنی کتاب الفوائد المدینہ میں اس بارے کہتے ہیں: لوگوں کو مجتہد اور مقلد میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے، سب لوگ مقلد ہیں سب کو ائمہ کی تقلید کرنا چاہئے بشرطیکہ عربی جانتے ہوں اور

Presented by Ziaraat.Com

ائمہ کی روایات کو سمجھ سکتے ہوں، لہٰذا خود روایات سے احکام کو حاصل کریں، اس کے بعد محدث بیان کرتے ہیں کہ اجتہاد و تقلید اہل سنت کا طریقہ تھا اور علم اصول بھی اہل سنت ہی کا اختراع شدہ علم ہے جو غفلت علماء سے شیعہ میں سرایت کر گیا۔

اجتہاد کے بارے اخباری دو قسم پر تقسیم ہیں افراطی اور معتدل۔

افراطی نظریہ والے جیسے محدث امین اور شیخ حر عاملی تھے اور معتدل جیسے محدث بحرانی تھے، افراطی اجتہاد کو حرام سمجھتے تھے اور کسی قسم کے اجتہاد کے استعمال کو ممنوع قرار دیتے تھے جبکہ معتدل قائل تھے اجتہاد کے لیکن اس کے دائرہ کار کو صرف کتاب وسنت تک محدود سمجھتے تھے اور عقل واجماع کے استعمال کو حرام سمجھتے تھے۔

محدث امین تو متقدمین کو بھی اخباری قرار دیتے تھے وہ کہتے ہیں ہمارے قدماء اخباری اصحاب جیسے شیخ صدوق، ان کے والد بابویہ اور شیخ کلینی یہ اجتہاد کو حرام سمجھتے تھے اور روایات معصومین کی طرف رجوع کو واجب قرار دیتے تھے۔

شیخ حر عاملی بھی کہتے ہیں: علامہ حلی سے سابق تمام علماء اجتہاد اور عمل بالظن کو باطل سمجھتے تھے۔ (الفوائد الطوسیہ، صفحہ ۴۴۵) جبکہ محدث بحرانی مجتہد ومقلد کی تقسیم کو قبول کرتے ہیں البتہ جو مجتہد ومقلد ان کی نظر میں ہے وہ بہت فرق رکھتا ہے اس سے جو اصولیوں کی نظر میں ہے، اسی طرح سید نعمت اللہ جزائری بھی ان اخباریوں میں سے ہیں جو اجتہاد کو قبول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں جس اجتہاد کی مذمت قدماء علماء نے کی ہے وہ عامہ کی روش کا اجتہاد ہے جو قیاس واستحسان پر مبتنی ہوتا ہے نہ کہ وہ اجتہاد جو امامیہ میں رائج ہے اور کتاب وسنت پر قائم ہوتا ہے۔ تقلید کے بارے بھی اخباری دو طرح کے ہیں۔ امین استر آبادی کہتے ہیں: ﴿**كما لا اجتهاد عند الاخباريين لا تقليد ايضًا فانحصر العمل فى غير ضروريات الدين فى الرواية عنهم عليهم السلام**﴾ کہ جیسے اخباری اجتہاد کے قائل نہیں ہیں وہ تقلید کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اور محدث بحرانی دوسرے گروہ سے ہیں جو اجتہاد کی طرح تقلید کو بھی محدود انداز میں قبول کرتے ہیں۔

اجتہاد وتقلید کے بارے اصولیوں کا نظریہ

امام معصومؑ کی غیبت سے باب علم بالاحکام بند ہوگیا اسے انسداد باب علم کہتے ہیں، یہاں شیعہ کو دوسرے راستے سے تحصیل احکام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ معصومؑ کی غیبت سے احکام پر قطعی ویقینی رسائی کا امکان نہ رہا لہٰذا اس کی جگہ ظنی استنباط کو لینا تھی اور یہی چیز ماہیت اجتہاد کو تشکیل دیتی ہے لیکن ایسا ظن جس کی حجیت پر قطعی دلیل موجود ہو ورنہ ہر ظن سے استنباط کو شیعہ اجتہاد صحیح نہیں سمجھتا اور یہی اہم فرق ہے شیعی وسنی اجتہاد میں۔ غیبت کے لئے جیسے ذہنی آمادگی کے طور پر ائمہ نے پہلے سے امام غائب کی تعریف شروع کر دی تھی اسی طرح زمانہ غیبت میں احکام پر دست رسی کے حوالے سے پہلے سے ائمہ نے رہنمائی شروع فرمادی تھی۔ امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿**انما علينا ان نلقى عليكم الاصول و عليكم التفريع**﴾ اور امام رضاؑ نے فرمایا: ﴿**علينا القاء الاصول و عليكم التفريع**﴾ کہ اصول بتلانا ہم

Presented by Ziaraat.Com

ائمہ کا کام ہے اور ان اصول سے فرعیں استنباط کرنا تمہارا کام ہے، سید مرتضیٰ نے اپنے استاد شیخ مفید کی پیروی کرتے ہوئے اجتہاد کو ذکر کیا اور عامی (مقلد) کے مجتہد کی طرف رجوع کو عقلی وجوب کے طور پر ذکر کیا۔

(الذریعہ الی اصول الشریعہ، صفحہ ۲۳۲)

علامہ حلی کے ذریعے ساتویں صدی ہجری میں اجتہاد کو برتر مقام حاصل ہوا اور صراحتاً کہا کہ عامی پر احکام شرعی میں فتوای عالم کی پیروی واجب ہے، اس کے بعد شہید ثانی نے دسویں صدی ہجری میں اجتہاد کے مقدمات و اصول بیان کئے۔ اور پھر گیارہویں صدی ہجری میں محدث امین استرآبادی نے کتب احادیث کی بنیاد رکھی اور ایک گروہ اخباری کے نام سے معروف ہوا۔ دو سو سال بعد محقق وحید بہبہانی کے ذریعے پھر کتب اجتہاد کو غلبہ حاصل ہوا، اور انہوں نے یہ اخباری فکر باطل کر دی جو عقل بسیط کے قائل تھے کہ سب آدم فہم میں برابر و مساوی ہیں، اور انہوں نے ثابت کیا کہ فہم احادیث مختلف ہے اور احکام کی تحصیل کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

حدیث طینت کا بیان

شیخ صدوق علل الشرائع میں روایت کرتے ہیں: ﴿عن ابیه عن سعد بن عبد الله عن محمد بن احمد السیّاری عن محمد بن عبد الله بن مهران الکوفی عن حنان بن سدیر عن ابیه عن ابی اسحاق اللیثی قال قلت لابی جعفر محمد بن علیّ الباقر علیهما السلام﴾ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ مجھے بتلائیں جب مومن حق کو پہچان لے اور معرفت میں کامل ہو جائے تو کیا وہ زنا کرتا ہے؟ فرمایا: قطعاً نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا وہ لواطہ کرتا ہے؟ فرمایا: قطعاً نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا وہ چوری کرتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ شراب پیتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: وہ کوئی ایک برائی کرتا ہے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: ﴿فیذنب الذنب﴾ کیا وہ گناہ کرتا ہے؟ فرمایا: ہاں وہ لَمَم کرتا ہے (چھوٹے گناہ)۔ لیکن اس پر اصرار نہیں کرتا۔ میں نے پوچھا: مُلِمّ کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: جو گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرے لیکن اس پر اصرار و تکرار نہ کرے۔ میں نے اس پر تعجب کیا۔ فرمایا: اے ابراہیم کس بات پر تعجب کر رہے ہو؟ کھل کر پوچھو، میں نے عرض کیا: مولا آپ کے شیعہ میں یہ سب برائیاں کرنے والے پائے جاتے ہیں، نماز و روزہ و زکاۃ میں سستی کرتے ہیں، قطع رحم کرتے ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں پس یہ سب کیسے اور کیوں ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اے ابراہیم بس یہی یا کچھ اور بھی تمہارے دل میں موجب اضطراب ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا بن رسول اللہؐ! اس سے بڑھ کر ایک بات ہے۔ فرمایا: پوچھو، تو میں نے عرض کیا: آپ کے مخالفین اور دشمنوں میں بڑے نمازی، روزہ دار، حج و زکوۃ والے، نیکی و صلہ رحم کرنے والے، غریبوں کی مدد کرنے والے اور شراب، زنا، لواطہ اور اس طرح کی تمام برائیوں سے بچنے والے موجود ہیں یہ سب کیسے اور کیوں ہے؟ مولاؑ یہ مسئلہ حل کر دیں مجھے تو

Presented by Ziaraat.Com

یہ پریشانی راتوں کو سونے نہیں دیتی؟

آپؑ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: اے ابراہیم! آپ کے سوال کا شافی جواب میں تمہیں دیتا ہوں یہ خداوند کا علم مکنون ہے خداوند کے خزانوں میں سے۔ آپ یہ بتلائیں ان دونوں کا عقیدہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! آپ کا شیعہ آپ کی ولایت ومحبت پر اس طرح مضبوط ہے کہ ان اعمال کے باوجود مشرق ومغرب کا سونا چاندی اسے دے دیں کہ وہ آپ کی محبت وولایت سے دست بردار ہوجائے تو وہ قطعاً ایسا نہیں کرے گا بے شک تلوار سے اسے ماریں قتل کر دیں وہ قتل ہو جائے گا لیکن آپ کی محبت سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا اور آپ کے دشمنوں کو اگر مشرق ومغرب کا سونا دے دیں کہ وہ طاغوت کی محبت چھوڑ کر آپ کی محبت اختیار کرلیں تو وہ قطعاً ایسا نہیں کر سکے گا۔ آپ کے فضائل ومناقب سن کر وہ برداشت نہیں کرسکتا اس کی طبیعت پر یہ بہت گراں گزرتا ہے۔ فرمایا: یہی ان کی ہلاکت کی وجہ ہے۔ خداوند فرماتا ہے: ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (فرقان، آیت:۲۳) اے ابراہیم جانتے ہو اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: مولاؑ آپ فرمائیں۔ فرمایا: ﴿يا ابراهيم انّ اللّٰه تبارك و تعالىٰ لم يزل عالمًا قديمًا خلق الاشياء لا من شئ ومن زعم انّ اللّٰه خلق الاشياء من شئ فقد كفر﴾ خداوند عالم قدیم نے اشیاء کو لامن شئ سے خلق کیا، ﴿فكان مما خلق اللّٰه عزوجل ارضًا طيّبة ثم فجر منها ماء عذبًا زُلالاً فعرض عليها ولايتنا اهل البيت فقبلتها و اجرى ذلك الماء عليها سبعة ايام حتى طبقها و عمها ثم نضب ذلك عنها فاخذ من صفوة ذلك الطين فجعله طين الائمة ثم اخذ ثقل ذلك الطين فخلق منها شيعتنا ولو ترك طينتكم على حالها يا ابراهيم كما ترك طينتنا لكنتم و نحن شيئا واحداً قلت يابن رسول اللّٰه فما فعل بطينتنا؟ قال اخبرك يا ابراهيم خلق اللّٰه بعد ذلك ارضًا سبخةً خبيثةً منتنةً ثمّ فجر منها ماءً اجاجا اسنا مالحًا فعرّض عليها ولايتنا اهل البيت فلم تقبلها، فاجرى عليها ذلك الماء سبعة ايام ثمّ طبقها و عمّها ثمّ نضب ذلك الماء عنها ثم اخذ من ذلك الطين فخلق منه الطغاة و ائمتهم ثمّ مزجه بثفل طينتكم ولو ترك طينتهم علىٰ حالها و لم يمزجها بطينتكم لم يشهدوا الشهادين ولا صلّوة ولا صاموا ولا زكّوا ولا حجّوا ولا ادّوا امانة ولا اشبهوكم في الصور ولا شئ اكبر على المؤمن من ان يرى صورة عدوّه مثل صورته قلت يابن رسول اللّٰه فما صنع بالطينتين؟ قال فرج بينهما بالماء الاول والماء الثانى ثمّ عركها عرك الاديم ثمّ اخذ من ذلك قبضة فقال هذه الى الجنة ولا ابالى و اخذ قبضة اخرى وقال هذه الى النار ولا ابالى ثمّ خلط بينهما فوقع من سنخ المؤمن و طينته على سنخ الكافر و طينته و وقع من سنخ

Presented by Ziaraat.Com

الکافر و طینته علیٰ سنخ المؤمن و طینته، فما رأیته من شیعتنا من زنا و لواط او ترک صلوٰة او صیام او حج او جهاد او خیانة او کبیرة من هذه الکبائر فهو من طینة الناصب و عنصره الذی مزج فیه لانّ من سنخ الناصب و عنصره و طینته اکتساب المآثم والفواحش والکبائر، وما رأیت من الناصب و مواظبته علی الصلوٰة والصیام والزکوٰة والحج والجهاد و ابواب اکتساب الحسنات و استعمال الخیر و اجتناب المآثم. فهو من طینة المومن و سنخه الذی قد مزج فیه لانّ من سنخ المومن و عنصره و طینته اکتساب الحسنات و استعمال الخیر و اجتناب المآثم فاذا عرضت هذه الاعمال کلها علی الله عزوجل قال انا اعدل لا اجور و منصف لا اظلم و حکم لا احیف ولا امیل ولا اشطط الحقوا الاعمال السیئة التی اجترحها المومن بسنخ الناصب و طینته و الحقوا الاعمال الحسنة التی اکتسبها الناصب بسنخ المؤمن و طینته ردّوها کلّها الی اصلها فانّی انا الله لا اله الاّ انا عالم السرّ و اخفی و انا المطّلع علیٰ قلوب عبادی لا احیف ولا اظلم ولا الزم احداً الاّ ما عرفته منه قبل ان اخلقه، ثمّ قال الباقر علیه السلام یا ابراهیم اقرء "وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ"(یوسف: ۷۹) هو فی الظاهر ما تفهمونه وهو والله فی الباطن هذا بعینه، یا ابراهیم انّ للقرآن ظاهراً و باطنًا و محکما و متشابهًا و ناسخًا و منسوخًا، ثمّ قال اخبرنی یا ابراهیم عن الشمس اذا طلعت و بدی شعاعها فی البلدان أهو بائن من القرص، قلت فی حال طلوعه یابن رسول الله، قالٗ الیس اذا غابت الشمس اتصل ذلک الشعاع بالقرص حتی یعود الیه، قلت نعم. قال کذلک یعود کلّ شیٔ الی سنخه و جوهره و اصله، فاذا کان یوم القیامة نزع اللّٰه تعالیٰ سنخ الناصب و طینته مع اثقاله و اوزاره من المؤمن فیلحقها کلّها بالناصب و ینزع سنخ المؤمن و طینته مع حسناته و ابواب برّه و اجتهاده من الناصب فیلحقها کلها بالمؤمن، افتری ههنا ظلمًا و عدوانا، قلت لا یابن رسول اللّٰہ، قال هذا و الله القضاء الفاصل و الحکم القاطع و العدل البیّن، "لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ"(انبیاء: ۲۳) هذا یا ابراهیم اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ، هذا عن محکم الملکوت، قلت یابن رسول اللّٰہ وما محکم الملکوت، قال حکم الله وحکم انبیائه و قصّة الخضر و موسیٰ حین استصحبه. فقال اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا، افهم یا ابراهیم و اعقل انکر موسیٰ علی الخضر و استفظع افعاله حتّی قال له الخضر یا موسیٰ ما فعلته عن امری انّما فعلته

عن امر اللّٰـه تعالٰی، هذا و یحك یا ابراهیم قرآن یُتلٰی و اخبار تؤثر عن اللّٰه عزوجل من ردّ منها حرفًا فقد کفر و اشرك و ردّ علی اللّٰه عزوجل. قال اللیثی فکانی لم اعقل الآیات و انا اقرئها اربعین سنة الاّ ذلك الیوم، فقلت یابن رسول اللّٰه ما اعجب هذا أتوخذ حسنات اعدائکم فتردّ علی شیعتکم الاّ ذلك الیوم، و توخذ سیّئات محبیکم فتردّ علی مبغضیکم، قال ای واللّٰه الذی لا الٰه الاّ هو، فالق الحبة و باری النسمة و فاطر الارض والسماء ما اخبرتك الاّ بالحق وما اتیتك الاّ بالصدق، وما ظلمهم اللّٰه وما اللّٰه بظلام للعبید، وما اخبرتك لموجود فی القرآن کله، قلت هذا بعینه یوجد فی القرآن؟ قال نعم یوجد فی اکثر من ثلاثین موضعًا فی القرآن اتحب ان اقرء ذلك علیك، قلت بلٰی یابن رسول اللّٰهؐ، فقال علیه السلام: قال عزوجل ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَایَاکُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحَامِلِیْنَ مِنْ خَطَایَاهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَکَاذِبُوْنَ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (عنکبوت:۱۳) ازیدك یا ابراهیم؟ قلت بلٰی یابن رسول اللّٰهؐ، قال: ﴿لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ کَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیَامَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَاسَآءَ مَا یَزِرُوْنَ﴾ (نحل:۲۵) أتحب ان ازیدك؟ قلت بلٰی یابن رسول اللّٰهؐ، قال: ﴿فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾(فرقان:۷۰)، یبدّل اللّٰه سیئات شیعتنا حسنات و یبدّل اللّٰه حسنات اعدائنا سیئات، و جلالِ اللّٰه و وجه اللّٰه انّ هذالمن عدله و انصافه لا رادّ لقضائه ولا معقّب لحکمه وهو السمیع العلیم الم ابین لك امر المزج والطینتین من القرآن؟ قلت بلٰی یابن رسول اللّٰهؐ، قال اقرء یا ابراهیم ﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِکُمْ ۚ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی﴾ (نجم، ۳۲) یعنی من الارض الطیبة والارض المنتنة فلا تزکّوا انفسکم هو اعلم بمن اتقٰی، یقول لا یفتخر احدکم بکثرة صلٰوته و صیامه و زکٰوته و نسکه لانّ اللّٰه عزوجل اعلم بمن اتقی منکم فانّ ذلك من قبل اللحم وهو المزاج، ازیدك یا ابراهیم قلت بلٰی یابن رسول اللّٰهؐ، قال ﴿کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیَاطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی ائمة الجور دون ائمة الحق و یحبون انهم مهتدون خذها الیك یا ابا اسحاق فو اللّٰه انه لمن غرر احادیثنا و باطن سرائرنا و مکنون خزائنا و انصرف﴾

ہم نے معصوم کی پوری کلام نقل کی چونکہ بڑی اہم عبارتیں تھیں اور حضرت نے طینت کا پورا فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اخبار طینت متواتر اخبار میں سے ہیں، کلینی نے کافی میں مختلف طرق کے ساتھ نقل کی ہیں، شیخ طوسی نے امالی میں، برقی نے محاسن میں، صدوق نے علل میں، تفسیر قمی وعیاشی میں، صفار نے بصائر الدرجات میں متعدد اسانید وطرق کے ساتھ، لہٰذا انہیں رد نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے ترجمہ کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں پھر اس کی توجیہ بیان کریں گے نقل کرتے ہوئے مصابیح الانوار مصنفہ سید عبداللہ شبر سے:

خداوند نے طیب و پاک مٹی خلق کی اور اس سے گوارا صاف پانی نکالا، خداوند نے اس مٹی پر ہم اہل بیت کی ولایت پیش کی تو اس نے قبول کر لی، خداوند نے اس گوارا پانی کو اس مٹی پر سات دن تک جاری کر دیا یہاں تک کہ وہ خوب گھل مل گیا پھر پانی اس سے خشک کر دیا پھر اس مٹی سے خداوند نے مزید خالص کر کے ایک اور طین لی اور اسے طینت ائمہ قرار دیا اور جو باقی ماندہ مٹی تھی اس سے ہمارے شیعہ کو خلق کیا۔ اگر تمہاری طینت کو خداوند اسی طرح چھوڑ دیتا تو تم ہمارے اور زیادہ مشابہ ہوتے، میں نے عرض کیا: خداوند نے ہماری طینت کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: خداوند نے اس کے بعد ایک خبیثہ بدبودار مٹی خلق کی اس سے سخت کڑوا کھارا نمکین پانی نکالا اور اس مٹی پر ہماری ولایت پیش کی لیکن اس نے قبول نہ کیا، پھر خداوند نے وہ پانی اس مٹی پر سات دن کے لئے جاری کر دیا حتیٰ کہ وہ خوب اس کے ساتھ گھل مل گیا پھر اسے خشک کر دیا اس مٹی سے خداوند نے طاغوتوں اور ان کے ائمہ کو خلق کیا، پھر خداوند نے اس مٹی کو تمہاری مٹی سے ملا دیا اگر ان کی طینت کو اسی طرح چھوڑ دیتا اور تمہاری طینت سے نہ ملاتا تو وہ نہ کلمہ پڑھتے، نہ نماز، روزہ کرتے نہ حج وزکوٰۃ دیتے نہ امانت ادا کرتے نہ نیکیاں، اور نہ صورت میں تمہارے مشابہ ہوتے، میں نے پوچھا: پھر ان دونوں طینت کا خدا نے کیا کیا؟ فرمایا: خداوند نے پہلے اس پر پہلا پانی جاری کیا پھر دوسرا پانی جاری کیا۔ اور اسے خوب رگڑا جیسے چمڑے کو رگڑا جاتا ہے اور ایک حصہ لے کر کہا: یہ جنت میں جائے گا اور ایک حصہ لے کر کہا: یہ جہنم میں جائے گا پھر ان دونوں کو ملا دیا اور اس سے کچھ سنخ وطینت مومن طینت کافر پر واقع ہوگئی اور بالعکس کچھ اس کی سنخ وطینت مومن کی طینت پر واقع ہوگئی، ہمارے شیعہ میں جو تمہارے برائی نظر آتی ہے یہ اسی ناصبی طینت و جوہر کا اثر ہے اور جو ان میں نماز وروزہ کی پابندی یا نیکی نظر آتی ہے یہ مومن کی طینت وسنخ کا اثر ہے، کل جب سارے اعمال خداوند پر پیش ہوں گے تو وہ برے اعمال جو مومن نے کئے ہوں گے واپس کر دے گا ناصبی پر اور جو اس نے نیک اعمال کئے ہوں گے وہ انہیں واپس کر دے گا مومن پر، وہ حکم دے گا کہ ہر ایک کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دو، پھر امامؑ نے اس مطلب کو قرآن کی آیات سے ثابت کیا اور راوی نے جب پوچھا کہ کیا یہ قرآن میں ہے؟ تو فرمایا: یہ تیس سے زیادہ جگہ پر موجود ہے اور پھر حضرتؑ نے اس پر چند آیات ذکر فرمائی ہیں۔

اس طرح کی روایات ایک تو استعداد و قابلیت کے فرق پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگوں میں اس لحاظ سے فرق پایا

Presented by Ziaraat.Com

جاتا ہے، دوسرا یہ کہ اس طرح کی طینت سے خیر وشر کی طرف میلان بالاختیار ثابت ہوتا ہے اور دونوں طینت کو ملا دیا تا کہ اعتدال قائم ہو سکے تا کہ مومن خیر وشر دونوں پر قادر ہو اسی طرح مخالف بھی۔ اور اس پر بعض روایات کا یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ ﴿فقلوب المؤمنین تحنّ الی ما خلقوا منها و قلوب الکافرین تحنّ الی ما خلقوا منها﴾ یعنی مومن کا دل اس طرف مائل ہے جس سے وہ خلق ہوا۔ اور کافر کا دل ادھر مائل ہے جس سے وہ خلق ہوا۔

یعنی یہ دونوں طینت کا ملا دینا صرف میلان کا باعث ہے نہ کہ قدرت واختیار ہی سلب کر لے۔ اکثر علماء نے اس کی توجیہ علم خداوند سے کی ہے کہ جب خداوند نے تمام ارواح کو خلق کیا اس طرح کہ وہ خیر وشر دونوں کی قدرت و استعداد رکھتی تھیں اور خداوند جانتا تھا کہ ان میں سے بعض خیر محض یعنی ایمان اختیار کریں گی اور بعض شر محض یعنی کفر اختیار کریں گی اپنے اختیار کے ساتھ تو خداوند نے ان کے ساتھ اسی طرح سے برتاؤ کیا جیسے طینت طیبہ وخبیثہ سے خلق کرنا، یعنی مثلاً خدا زید کے بارے جانتا تھا کہ یہ خیر محض یعنی ایمان اختیار کرے گا اگر چہ اسے طینت طیبہ سے خلق نہ کیا جائے، پس اسے طینت طیبہ سے خلق کیا اور عمرو سے جانتا تھا کہ یہ شر محض یعنی کفر اختیار کرے گا اگر چہ اسے طینت خبیثہ سے خلق نہ کیا جائے پس اسے طینت خبیثہ سے خلق کیا، اور علم خدا تو علت نہیں ہے لوگوں سے افعال کے صادر ہونے کا، اور اس توجیہ پر اس روایت کی یہ عبارت بھی دلالت کرتی ہے کہ جس میں فرمایا: ﴿انا المطلع علیٰ قلوب عبادی لا احیف و لا اظلم و لا الزم احدا الاّ ما عرفته منه قبل ان اخلقه﴾ کہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ کسی کو کسی کام پر مجبور کرتا ہوں مگر یہ کہ میں اس کی خلقت سے پہلے اس کے بارے جانتا ہوں اس پر خلق کرتا ہوں۔

سوال:۔ اس روایت کی مناسبت سے جبر وتفویض اور امر بین الامرین کو بیان کریں۔

جواب:۔ شیخ کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ طوسیؒ وشیخ مفیدؒ نے اسانید معتبرہ کے ساتھ یہ روایت ائمہ طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿لا جبر و لا تفویض بل امرٌ بین الامرین﴾ یہ روایت تقریباً متواتر ہے اسی طرح کی روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال ہوا جبر وتفویض کے درمیان کی منزل کے بارے تو فرمایا: ﴿نعم اوسع ما بین السماء و الارض﴾ کہ ہاں زمین وآسمان سے زیادہ وسیع منزل ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے جبر وتفویض کے بارے سوال ہوا تو فرمایا: ﴿لا جبر و لا قدر ولکن منزلة بینهما فیها الحق التی بینهما لا یعلمها الاّ العالم او من علّمها ایّاه العالم﴾ کہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان وہ منزل ہے جس میں حق ہے اور اسے کوئی نہیں جانتا سوائے عالم کے یا جسے عالم تعلیم دے دے۔

یہ مسئلہ یعنی مسئلہ خلق اعمال ان مسائل میں سے ہے جس کے بارے عقول حیران ہیں اور آراء مضطرب ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قضاء وقدر کے انتہائی مشکل مسائل میں سے ہے جب تک معدن وحی سے استفادہ نہ کریں اسے

Presented by Ziaraat.Com

حل کرنا ممکن نہیں ہے، ایک روایت میں حضرت امیرؑ سے سوال ہوا: قدر کے بارے تو فرمایا: ﴿بحرٌ عميق فلا تلجه﴾ یہ گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو، راوی نے پھر سوال کیا تو فرمایا: ﴿طريق مُظلم فلا تسلكه﴾ یہ بڑا تاریک راستہ ہے اس پر مت چلو۔ راوی نے پھر سوال کیا تو فرمایا: ﴿سرّ الله فلا تتكلّفه﴾ یہ خداوند کا راز ہے اسے مت چھیڑو۔ (عقائد صدوق)

جبر کے جو قائل ہیں وہ مختلف ہیں تین مختلف لوگ جبر کے قائل ہیں: (۱) الٰہی، (۲) مادی اور (۳) فلسفی، الٰہی جبر کے قائل ہیں اور اس کی وجہ وہ خداوند کے علم و ارادہ و مشیت کو قرار دیتے ہیں جو افعال انسان کے متعلق ہوتے ہیں، جبکہ مادی ان چیزوں کو مانتے ہی نہیں ان کے نزدیک جبر کا عامل وراثت، تعلیم اور ماحول ہے تین عوامل کی وجہ سے ایک انسان کی شخصیت و نفسیات تشکیل پاتی ہیں اور یہ تینوں چیزیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں۔ اور فلسفی جبر کا قائل ہے وہ اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ انسان کا ارادہ اس کے افعال کی علت تامہ ہے جب انسان کے ضمیر میں یہ ارادہ حاصل ہو جائے تو وہ فعل کے انجام پر مجبور ہے۔ اور جو اختیار کے کے قائل ہیں وہ بھی مختلف ہیں۔

ایک اختیار تفویض کے معنی میں ہے یعنی انسان کے فعل میں خداوند کی کوئی دخالت نہیں ہے، انسان خود مخلوق خدا ہے لیکن وہ اپنے افعال میں مستقل ہے اور اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ یہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔

اور ایک اختیار بمعنی امر بین الامرین ہے اور یہی قرآن و اہل بیتؑ کا نظریہ ہے۔

جبر کی پیدائش

قاضی عبد الجبار ابو علی جُبائی سے "فضل الاعتزال" میں نقل کرتے ہیں کہ جب معاویہ تخت حکومت پر بیٹھا تو یہ جبر کا قول اسی دور میں پیدا ہوا اور ملوک بنی امیہ سے یہ قول پیدا ہوا لہٰذا پہلے پہل اہل شام میں یہ قول ظاہر ہوا، قول بالاختیار کو سب سے پہلے معبد جُھَنی نے اختیار کیا تو حجاج نے اسے قتل کروا دیا، غیلان دمشقی نے معبد جُھَنی کی پیروی میں یہ قول دمشق میں پھیلایا تو عمر بن عبد العزیز اسے قتل کرنے کے درپے ہوا جس کے نتیجے میں غیلان نے اس قول کو چھوڑ دیا، لیکن پھر ہشام کے دور میں وہ اس قول کی طرف لوٹ آیا اور ہشام نے اسے باب دمشق پر پھانسی پر لٹکا دیا۔

(الانتظار لابن الخياط)

بعد میں امام الاشاعرہ بڑے مروج ہیں قول بالجبر کے۔ اہل سنت میں سے شیخ محمد عبدہ اسے نہیں مانتے تھے وہ کہتے ہیں: ﴿انّ القول بالجبر قول طائفة ضئيلة انقرضت و غلب على المسلمين مذهب التوسط بين الجبر و الاختيار وهو مذهب الجدّ والعمل﴾ (رساله هل مسيرون ام مخيّرون) کہ قول بالجبر ایک گمنام گروہ کا نظریہ تھا جو اب ختم ہو چکے ہیں اور مسلمان جبر و اختیار کے درمیان کے مذہب کے قائل ہیں جو کہ سعی و عمل کا

Presented by Ziaraat.Com

مذہب ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے اب بھی اہل سنت کی اکثریت امام اشعری کی پیرو ہے۔

سب سے پہلا گروہ جو خالص جبر کا قائل ہوا وہ جہمیہ ہیں انہیں جبریہ خالصہ کہتے ہیں یہ انسان کو اپنے افعال میں مجبور مانتے تھے جو نہ قدرت و ارادہ رکھتا ہے اور نہ استطاعت و اختیار۔ خداوند سب افعال کا خالق ہے۔

پھر نجاریہ قائل ہیں کہ افعال مخلوقِ خدا ہیں اور انسان فاعل ہیں خدا ہی خیر و شر کا خالق ہے عبد تو انہیں کسب کرتا ہے، انہوں نے نظریہ کسب پیش کیا۔

اسی طرح ضراریہ بھی ہیں، شہرستانی الملل والنحل میں کہتے ہیں کہ جبر کے معنی یہ ہیں کہ فعل کی عبد سے حقیقۃً نفی کی جائے اور رب کی طرف اس کی نسبت دی جائے۔ شہرستانی نے اشاعرہ کو جبریہ غیر خالصہ قرار دیا ہے۔

اشاعرہ نے افعال عباد کے بارے درج ذیل اصول اختیار کیے ہیں:

(۱) افعال عباد مخلوق خدا ہیں چونکہ اس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے۔

الابانۃ میں امام اشعری کہتے ہیں: ﴿انه لا خالق الاّ اللّٰه و انّ اعمال العبد مخلوقة للّٰه مقدرة كما قال: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات: ۹۶)﴾ اور لوگ کسی شئ کے خلق پر قادر نہیں ہیں۔

شارح مواقف نے کہا: انسان کے افعال اختیاریہ صرف قدرتِ خدا سے انجام پاتے ہیں اور خود انسان کی قدرت کو اس میں کوئی دخالت نہیں ہے خداوند نے یہ عادت جاری کی ہے کہ وہ عبد میں قدرت و اختیار موجود کرے پس فعل عبد مخلوق خدا ہے اور مکسوب عبد ہے، کسب عبد کا مطلب یہ ہے کہ فعل اس کی قدرت و اختیار کے مقارن ہے بغیر اس کے کہ انہیں اس میں کوئی تاثیر حاصل ہو۔ (شرح مواقف میر، سید شریف جرجانی، جلد ۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی خدا کی قدرت کی عمومیت کے قائل ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسری علل میں تاثیر ہی نہ رہے۔

توحید در خالقیت کا مطلب یہ ہے: خالق اصیل جو کسی اور کا خلق میں محتاج نہ ہو صرف خداوند ہے اور اس کا غیر خلق و ایجاد کرے گا تو خداوند کی قدرت و مشیت اور لطف و کرم سے کرے گا۔ انسان محتاج محض ہے، اور خداوند غنی مطلق ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (فاطر: ۱۵)

متاخرین اشاعرہ جیسے رازی المحصّل میں، ایجی مواقف میں، تفتازانی شرح مقاصد میں۔ قوشچی شرح تجرید میں اس مسئلہ خلق اعمال کی بحث خداوند کی قدرت کی عمومیت کے عنوان سے کرتے ہیں۔

اور جہاں تک امام اشعری کا قرآن سے استدلال ہے کہ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ یہ تب مفید ہے کہ ما مصدریہ ہو جس کے معنی یہ ہوں گے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ عَمَلَكُم﴾ کہ خدا نے تمہیں اور تمہارے عمل کو خلق کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ما موصولہ ہے اس لئے کہ اس سے پہلے والی آیت میں ہے: ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جن بتوں کو تم نے خود تراشا ہے یہاں ما موصولہ ہے لہٰذا اس آیت میں اس نظریہ کی ردّ ہے کہ خداوند نے تمہیں اور تمہارے بنائے ہوئے بتوں کو خلق کیا ہے۔

اور قرآن کی آیات کثرت سے انسان کی طرف اعمال کی نسبت دیتی ہیں۔

(۲) خداوند کا علم ازلی جو افعال عبد کے متعلق ہے کہ جب خداوند جانتا ہے کہ یہ فعل عبد سے صادر نہیں ہوگا تو وہ صادر نہیں ہوسکتا، اسی طرح فعل کے صدور کے بارے بھی۔

اس میں مغالطہ یہ ہے کہ خداوند کا علم ازلی فعل عبد کے مطلق صدور کے متعلق نہیں ہوا بلکہ علم ازلی اس کے متعلق ہوا ہے کہ فعل عبد سے صادر ہوگا۔ ان خصوصیات کے مطابق جو اس میں ہیں لہٰذا انسان کے فعل اختیاری کے صدور کے بارے علم متعلق ہوا ہے کہ وہ اس کے ارادہ وحریت کے ساتھ صادر ہوگا۔ اس کا علم ازلی یہ ہے کہ فعل انسان سے اس کے ارادہ واختیار کے ساتھ صادر ہوگا۔

(۳) **خداوند کا ارادہ ازلیہ فعل عبد کے بارے میں**: یہاں بھی وہ یہی بات کرتے ہیں کہ خداوند جس کے صدور کا ارادہ کرلے وہ یقیناً صادر ہوگا اور جس کے عدم صدور کا ارادہ کرلے وہ یقیناً صادر نہیں ہوگا پس انسان کرنے یا نہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔

اس استدلال کا انداز وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور اس کا جواب بھی وہی ہے۔

یہاں ایک سوال ہے کہ آیا ارادۂ خدا انسان کے افعال کو شامل ہے یا انسان کے افعال ارادہ الٰہیہ سے خارج ہیں؟ معتزلہ دوسرے قول کے قائل ہیں جبر کے قول سے بچنے کی خاطر جبکہ اشاعرہ پہلے قول کے قائل ہیں لیکن وہ ارادہ خدا کو افعال عبد کے متعلق سمجھتے ہیں بغیر واسطہ کے۔

ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ ارادہ خداوند اس کائنات کی ہر چیز کے متعلق ہے چاہے وہ فعل انسان ہو یا اس کا غیر۔ خداوند کی ملک میں وہی واقع ہوتا جو وہ چاہتا ہے لیکن اس طرح نہیں جیسے اشاعرہ کہتے ہیں بلکہ خداوند نے اس کائنات کو نظام اسباب ومسببات قرار دیا ہے۔ خداوند کا ارادہ یوں متعلق نہیں ہوا کہ وہ اشیاء کو بلا سبب خلق کرے، خداوند کا ارادہ تمام کائنات کے متعلق ہے لیکن از طریق صدور از علل واسباب قائم ہے۔

اور خداوند کے ارادہ کے افعال انسان سے متعلق ہونے سے جبر لازم نہیں آتا کیونکہ اس طرح تو متعلق نہیں ہوا کہ یہ فعل ہر حال میں انسان سے صادر ہو بلکہ خصوصیات کے ساتھ متعلق ہوا ہے جو انسان میں موجود ہیں جو کہ علم واختیار وغیرہ کے ساتھ ہیں۔ اس کے باوجود فعل انسان خداوند سے مطلق بے ربط بھی نہیں ہے، انسان اسی کی عطا کردہ قوت سے

Presented by Ziaraat.Com

ہر کام کرتا ہے۔

پس فعل عبد خود عبد کا بھی فعل ہے حقیقۃً اور خدا کا فعل بھی ہے حقیقۃً۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: ﴿انّ الارادۃ الالٰھیّۃ تعلقت بالفعل بجمیع شؤونہ و خصوصیاتہ الوجودیۃ و منھا ارتباطہ بعللہ و شرائط وجودہ﴾ یعنی ارادہ خداوند فعل کے متعلق ہے اس کے تمام شؤون و وجودی خصوصیات کے ساتھ اور ان خصوصیات میں سے اس فعل کے علل و شرائط وجود ہیں۔ یعنی ارادہ خداوند مطلق فعل عبد کے متعلق نہیں ہے بلکہ فعل اختیاری کے متعلق ہے لہٰذا اگر فعل اختیاری عبد نہ ہو تو یہ خلاف ارادہ خدا ہوگا۔ یوں ارادہ خدا طول ارادہ انسان میں ہے نہ کہ عرض میں کہ اس کے مزاحم ہو۔

قول بالاختیار

اکثر معتزلہ (ابی الحسین البصری اور نجار کے علاوہ) قائل ہیں کہ افعال عبد خود عبد کے اختیار سے واقع ہیں استقلال کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں کہ خداوند نے انسان کو خلق کرنے کے بعد انہیں اختیار تفویض کر دیا ہے اب لوگ اپنے افعال میں خود مختار و مستقل ہیں مشیت خداوند کے مطابق۔ خداوند ان سے ایمان و اطاعت چاہتا ہے اور کفر و معصیت کو ناپسند کرتا ہے۔

بقول سید شریف کے شرح مواقف میں: معتزلہ کی ادلہ متعدد ہیں سب کا رجوع اس طرف ہے کہ اگر عبد اپنے فعل میں مستقل و مختار نہ ہو تو تکلیف باطل ہو جائے گی اور افعال پر جزا و سزا باطل ہوگی اور مدح و ذم نہیں رہے گی۔

ان کی زیادہ تر ادلہ قول بالجبر کی ردّ میں ہیں اور یہ طائفہ توحید افعالی کا بھی منکر ہے جو کہ عقلاً و نقلاً ثابت ہے اور وہ قول بالتفویض کے قائل ہوئے عدل کی بناء پر حالانکہ یہاں ایک تیسرا نظریہ ہے جس میں توحید افعالی، عدل الٰہی اور اختیار عبد سب اصول محقق ہیں اور وہ الامر بین الامرین ہے۔ اور فخر المشککین امام رازی خود اشعری ہیں اور امام اشعری کا بڑھ چڑھ کر دفاع کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں وہ بھی سپر انداز ہوگئے اور بالآخر الامر بین الامرین کو قبول کر لیا۔ وہ کہتے ہیں: یہ مسئلہ عجیب ہے لوگ مختلف ہیں چونکہ جو قابل رجوع ادلہ ہیں وہ متعارض ہیں۔ آخر میں کہتے ہیں: ﴿والحق ما قال بعض ائمۃ الدین "انّہ لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین﴾ کہ یہ جو بعض ائمہ دین نے کہا ہے وہی حق ہے کہ نہ جبر صحیح ہے نہ تفویض بلکہ امر بین الامرین ہے۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ فعل عبد خداوند سے مستقل بھی نہیں ہے اور اس سے صادر بھی نہیں ہے، خداوند کی طرف اس کی نسبت تسبیبی ہے اور عبد کی طرف مباشری ہے۔ یعنی اس نے وجود، حیات، علم اور قدرت انسان کو دیئے ہیں اور ان کو اختیار دیا ہے اب عبد انہیں جہاں چاہے استعمال کرے، پس مبادی کا دینے والا وہ ہے لہٰذا اس کی طرف بھی نسبت دے سکتے ہیں اور عبد ان مبادی کو اپنے اختیار سے استعمال کرتا ہے

Presented by Ziaraat.Com

لہٰذا اس کی طرف بھی منسوب ہوگا۔

آقای خوئی نے اس کی حاشیہ اجود التقریرات میں مثال دی ہے کہ اگر ایک شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہو اور قدرت بالکل نہ رکھتا ہو اب اگر کوئی اس کے ہاتھ کے ساتھ تلوار باندھ دے جبکہ باندھنے والا جانتا ہے کہ یہ کسی انسان پر واقع ہو کر اسے قتل کر سکتی ہے اور ایسا ہو جائے تو یہاں قتل اس تلوار باندھنے والے کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ ہاتھ والے کی طرف چونکہ وہ تو قدرت ہی نہیں رکھتا۔ لیکن جس کا ہاتھ ٹھیک ہو اور وہ قدرت رکھتا ہو اس کو چلانے کی، اسے کوئی تلوار دے اور وہ شخص کسی کو قتل کر دے تو قتل اسی کی طرف منسوب ہوگا تلوار دینے والے کی طرف نہیں ہوگا۔

لیکن اگر ایک شخص فرض کریں جس کا ہاتھ شل ہو وہ اسے حرکت ہی نہ دے سکے مگر یہ کہ کوئی بجلی کی مشین اس کے ساتھ لگا کر اسے کرنٹ دے تو وہ حرکت کر سکتا ہے اس کا اختیار اس دوسرے شخص کے ہاتھ میں ہو کہ وہ بٹن دبا دے تو اس میں طاقت آجائے گی، بند کر دے تو ختم ہو جائے گی، اگر وہ اس کے ساتھ تار متصل کر کے آن کر دے اور یہ شخص جا کر اپنے اختیار سے کسی کو قتل کر دے تو یہاں فعل کی نسبت دونوں کی طرف دے سکتے ہیں، جس نے کیا ہے چونکہ وہ جانتا ہے اور اپنے اختیار سے کر رہا ہے اور جس نے تار لگائی ہے اس لئے کہ وہ اسے قدرت دے رہا ہے جب یہ فعل انجام دے رہا تھا تو وہ اس طاقت کو بٹن دبا کر ختم کر سکتا تھا۔

پہلی مثال جبری کی ہے، دوسری تفویضی کی اور تیسری امر بین الامرین کی ہے۔ خداوند انسان سے جب فیض روک دے تو اس کی قدرت و حیات ختم ہو جائے گی اور وہ کوئی فعل انجام نہیں دے سکے گا۔

توحید صدوق میں روایت ہے رسول خدا ﷺ سے کہ خداوند فرماتا ہے: ﴿یابن آدم بمشیّتی کنت انت الذی تشاء لنفسك ما تشاء و بارادتی کنت انت الذی ترید لنفسك ما تُرِیدُ﴾ کہ اے ابن آدم تم جو اپنے نفس کے لئے چاہتے ہو وہ میری مشیت سے ہے اور جو ارادہ کرتے ہو وہ میرے ارادہ سے ہے۔

پس امر بین الامرین کا معنی یہ ہوا کہ فعل عبد میں دو نسبتیں اور دو اسناد پائے جاتے ہیں ایک نسبت الی اللہ اور دوسری نسبت الی العبد۔ جیسا کہ قرآن میں اس کی مثال دی ہے: ﴿وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی﴾ (انفال، آیت:۱۷)

خداوند قرآن میں متعدد افعال کی نسبت عبد کی طرف دیتا ہے جیسے ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُکُمْ﴾ (بقرہ، آیت:۷۴)۔ دوسری جگہ کہا: ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِیَةً﴾ (مائدہ، آیت:۱۳)

﴿کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ﴾، ﴿وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ جیسی آیات بہت ہیں۔

پھر فرماتا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (تکویر، آیت:۲۹)

Presented by Ziaraat.Com

شیخ صدوق نے عیون میں روایت کی ہے: باسنادہ عن یزید بن عمروہ کہتے ہیں میں مرو میں امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! ہمیں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے انہوں نے فرمایا: ﴿لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین فما معناہ؟﴾ اس کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: ﴿من زعم انّ اللّٰہ یفعل افعالنا ثم یعذبنا علیھا فقد قال بالجبر ومن زعم انّ اللّٰہ عزوجل فوّض امر الخلق و الرزق الی حججہ علیھم السلام فقد قال بالتفویض فالقائل بالجبر کافر و القائل بالتفویض مشرک. فقلت لہ یابن رسول اللّٰہؐ فما امر بین الامرین؟ فقال: وجود السبیل الی ایتان ما امروا بہ و ترک ما نھوا عنہ، فقلت ھل لِللّٰہ عزوجل مشیّۃ و ارادۃ فی ذلک؟ فقال امّا الطاعات فارادۃ اللّٰہ و مشیتہ فیھا الامر بھا والرضا لھا والمعاونۃ علیھا و ارادتہ و مشیتہ فی المعاصی النھی عنھا و السخط لھا والخذلان علیھا، قلت فللّٰہ عزوجل فیھا القضاء؟ قال نعم ما من فعل یفعلہ العباد من خیر و شرٍّ الاّ و للّٰہ فیہ القضاء، قلت ما معنی ھذا القضاء؟ قال الحکم علیھم بما یستحقون علی افعالھم من الثواب والعقاب فی الدنیا والآخرۃ﴾۔

فرمایا: جو یہ گمان کرے کہ خداوند فاعل ہے ہمارے افعال کا اور پھر ہمیں اس پر عذاب کرے گا تو یہ جبر کا قول ہے جو کہ کفر ہے، اور جو کہے کہ خداوند نے خلقت و رزق کا معاملہ ائمہؑ کے سپرد کر دیا ہے تو یہ قول تفویض کا قول ہے، جبر کا قائل کافر ہے اور تفویض کا قائل مشرک ہے، میں نے سوال کیا: امر بین امرین کیا ہے؟ فرمایا: جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے انہیں کرنے اور جس سے روکا گیا ہے انہیں نہ کرنے کا سبیل میسر ہو۔ میں نے پوچھا: اس بارے کیا خداوند مشیت وارادہ رکھتا ہے؟ فرمایا: اطاعات میں اس کا ارادہ ومشیت یہ ہے کہ ان کا امر دیا ہے، ان پر راضی ہے اور ان کے انجام میں مدد فرماتا ہے اور گناہوں میں اس کا ارادہ ومشیت یہ ہے کہ ان سے روکا ہے، ان کے انجام پر ناراض ہوتا ہے اور توفیق سلب کر لیتا ہے۔ میں نے پوچھا: اس بارے کیا اس کی قضاء ہے؟ فرمایا: ہاں ہے، میں نے پوچھا: وہ قضاء کیا ہے؟ فرمایا: ان کو ان کے افعال پر ثواب وعذاب کرنا۔

سوال:۔ قضاء وقدر کیا ہے؟

جواب:۔ قرآن وسنت کے مسلّمات میں سے ہے مسئلہ قضاء وقدر جیسا کہ ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ (آل عمران، آیت:۱۴۵)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی مقدار خداوند کی طرف سے معیّن شدہ ہے جس میں کمی وزیادتی نہیں ہو سکتی۔ یہ بعض منافقین کی رد میں کہا گیا جو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ جنگ والے ہمارے پاس ہوتے تو نہ انہیں موت

Presented by Ziaraat.Com

آتی نہ قتل کئے جاتے۔ ﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾ (آل عمران، آیت:۱۵۶)۔

(۲) ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا﴾ (توبہ، آیت:۵۱)

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ ولایت امر خداوند کو حاصل ہے اور اس کی کتابت حتمی ہے اس بارے جو ہمیں حیات و شہادت حاصل ہوگی۔

اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جو موت و حیات کے معیّن شدہ معنی پر دلالت کرتی ہے جیسے سورہ توبہ، آیت ۵۲، فاطر، آیت ۱۱، قمر، آیت: ۵۲و۵۳، حدید، آیت: ۲۲۔

اور روایات میں ہے کہ انسان قدر کے تصدیق کے بغیر مومن نہیں ہوسکتا۔

اصل مسئلہ ان سے مراد کی تشریح ہے۔

قدر کے لغت میں معنی مقدار و حدود کی تعیین کے ہیں، ابن فارس نے کہا: ﴿القدر بفتح الدال و سكونه حدّ كلّ شيء و مقداره و قيمته و ثمنه﴾ اور قضا لغت میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے سب ایک معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں، ابن فارس کہتے ہیں: ﴿القضاء اصل صحيح يدلّ علىٰ اِحكام امر و اتقانه و انفاذه لجهة﴾ یعنی کسی امر کو محکم و متقن کرنا۔

اور روایات بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہیں۔ محاسن برقی میں امام رضاؑ سے روایت ہے: ﴿قلت ما معنى قدر؟ قال: تقدير الشيء من طوله و عرضه، قلت فما معنى قضى؟ قال اذا قضى امضاه فذلك الذى لا مردّ له﴾ ترجمہ: فرمایا: قدر کے معنی کسی شیٔ کے طول و عرض کی تعیین کرنا ہے، راوی نے سوال کیا: قضاء کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: قضاء کے معنی کسی چیز کا فیصلہ کردینا جس میں ردّ کا امکان نہ ہو۔

قضاء و قدر دونوں کی دو دو قسمیں ہیں: علمی اور عینی۔

تقدیر عینی کا مطلب ایک موجود کی تمام خصوصیات و حدود کی تعیین ہے اور قضاءِ عینی یعنی موجود ممکن کی وہ ضرورت وجود جو اسے علت تامہ سے حاصل ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے وہ بغیر قضاء و قدر کے واقع نہیں ہوا، قرآن میں اس بارے وارد ہوا ہے جیسا کہ قدر کے لئے فرمایا: ﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ (قمر، آیت:۴۹) ہم نے ہر چیز کو قدر کے ساتھ خلق کیا ہے۔ یعنی اس کے وجود کے تمام حدود و اجزاء کو معیّن کرکے خلق کیا ہے۔

﴿فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا﴾ (فصلت، آیت:۱۲) کہ

Presented by Ziaraat.Com

سماوات کا وجود دو دوروں میں حتمی کر دیا۔

جب تک علل وشرائط ایک شیٔ کے وجود کے لئے جمع نہ ہو جائیں اس کے وقوع وعدم وقوع میں تردد رہتا ہے لیکن جب یہ پورے ہو جائیں تو پھر اس کا وجود یقینی وحتمی ہو جاتا ہے یہ قضاء ہے خداوند کی طرف سے۔

علامہ طباطبائی نے بھی تفسیر المیزان جلد ۱۳ صفحہ ۲۷ میں یہی بات کی ہے۔ جو معنی قضاء وقدر کے بیان ہوئے اس کے مطابق تقدیر قضاء پر مقدم ہے اور محاسن برقی کی روایت میں بھی ہے عن ہشام بن سالم، کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿انّ اللّٰه اذا اراد شیئاً قدّره فاذا قدّره قضاه فاذا قضاه امضاه﴾ قضاء وقدر کیفیت خلقت سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا کوئی شیٔ موجود نہیں ہو سکتی مگر قضاء وقدر کے ساتھ، اور خداوند نے انسان کو جن خصوصیات کے ساتھ خلق کیا ہے ان میں سے اختیار بھی ہے یعنی خداوند نے اس کی خلقت میں جن خصوصیات کی تعیین کی ہے ان میں سے اس کا فاعل بالاختیار ہونا بھی ہے لہٰذا قدر وقضاء سے انسان کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔

خداوند نے سنن الٰہی کے نام سے اس کائنات کے جو اصول بنائے ہیں انسان ان کے مقابل حر ومختار ہے اور نتیجہ کا بھی خود ذمہ دار ہوگا۔ سڑک سیدھی جا رہی ہو آگے تیر کا نشان ہو کہ مڑنا ہے اب اگر کوئی سیدھا چلا جائے تو نتائج کی ذمہ داری خود اس پر ہے، یہی اس کائنات میں قضاء وقدر کے معنی ہیں، مرحوم کلینیؒ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام صفین سے واپسی پر کوفہ میں تشریف فرما ہوے ایک بوڑھا شخص آگے بڑھا اور حضرت علیہ السلام کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور سوال کیا: ﴿یا امیر المؤمنین اخبرنا عن مسیرنا الی اهل الشام أ بقضاء اللّٰه و قدره؟ فقال امیر المؤمنین اجل یا شیخ ما علوتم تلعة ولا هبطتم بطن واد الا بقضاءٍ من اللّٰه و قدره، فقال له الشیخ عند اللّٰه احتسب عنائی یا امیر المؤمنین، فقال له مه یا شیخ فواللّٰه لقد عظّم اللّٰه لکم الاجر فی مسیرکم و انتم سائرون وفی مقامکم و انتم مقیمون وفی منصرفکم و انتم منصرفون ولم تکونوا فی شیٔ من حالاتکم مکرهین ولا الیه مضطرّین، فقال له الشیخ و کیف لم نکن فی شیٔ من حالاتنا مکرهین ولا الیه مضطرّین و کان بالقضاء والقدر مسیرنا و منقلبنا و منصرفنا، فقال له اتظنّ انّه قضاء حتم و قدر لازم انّه لو کانَ کذلك لبطل الثواب و العقاب والامر والنهی والزجر من اللّٰه و سقط معنی الوعد والوعید. الحدیث﴾، ترجمہ: ایک بوڑھے نے امیر المومنین علیہ السلام سے صفین کی اہل شام کی جنگ کے بارے سوال کیا۔ کہ کیا یہ خداوند کی قضاء وقدر کے ساتھ تھا۔ فرمایا: ہاں تم کوئی بلندی نہیں چڑھے اور کسی وادی میں اترے نہیں مگر یہ سب خدا کی قضاء وقدر سے تھا۔ یہ سن کر اس نے کہا پس ہمیں اس مشقت پر کوئی ثواب نہیں تھا ہم تو مجبور تھے یہ سب کرنے پر، فرمایا نہیں شیخ یہ وہ حتمی ولازمی قضاء وقدر نہیں جس پر انسان کا اختیار ہی باقی نہ رہے، تمہارا صفین کی طرف جانا،

Presented by Ziaraat.Com

وہاں سے لوٹنا اور باقی سب حالات تمہارے اختیار سے تھے اور تم قطعاً اس میں مجبور نہیں تھے اگر ایسا ہوتا تو وعدہ ثواب و عذاب اور جزاء وسزا سب باطل ہو جائیں گے۔

نیز ایک اور حدیث ہے کہ صفین سے واپسی پر حضرت علیہ السلام ایک جگہ تشریف فرما تھے، دیکھا کہ دیوار جھکی ہوئی ہے، آپؑ اٹھ کر اس سے ذراہٹ کر بیٹھ گئے، کسی نے کہا: ﴿أتفرّ من قضاء الله؟﴾ کہ آپؑ قضاء خدا سے کیوں دور بھاگتے ہیں؟ اگر قضاء یہ ہے کہ آپ کی موت اس طرح لکھی ہے تو آپ اس سے کیسے بھاگ سکتے ہیں، فرمایا: ﴿افرّ من قضاء الله الى قدر الله﴾ یہ خدا کی قضاء سے بھاگنا ہے اس کی قدر کی طرف، یعنی یہ نہیں لکھا کہ میں دیوار کے نیچے دب کر مروں گا بلکہ قضاء یہ ہے کہ جو بھی اس کے نیچے بیٹھا ہو اور دیوار اس پر گر جائے تو اس کی موت واقع ہو جائے گی اور تقدیر یہ ہے کہ اگر میں اس سے اتنا دور بیٹھوں کہ مجھ چھت گرے تو میں تب بچ پاؤں گا۔ یہ حقیقت قضاء وقدر ہے، جو کچھ ہمارے ہاں رائج تصور ہے ان کے بارے اس کی کوئی حقیقت نہیں، کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو کہہ دیتے ہیں قسمت میں لکھا تھا، کوئی کام نہ بن سکے تو کہہ دیا مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا وغیرہ، ایسا تصور صحیح نہیں ہے۔ قرآن نے صاف اصول بتلا دیا ہے کہ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ "انسان جو کچھ ہے وہ اپنی سعی وکوشش سے ہے چاہے تو اپنے آپ کو بنالے چاہے تو ضائع کرلے۔"

عورت کی خلقت

عورت کی خلقت کیسے ہوئی اس بارے میں دو نظریئے ہیں: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے اس کی خلقت ہوئی، (۲) حضرت آدم علیہ السلام کی باقی ماندہ مٹی سے خلق ہوئی۔ ان دونوں نظریوں کو بیان کرنے سے پہلے اس بارے وارد ہ آیات پر نظر ڈال لیں۔

سورہ نساء آیت ا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو وہ رب جس نے تمہیں نفس واحد سے خلق کیا اور اس کے زوج (جیون ساتھی) کو بھی اس نفس واحدہ سے خلق کیا اور ان دو سے بہت سے مرد وزن دنیا میں پھیلا دیئے۔

سورہ اعراف آیت ۱۸۹ میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ وہ خدا جس نے تمہیں ایک نفس سے خلق کیا اور اس کے جیون ساتھی کو اس سے خلق کیا تاکہ اس کے ساتھ اسے سکون حاصل ہو۔ سورہ زمر آیت ۶ میں بھی اسی طرح کی تعبیر ہے۔

خلقت حوا علیہا السلام کے بارے پہلا نظریہ اہل سنت کا ہے کہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے خلق کیا گیا۔ سدی و ابن عباس سے اس کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی نیند کی حالت میں خداوند نے حوا کو ان

Presented by Ziaraat.Com

کی پسلی سے نکالا۔ حسن بصری نے رسول خدا ﷺ سے روایت کی ہے: ﴿انّ المرلۃ خلقت من ضلع الرجل فان اردت ان تقیمھا کسرتھا و ان ترکت انتفعت بھا ﴾ کہ عورت مرد کی پسلی سے خلق ہوئی ہے اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسی کجی کے ساتھ اس کے ساتھ رہو گے تو اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

فخر رازی نے ان دونوں آیات کو سامنے رکھتے ہوئے، اس نظریہ پر دعویٰ اجماع کیا ہے لیکن آیات میں تو کوئی ایسی شہادت موجود نہیں جو اس نظریہ کی تائید کرے اور ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ کے معنی قطعاً ایسے نہیں کئے جا سکتے اور یہ تورات و انجیل کا تحریف شدہ نظریہ ہے اور جزو اسرائیلیات ہے۔

علامہ طباطبائی اس بارے فرماتے ہیں کہ قرآن میں اس نظریئے کے حوالے سے کوئی صراحت موجود نہیں ہے بلکہ اس جملے ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آدم کی طرح ان کی جیون ساتھی بھی اسی نوع سے خلق ہوئی ہے جس سے آدم خلق ہوئے یعنی وہ بھی مٹی سے خلق ہوئی۔ صاحب تفسیر المنار نے بھی آیت ﴿اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (روم، آیت: ۲۱) میں کہا مراد یہ ہے کہ خداوند نے جنس عورت کو جنس مرد سے خلق کیا یہاں یہ تو قطعاً مراد نہیں کہ خداوند نے ہر عورت مرد کی پسلی سے خلق کی ہے جبکہ اس آیت میں تعبیر وہی ہے، سورہ اعراف کی آیت ۱۸۹ سے مستفاد ہے کہ خداوند نے عورت کو مرد کی تسکین و آرامش کی خاطر خلق کیا فرمایا: ﴿لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ تا کہ مرد اس کے ساتھ سکون محسوس کرے۔ خلقت کے بعد جنت میں ٹھہرانا دونوں کیلئے فرمایا ﴿يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (بقرہ، آیت: ۳۵) نعمت کے لئے فرمایا: ﴿وَكُلَا مِنْهَا﴾ نعمات بھی دونوں استعمال کرو۔ شیطان کی دشمنی دونوں کے لئے ذکر کی: ﴿هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ﴾ (طٰہٰ، آیت: ۱۱۷) گمراہی میں دونوں کا ذکر کیا: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا﴾، ﴿فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾، ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ (بقرہ، آیت: ۳۶) نتیجۂ نافرمانی میں دونوں شریک ہیں ﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾، ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور بھی احکام ان آیات میں دونوں کے مشترک ہیں کہیں بھی پتہ نہیں چلتا ہے کہ آدم اصل ہیں حوا ان کی فرع ہیں۔ بلکہ قرآن دونوں کو اصلی موجود کے طور پر ذکر کرتا ہے ہاں آدم پہلے خلق ہوئے اور باقی ماندہ مٹی سے حوا خلق ہوئیں۔ اس سے خلق کا فرع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ سے بعض نے استفادہ کیا ہے کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی حوا جزء آدم ہے جسے خداوند نے الگ کر دیا ہے۔

یہ استدلال درست نہیں ہے اس لئے کہ سب انسانوں کی خلقت کو اس نفس واحدہ کی طرف نسبت دی گئی ہے یعنی تمام زن و مرد ایک گوہر سے خلق ہوئے ہیں یعنی سب کی جنس ایک ہے اور علامہ طباطبائی کے بقول نفس واحدہ سے مراد وہ حقیقت ہے جس سے انسان کی انسانیت وابستہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ روح و جسم ہے اور سب لوگ اس لئے بنی آدم کہلاتے ہیں اور یہ مِن تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ علامہ طباطبائی کے بقول یہ من نشویہ ہے یعنی وہ من جو کسی شئ کے

Presented by Ziaraat.Com

منشاء کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اور روایات نے اس نظریئے کی تصریح بھی کی ہے۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے: ﴿ان اللہ خلق حواء من فضل الطینۃ الّتی خلق منھا آدم﴾ کہ خداوند نے حواء کو اس باقی ماندہ مٹی سے خلق کیا جس سے آدمؑ کو خلق کیا۔ (مجمع البیان، ج۳، صفحہ۷)

دوسری روایت میں ہے راوی نے امام محمد باقرؑ سے سوال کیا خداوند نے حواؑ کو کس چیز سے خلق کیا؟ آپؑ نے فرمایا: لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہا: وہ کہتے ہیں خداوند نے حواؑ کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے خلق کیا۔ فرمایا: جھوٹ کہتے ہیں۔ خداوند قادر ہے کہ حواؑ کو اس کے غیر سے خلق کرے، میں نے پوچھا: پھر کس چیز سے خلق کیا؟ فرمایا: ہمارے آباء نے رسول خداﷺ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ کی باقی ماندہ مٹی سے خلق کیا ہے۔ (المیزان، ج۴، ص۱۴۷)

شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع اور من لایحضرہ الفقیہ میں روایت کی ہے کہ زرارہ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ لوگ ہمارے ہاں کہتے ہیں خداوند نے حواؑ کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے خلق کیا؟ آپؑ نے فرمایا: خداوند اس نسبت سے پاک ومنزہ ہے۔ اس سے لوگ کہہ کہتے ہیں کہ بعض اجزاءِ آدمؑ نے دوسرے بعض اجزاء سے نکاح کیا۔ بلکہ خداوند نے حواء کو آدمؑ کی خلقت کے بعد بالکل الگ طریقے سے خلق کیا۔ (علل الشرائع، باب ۱۷، الفقیہ، ج۳)

جنت کے دروازے

سوال: ۔کیا جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور قرآن اس بارے کیا فرماتا ہے؟

جواب: ۔قرآن میں جنت کے دروازے آٹھ ہونے کے بارے کوئی آیت نہیں ہے، ہاں جہنم کے سات دروازوں کا ذکر سورہ حجر آیت ۴۴ میں ہوا ہے اور ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ کہا گیا ہے، ہاں روایات میں جنت کے دروازوں کی تعداد ذکر ہوئی ہے جو کہ آٹھ ہے۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا: ﴿انّ للجنۃ ثمانیۃ ابواب﴾۔ (بحار، جلد ۸، صفحہ ۱۲۱)

امام محمد باقرؑ نے بھی آٹھ دروازے ذکر کئے ہیں (بحار، جلد ۸، صفحہ ۱۳۱) لیکن بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ جنت کے ۷۱ (اکہتر) دروازے ہیں۔ ممکن ہے ان دروازوں کی حقیقت وہ نہ ہو جو ہم سمجھتے ہیں بلکہ مراد یہ ہو کہ اقوام اس مرکز رحمت میں مختلف طریقوں سے وارد ہوں گی مثلاً نہج البلاغہ میں آیا ہے: ﴿انّ الجھاد بابٌ من ابواب الجنۃ فتحہ اللہ لخاصّۃ اولیائہ﴾ (خطبہ نمبر ۲۷) جہاد دروازۂ جنت ہے جسے خداوند نے اپنے خاص دوستوں کیلئے کھول رکھا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے کہ ﴿انّ للجنة باباً یُدعیٰ الرّیان لا یدخله الاّ الصائمون﴾ (بحار، جلد۹۳، صفحہ۲۵۲) جنت کے دروازے کا نام ریّان ہے (سیراب کرنے والا)۔ اس سے صرف روزہ دار گزریں گے۔

اسی حدیث میں آیا ہے: ﴿انّ للجنة باباً یقال له باب المعروف لا یدخله الاّ اهل المعروف﴾۔

دوسری حدیث میں باب الشکر، باب الصبر اور باب البلاء وارد ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے: ﴿انّ علیاً بابٌ من ابواب الجنة﴾ (کافی، جلد۲، صفحہ۳۸۹) یعنی حضرت علیؑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی پیروِ علی ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

وسعت جنت

جنت کی وسعت قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ ہماری دنیا بہت محدود ہے اور آخرت کو اس سے قیاس نہیں کیا جا سکتا، روایات میں جو اس کی عظمت و وسعت بیان ہوئی ہے وہ ہمارے لئے قابل تصور بھی نہیں ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (حدید، آیت:۲۱)۔ ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ (آل عمران، آیت:۱۳۳)۔ ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا﴾ (دھر، آیت:۲۰) پہلی دو آیات میں کہا گیا: سبقت حاصل کرو، جلدی کرو مغفرتِ خدا کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت و چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی جیسی ہے یا برابر ہے۔ یہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لئے تیار کی گئی ہے، تیسری آیت میں ہے جب وہاں دیکھو گے تو نعمتوں اور ملک کبیر کو دیکھو گے، عرض کے معنی ضروری نہیں ہے کہ یہاں طول کے مقابل چوڑائی کے ہوں کہ ہمیں جنت کے طول کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے بلکہ یہاں مراد جنت کی وسعت ہے اور یہ ایک تقریب ذہنی کی خاطر ہے کہ وہاں کی دنیا یہاں کے تصور سے بڑھ کر ہے۔

جنت کی مادی نعمات

۱۔ باغ:۔ آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جنت میں بہت اعلیٰ قسم کے باغات ہوں گے جن کا قیاس اس دنیا کے کسی باغ سے نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں ایک سو سے زیادہ مرتبہ جنت و جنات و جنان کی لفظیں آئیں ہیں جو کہ باغ و باغات کے معنی میں ہیں سورہ نساء آیت ۱۳ میں ہے: ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جو خدا اور رسول خداؐ کی اطاعت کرے گا خداوند ان باغات میں داخل کرے گا جس کے درختوں کے نیچے نہریں

Presented by Ziaraat.Com

بہہ رہی ہوں گی۔

۲۔ بہشتی سائے:۔ سورہ واقعہ میں ارشاد ہے: ﴿وَاَصْحَابُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحَابُ الْيَمِيْنِ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ﴾ اصحاب یمین وہ ہیں جو سدر کے بے خار درختوں کے زیر سایہ ہوں گے اور طلح درخت کے گھنے سائے میں آبشاروں کے کنارے ہوں گے۔ جنت کی نعمات اور سائے دائمی ہیں۔ ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا﴾ (رعد، آیت:۳۵)۔

۳۔ بہشتی محل:۔ سورہ توبہ آیت ۷۲ میں ہے: ﴿وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ پاک و پاکیزہ مسکن ہوں گے بہشت جاوید میں۔

۴۔ قالین و ارائک:۔ سورہ رحمان میں نعتیں بیان ہوئی ہیں وہاں فرمایا: ﴿مُتَّكِـئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ وہ اس حال میں ہوں گے کہ وہ ایسے قالینوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر موٹے ریشم سے ہوں گے۔

۵۔ پھل:۔ جنت میں پھلوں کا ذکر فواکہ کے ساتھ ہوا ہے: ﴿فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ﴾ (رحمان، آیت:۵۲) وہاں ہر طرح کا پھل دو طرح سے ہوگا۔

۶۔ شراب طہور:۔ سورہ محمد میں بیان ہوا ہے چار اقسام کا۔ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾ جس جنت کا وعدہ متقین کو دیا گیا ہے اس کی وصف یہ ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں ہیں جس کی بو نہیں بدلے گی۔ اور دودھ کی نہریں ہیں کہ جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا اور شراب طہور کی نہریں کہ پینے والے کے لئے اس میں لذت ہی لذت ہے اور صاف شدہ شہد کی نہریں ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیا ہے: ﴿اشرف شراب اهل الجنة ياتيهم من عال تسنيم وهی عين يشرب بها المقربون و المقربون آل محمد..... والمقربون يشربون بحتا صرفًا و سائر المؤمنين ممزوجًا﴾ اہل بہشت کا بہترین مشروب ان پر اوپر سے آبشار کی طرح گرنے والا ہے یہ ایک چشمہ ہے جس سے مقربون پیتے ہیں جو کہ آل محمدؑ ہیں وہ شراب تسنیم کو بطور خالص پیتے ہیں اور بقیہ مومنین شراب طہور کے ساتھ ملا کر پیتے ہیں۔

۸۔ برتن اور جام:۔ مقصد اصلی تو مشروب ہوتا ہے لیکن ظرف کی اچھائی برائی بھی بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآن نے ان برتنوں کو بھی بیان کیا ہے: ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ﴾ (زخرف، آیت:۷۱) ان پر بہشتی کھانے اور مشروب سونے کے برتنوں اور طلائی جاموں میں دیئے جائیں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

۹۔لباس اور زینتیں :۔ جنت میں لباس سردی و گرمی کی خاطر نہیں ہے چونکہ وہاں موسم ہر وقت معتدل ہوگا نہ سردی کا احساس ہوگا اور نہ گرمی کا۔ یعنی نہ اتنا سرد کہ سردی محسوس ہو اور نہ اتنا گرم کہ گرمی محسوس ہو بلکہ جیسے صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے کا انتہائی شیریں وقت ہوتا ہے ویسا ہی جنت میں ہوگا۔ لہٰذا جنت میں لباس صرف زیبائش کے لئے ہوں گے۔ ﴿وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ ان کے لباس سبز رنگ کے باریک اور موٹے ریشم سے ہوں گے۔

۱۰۔ بیویاں :۔ یہ اہم ترین نعمت بہشتی ہے اچھی بیوی دنیا میں بھی بہت بڑی نعمت ہے، انسان کے لئے مایہ سکون وراحت ہے اور اس کے ساتھ تحمل مشکلات آسان ہو جاتا ہے اور زندگی کو تازگی، نشاط اور لذت بخش دیتی ہے اور بری بیوی ہر لذت و شیرینی چھین کر زندگی کو تلخیوں سے بھر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس نعمت کو بھی جنتیوں کے لئے بیان کیا ہے۔ بڑی خوبصورت تعبیر ہے: ﴿وَلَهُمْ فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ (بقرہ، آیت: ۲۵) جنت میں جنتیوں کے لئے پاک و پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

۱۱۔ خادم وساقی :۔ جنت میں خدام ہوں گے جو جنتیوں پر یہ نعمتیں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کریں گے۔ ان غلمان کا حسن ظاہر، لطف باطن اور خلق ضوء ایسا ہوگا کہ جنتیوں کو دنیا کی تمام تلخیاں بھلا دے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ (طور، آیت: ۲۴) ان پر چکر لگا رہے ہوں گے ایسے نوجوان کہ جو صدف میں موجود موتیوں کی مانند ہیں۔

۱۲۔ نداء خاص :۔ سورہ طور آیت ۱۹ میں ہے ندا آئے گی: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ کھاؤ اور پیو تم پر گوارا ہو ان اعمال کے بدلے جو تم نے دنیا میں انجام دیئے۔

۱۳۔ نزل خدا :۔ سورہ آل عمران آیت ۱۹۸ میں ہے: ﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾، پرہیزگاروں کے لئے جنت کے باغ ہوں گے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ وہ پہلی ضیافت خدا ہے اور جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ ابرار کے لئے سب سے بہتر ہے۔

۱۴۔ وہاں سب کچھ ہے :۔ بطور خلاصہ قرآن نے فرمایا: ﴿وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾ (زخرف، آیت: ۷۱) جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کی نفس خواہش کریں اور آنکھیں اس سے لذت اٹھائیں۔ جنت میں لوگ غرفوں (بالا خانوں) میں بیٹھے ہوں گے اور مناظر جنت سے لطف اندوز ہوں گے وہاں یوں نہیں کہ ہر پھل کے الگ الگ درخت ہوں گے بلکہ ایک ہی درخت سے ہر طرح کا پھل ملے گا۔ نہریں بہہ رہی ہوں گی ان سے استفادہ کے

Presented by Ziaraat.Com

لئے غرفوں سے اتر کے آنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ خود نہر بلند ہوگی جنتی اس سے استفادہ کرے گا۔

امالی صدوق میں ہے کہ عبداللہ بن علی کہتے ہیں: میں مصر میں بلال مؤذن رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے وصف بہشت پوچھا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ جنت کی دیوار میں ایک اینٹ سونے کی، ایک چاندی کی اور ایک اینٹ یاقوت سرخ کی لگی ہوگی اور مٹی گارے کی جگہ مشک ناب استعمال ہوا ہوگا۔ جنت کے کنگرے یاقوت، سرخ، سبز اور زرد رنگ کے ہوں گے، کشتیاں چل رہی ہوں گی، جنتی ان میں سیر کریں گے، ملائکہ نور بالباس سبز ان میں موجود ہوں گے اس نہر کا نام جنۃ الماوئی ہے۔ جنت کے وسط میں جنۃ عدن ہے، اس کے وسط میں جنۃ الفردوس ہے، زنان اھل جنت نغمہ وسرود اس طرح کے گائیں گی کہ پہلے ایسے نہ سنے گئے ہوں گے۔ عیاشی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر مومن مرد و مومنہ بیوی دونوں جنت میں ہوں گے۔ اگر مرد افضل از زن ہوگا تو اس کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔ اگر وہ اپنی بیوی کی خواہش کرے گا تو وہ جنت میں اس کی بیوی ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اگر عورت افضل ہوگی مرد سے تو اس کی خواہش کے مطابق خداوند حکم کرے گا اگر شوہر کی وہ خواہش کرے گی تو وہ اس کا شوہر بنے گا ورنہ نہیں۔ (علامہ مجلسی، حق الیقین، صفحہ ۳۵۱)

حضرتؑ نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں بہشت ایک ہے جبکہ خداوند فرماتا ہے اس بہشت کے پاس دو اور بہشت ہیں لوگ کہتے ہیں بہشت ایک درجہ ہے جبکہ بہشت درجات رکھتی ہے بعض دوسرے بعض پر بلند ہیں۔ لوگ اپنے اعمال کے ذریعے ان درجات پر فائز ہوں گے۔ راوی نے سوال کیا کہ اگر ایک درجے والا دوسرے درجے والے سے ملاقات کرنا چاہے تو کیسے کریں گے؟ فرمایا: وہ جو بلند درجے کا ہے وہ نچلے درجے پر آ کر اس سے ملاقات کرسکتا ہے۔ نچلے درجے والا اوپر والے درجے تک نہیں جاسکے گا۔ نیز آنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اسی اپنے درجے پر رہتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات کرسکتے ہیں۔

شیخ صدوق وغیرہ نے سند معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی بنیاد و اصل رسول خدا ﷺ کے گھر میں ہے، ہر مومن کے گھر اس درخت کی شاخ ہے۔ وہ جس چیز کی خواہش کرے گا اسی شاخ پر وہ حاضر ہو جائے گا، صدوق نے روایت کی ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے اوپر سے حلّے (لباس فاخرہ) اتریں گے اور نیچے سے تیار گھوڑے نکلیں گے پروں والے۔ مومن ان پر سوار ہو کر جنت میں پرواز کریں گے۔ امام صادق علیہ السلام سے علی بن ابراہیم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ طوبیٰ درخت کی اصل امیر المومنین علیہ السلام کے گھر میں ہے۔ پہلی روایت نے اسے رسول خدا ﷺ کے گھر قرار دیا اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ جنت میں جو گھر رسول خدا ﷺ کا ہوگا وہی علی مرتضیٰ کا ہوگا چونکہ دونوں ایک نور کے دو حصے کئے گئے اس دنیا میں، اور کل

Presented by Ziaraat.Com

قیامت میں اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور پھر وہ ایک نور بن جائیں گے۔ ابو بصیر کی ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے نعمات بہشتی کو بیان کیا ہے۔ منجملہ حور العین کے بارے سوال کیا کہ یہ کس چیز سے خلق ہوئی۔ فرمایا: بہشت کی نورانی تربت سے، اور ان کے بدن کی شعائیں ستر حلّوں سے بھی چھن کر باہر آتی ہیں۔ ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ کوئی نیکی ایسی نہیں ہے کہ جس کا اجر خداوند نے ذکر نہ کیا ہو سوائے نماز شب کے، اس کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ خداوند نے بیان نہیں فرمایا: صرف اتنا کہا ہے کہ انسان نہیں جانتا خداوند نے ان کے لئے کیا اجر چھپا رکھا ہے اتنا کہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گے۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾۔ (سورہ سجدہ، آیت: ۱۷)

خلقت جنت وجہنم

سوال: ۔ کیا جنت وجہنم خلق ہو چکی ہیں؟

جواب: ۔ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت وجہنم خلق ہو چکی ہیں۔ امام رضا علیہ السلام سے ایک صحابی نے سوال کیا کہ جنت وجہنم خلق ہو چکی ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿وانّ رسول اللّٰہ قد دخل الجنة و رای النار لمّا عرج به الی السماء﴾ کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپؐ جنت میں داخل ہوئے اور جہنم کا مشاہدہ فرمایا۔ راوی کہتا ہے: میں نے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں ابھی تک جنت وجہنم خلق نہیں ہوئی ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: ﴿ما اولئك منا ولا نحن منهم من انكر خلق الجنة و النار فقد كذّب النبيّ و كذّبنا﴾ (بحار، جلد ۸، صفحہ ۱۱۹) جو جنت وجہنم کی خلقت کا منکر ہے وہ نہ ہم سے ہے نہ ہم اس سے ہیں اور اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور ہماری تکذیب کی۔

سورہ نجم میں فرمایا گیا ہے: ﴿عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ﴾ تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کا جواب ہے کہ جو جنت وجہنم کی خلقت کے منکر ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں داخل ہوئے۔ میوۂ بہشتی تناول فرمایا جس سے بی بی پاک سلام اللہ علیہا دنیا میں تشریف لائیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں جب جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہؑ کو چومتا ہوں چونکہ ان سے اسی میوہ بہشتی کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت مریمؑ کو بھی خداوند جو غذا دیتا ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا﴾ جب پوچھتے: یہ کہاں سے آیا ہے تو مریمؑ فرماتیں: ﴿هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ﴾۔ روایات میں ہے کہ یہ بہشتی غذا تھی۔

اور ان کی تعمیر و بناوٹ جاری رہتی ہے انسان جیسے جیسے عمل کرتا ہے جنت میں اس سے مربوطہ منزل تعمیر ہوتی رہتی ہے، تسبیح پڑھنے سے وہاں درخت اگتے رہتے ہیں۔ جب گناہ کرتا ہے تو وہ درخت و محل ختم ہو جاتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

سوال:۔ جنت کہاں پر ہے؟

جواب:۔ بعض آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جنت آسمانوں سے اوپر ہے۔ سورہ نجم میں فرمایا: ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ جو کہ آسمانوں سے اوپر بلندی کا آخر نقطہ ہے اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ سورہ ذاریات میں ہے: ﴿وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بعض نے ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ سے مراد جنت کو لیا ہے، لیکن بعض کے نزدیک یہ عذاب کو بھی شامل ہے جو کہ آسمان سے نازل ہوتا ہے جیسا کہ قوم نوح وغیرہ پر نازل ہوا۔ بہرکیف یہ مسلّم ہے کہ اس کائنات کی وسعتوں کا اندازہ ابھی تک انسان کو نہیں ہوا۔ ہمارا منظومہ شمسی ہماری اس کہکشاں ملکی وے(Milky Way) کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کے مرکز تک پہنچنے کے لئے 26 ملیون نوری سال کا وقت درکار ہے اور ایسی لاکھوں کروڑوں کہکشائیں موجود ہیں، لہٰذا وسعت کے لحاظ سے جنت طبقات بالا میں قرار رکھتی ہے اور جگہ کی تنگی کا کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ البتہ فلاسفہ کے نزدیک جنت وجہنم مادی نہیں ہیں لہٰذا انہیں مادی مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں عالم مادہ وحس سے ماوراء ہیں۔ صدر المتالہین نے اسفار میں کہا ہے: سعادت مندوں میں سے ہر نفس عالم آخرت میں وسیع مملکت رکھتا ہے اور ایک کائنات جو زمین و آسمان سے بھی وسیع ہے لیکن یہ مملکت اس کی ذات سے باہر نہیں ہے بلکہ یہ باغات، خدام، حوران، ثمرات اور مملکت یہ سب کچھ اس کی ذات کے اندر ہے اسی کے ساتھ قائم ہے وہ باذنِ خدا ان کا ایجاد کنندہ اور باقی رکھنے والا ہے۔ اور اخروی اشیاء اگرچہ ان صور کے مشابہ ہیں جو انسان خواب میں دیکھتا ہے لیکن ذاتاً اور حقیقۃً ان سے فرق رکھتی ہیں۔ دونوں اس لحاظ سے مشابہ ہیں کہ کوئی بھی موضوع هیولا (جسمانی مادہ) اور مکان و جہت میں موجود نہیں ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ عالم آخرت اور اس کی اشیاء وصور ایک قوی ترین جوہر ہیں اور لذت والم میں ان کی تاثیر شدید تر ہے اس کائنات کی اشیاء سے چہ جائیکہ خواب کی اشیاء سے۔

یہ ظاہر قرآن وروایات مخالف نظریہ ہے اور یہ نظریہ معاد روحانی والے نظریئے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

مقام اعراف اور اصحاب اعراف کی وضاحت

سورہ اعراف آیات ۴۶ تا ۴۹: ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمَاهُمْ قَالُوْا مَآ أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ أَهٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ﴾

Presented by Ziaraat.Com

ان دو گروہوں کے درمیان حجاب ہے اور اعراف پر ایسے مرد ہیں کہ جو سب کو (جنتیوں اور جہنمیوں) کو چہروں سے پہچانتے ہیں۔ وہ جنتیوں کے اوپر سلام کرتے ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے لیکن انہیں اس کی امید ہے۔ اور جب ان کی توجہ جہنمیوں کی طرف کروائی جاتی ہے تو وہ دعا کرتے ہیں خدایا ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ قرار نہ دے۔ اور اہل اعراف انہیں جنہیں وہ چہروں سے پہچانتے ہیں آواز دیتے ہیں کہ تمہاری اکثریت اور تکبر تمہیں کوئی فائدہ نہ دے سکا کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے تم کہتے تھے خداوند ان پر اپنی رحمت نازل نہیں کرے گا (جنتیوں سے وہ کہیں گے) جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ ہی غم۔

اعراف عُرف کی جمع ہے جس کی معنی بلند جگہ کے ہیں، گھوڑے کی یال (گردن کے بال) کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں اعراف سے مراد وہ بلند جگہ ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگی۔ حائل کے معنی پردے کے ہیں لیکن یہاں کپڑے وغیرہ کے پردے مراد نہیں ہیں بلکہ سورہ حدید آیت ۱۳ میں اسے سُور کہا گیا ہے ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ ان کے (جنتیوں اور جہنمیوں) کے درمیان دیوار لگا دی جائے گی کہ اس دیوار میں دروازہ ہے جس کے اندر کی طرف رحمت ہے اور باہر کی طرف عذاب ہے جہاں یہ دیوار ہوگی اس کے اوپر بلند جگہ پر اصحاب اعراف ہوں گے۔ اور وہ ایسی جگہ پر کہ جہاں وہ جنت و جہنم دونوں پر اشراف رکھتے ہیں اور دونوں یعنی جنت والوں سے بھی اور جہنم والوں سے بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اعراف پر دو طرح کے افراد ہیں۔ ایک آل محمدؐ ہیں اور تمام امتوں کے صلحاء و شہداء اور انبیاء و ائمہ۔ اور دوسرے وہ مؤمن کہ جن کے نیک اعمال اتنے نہیں ہوں گے کہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں اور ان کے گناہ بھی اتنے زیادہ نہیں کہ وہ جہنم میں داخل ہوں البتہ ان کا ایمان ان کے فسق پر رجحان رکھتا ہے کہ بالآخر معصومینؑ کی شفاعت سے وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

قرطبی نے اہل اعراف کے بارے دس قول ذکر کئے ہیں اور آلوسی نے چودہ قول۔ بعض یہ ہیں:

۱۔ اہل اعراف سے مراد ایسا گروہ ہے کہ جن کے گناہ انہیں جنت میں داخلے سے مانع ہیں اور نیکیاں جہنم سے، اور منتظر ہیں کہ خدا ان کے بارے کیا حکم صادر فرماتا ہے، یہ قول اکثر صحابہ کا ہے۔

۲۔ انبیاءؑ و ائمہؑ مراد ہیں۔ جو بلند جگہ پر تشریف فرما ہو کر ناظر ہیں میدانِ قیامت کو، یہ مطلب روایت میں وارد ہے۔

۳۔ یہ عباس، حمزہ، حضرت علی اور جعفر طیار ہیں۔ یہ بھی ایک روایت میں وارد ہے۔

۴۔ یہ عدول مومنین ہیں جو لوگوں کے اعمال کے شاہد ہوں گے۔

Presented by Ziaraat.Com

۵۔ شہداء راہ خدا جو اپنے والدین کے نافرمان تھے۔

۶۔ اولاد زنا جنہوں نے اعمال صالحہ کیے ہوں گے۔

۷۔ جنوں میں سے مومنین ہیں۔

اہل اعراف کی تعیین میں اہل سنت میں روایات بہت کم ہیں اور تفسیر کوثر کے مصنف جناب شیخ یعقوب جعفری کہتے ہیں کہ صحاح ستہ میں ہمیں اس بارے کوئی روایت نہیں ملی۔ طبری نے اس بارے دو روایت رسول خدا ﷺ سے نقل کی ہیں اور دونوں کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، ایک روایت کا مضمون پانچویں قول والا ہے اور دوسری کا مضمون پہلے قول والا ہے۔

جبکہ اس بارے شیعہ روایات کثرت سے ہیں جو کہ تین طرح کی روایات ہیں بعض روایات نے کہا مراد ائمہ و صلحاء ہیں،

﴿عن امیر المؤمنین علیہ السلام قال نحن الاعراف نعرف انصارنا باسمائھم و نحن الاعراف الذین لا یُعرف اللّٰہ الّا عن سبیل معرفتنا و نحن الاعراف نُوقف یوم القیامۃ بین الجنۃ و النار لا یدخل الجنۃ الّا من عرفنا و عرفناہ و لا یدخل النار الّا من انکرنا و انکرناہ﴾ (تفسیر فرات کوفی)

ہم اعراف ہیں کہ جو اپنے مددگاروں کو ان کے ناموں کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ ہم اعراف ہیں کہ خداوند کو نہیں پہچانا جا سکتا مگر ہماری معرفت کے راستے سے، اور ہم اعراف ہیں کہ قیامت کے دن ہمیں جنت و جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر جو ہمیں پہچانے گا اور ہم اسے پہچانے گے۔ اور کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو ہمارا انکار کرے گا اور ہم اس کا انکار کریں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ کے بارے فرمایا:

﴿الائمۃ منا اھل البیت فی باب من یاقوت احمر علی سور الجنۃ﴾ یعنی اعراف سے مراد ائمہ اہل بیتؑ ہیں جو دیوار جنت پر یاقوتِ سرخ کے بنے دروازے پر موجود ہوں گے۔

(بحار، جلد ۸، صفحہ ۳۳۵)

بعض دوسری روایات میں ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کے گناہ ان کے نیکیوں کے مساوی ہیں:

﴿عن الصادق علیہ السلام انہ سئل عنھم فقال قوم استوت حسناتھم و

سیئاتھم فان ادخلھم النار فبذنوبھم وان ادخلھم الجنۃ فبرحمتہ﴾

(کافی، جلد۲، صفحہ۳۸۱)

کہ وہ قوم مراد ہے کہ جن کی نیکیاں اور گناہ مساوی ہوں گے، خدا انہیں جہنم داخل کرے گا تو ان کے گناہوں کی وجہ سے اور اگر جنت داخل کرے گا تو اپنی رحمت کے صدقے۔

بعض روایات میں اعراف ان دونوں قسم کے افراد کو قرار دیا گیا ہے:

﴿عن ابی عبد اللّٰہؑ قال الاعراف کثبان بین الجنۃ والنار، والرجال الائمۃ یقفون علی الاعراف مع شیعتھم و قد سبق المؤمنون الی الجنۃ بلا حساب، فیقول الائمّۃ لشیعتھم من اصحاب الذنوب انظروا الیٰ اخوانکم فی الجنۃ قد سبقوا الیھا بلا حساب وھو قول اللّٰہ ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ﴾ ثم یقال لھم انظروا الی اعدائکم فی النار وھو قولہ ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحَابِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ثم یقول الائمّۃ لشیعتھم ادخلوا الجنۃ لا خوف علیکم ولا انتم تحزنون﴾ (تفسیر قمی، جلد۱، صفحہ۲۳۱)

ترجمہ: اعراف جنت وجہنم کے درمیان ٹیلے ہیں اور رجال سے مراد ائمہ ہیں جو ان ٹیلوں پر کھڑے ہوں گے اور اپنے گناہگار شیعہ سے کہیں گے اپنے مومن برادران کو دیکھو جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ مطلب ہے اس آیت کا ''سَلَامٌ عَلَيْكُمْ..... '' اور پھر ان سے کہیں گے اپنے دشمن ان جہنمیوں کو دیکھو، یہی مطلب ہے آیت ''وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ..... '' کا۔ پھر ائمہ ان شیعہ کی شفاعت فرمائیں گے اور وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

برید عجلی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی اور سوال کیا: ﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ﴾ کے بارے، ﴿قالؑ انزلت ھذہ الآیۃ فی ھذہ الائمّۃ والرجال ھم الائمّۃ من آل محمد. قلت فما الاعراف؟ قال صراط بین الجنۃ و النار فمن شفع لہ الائمّۃ منا من المومنین المذنبین نجا ومن لم یشفعوا لہ ھوی﴾ (بحار، جلد۸، صفحہ۳۳۵)

فرمایا: یہ آیت اس امت کے ائمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رجال سے مراد ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ میں نے پوچھا: اعراف کیا ہے؟ فرمایا: جنت وجہنم کے درمیان راستہ ہے، مومن گناہ گاروں میں سے جس کی شفاعت ائمہ کر دیں گے وہ نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں گر جائے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

ان روایات کے علاوہ خود آیات میں ایسے جملے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ اعراف پر دو طرح کے افراد ہوں گے ایک ائمہ علیہم السلام چونکہ فرمایا: وہ رجال (نکرہ عظمت پر دال ہے) سب کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہوں گے۔ یہ ان کے وسیع علم سے حکایت کرتا ہے یہ ان کی مدح میں وارد ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ مومن گناہ گار ہوں گے کہ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے چونکہ فرمایا: ﴿لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ﴾ یہ جملہ گناہ گاروں سے مناسبت رکھتا ہے۔ یہ فرمانِ خدا کے منتظر ہوں گے اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے حق میں شفاعت ہوگی اور شفاعت معصومینؑ کے نتیجہ میں یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

سوال:۔ عالم برزخ و عالم آخرت کی وضاحت کریں؟

جواب:۔ برزخ کے لغوی معنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ کے ہیں اور فاصلے کے ہیں۔ قرآن میں یہ کلمہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے: سورہ مومنون، آیت: ۱۰۰، سورہ رحمٰن، آیت: ۲۰، سورہ فرقان، آیت: ۵۳۔ شرعی اصطلاح میں برزخ کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان کی روح اس بدن کو چھوڑ کر موت کے ذریعے عالم آخرت کو منتقل ہوتی ہے تو موت کے وقت سے لے کر قیامت کے دن تک کے وقت کو برزخ کہتے ہیں۔ ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (مومنون، آیت: ۱۰۰) یعنی ان کے پیچھے برزخ ہے تا یوم بعث۔

حیات برزخی کا ایمان ضروریات میں سے ہے ایمان بالبرزخ کے بارے روایات وعقائد سب ثابت ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث ہے: ﴿من انكر ثلاثة اشياء فليس من شيعتنا المعراج و المسئالة فى القبر و الشفاعة﴾ (جو تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے: معراج، قبر کا سوال اور شفاعت)۔

سوال:۔ "سوالٌ فى القبر" برزخ کی حیات سے ہی تعبیر ہے یعنی قبر میں سوال کیا وہی برزخی زندگی ہے؟

جواب:۔ آیا اس برزخ سے مراد مانع و حائل ہے کہ دنیا کی طرف رجوع ناممکن ہے، یا قیامت سے پہلے آخرت کی طرف سے مانع موجود ہے، بعض نے یہاں برزخ کے معنی رکاوٹ کے کیے ہیں جیسے زمخشری، فخر رازی اور آلوسی نے کہا ہے، آیت اللہ سبحانی نے کہا: برزخ رکاوٹ کو کہتے ہیں جو کہ دنیا اور قیامت کے درمیان موجود ہے ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ میں رکاوٹ کے ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جبکہ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ برزخ اس فاصلے کو کہتے ہیں جو موت اور قیامت کے درمیان ہے۔ یہی علامہ طباطبائی نے فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ﴿والمراد بهذا البرزخ عالم القبر وهو عالم المثال الذى يعيش فيه الانسان بعد موته الى قيام الساعة﴾ یعنی برزخ عالم قبر ہے جو کہ عالم مثال ہے۔ تفسیر نمونہ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے اور لغوی معنی بھی۔ اسی دوسرے نظریئے کی تائید کرتے ہیں۔ علامہ نے بھی فرمایا کہ سیاق آیات اس نظریئے کی تائید کرتا ہے چونکہ فرمایا: ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ

Presented by Ziaraat.Com

﴿يُبْعَثُوْنَ﴾ یعنی ان کے بعد اب جو مرحلہ ہے وہ اس دنیاوی زندگی سے مختلف مرحلہ حیات ہے جسے اسے ہر حال میں طے کرنا ہے۔ اس کو دیکھیں تو حائل و مانع کے معنی بعید نظر آتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ہوں۔ ہاں برزخ کے یہ معنی ان دوسرے دو موارد میں درست ہیں جو قرآن میں برزخ استعمال ہوا ہے سورہ رحمٰن و سورہ فرقان میں، وہاں صحیح ہے مانع و حائل مراد ہے۔ لیکن اس آیت میں ایسا معنی بعید ہے۔

برزخ کا وجود قرآن وروایات سے ثابت ہے

قرآن سے مختلف آیات جیسے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (آل عمران، آیت:۱۶۹)

وہ جو راہِ خدا میں مارے گئے ہوں انہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور خداوند کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں خداوند کے اس فضل و کرم سے جو خدا نے انہیں دے رکھا ہے۔ شہداء کی حیات برزخی میں فضیلت ان کو دیا جانے والا رزق اور خوشی ہے ورنہ اصل حیات برزخی تو غیر شہداء کو بھی حاصل ہے۔

(۲) ﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (مومن، آیت:۴۵) آل فرعون پر شدید عذاب نازل ہوا، ان کا عذاب آگ ہے وہ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت ہوگی تو انہیں سخت ترین عذاب میں داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

اس آیت میں برزخ کے عذاب کا آل فرعون پر ذکر ہوا ہے جو کہ آگ کی صورت میں ہے، لیکن مراد وہی جہنم کی آگ ہے چونکہ برزخ میں صرف انہیں اس آگ پر پیش کیا جائے گا، جبکہ قیامت کے دن آگ میں داخل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے کہ ﴿انّ احدکم اذا مات عُرِض علیہ مقعدہ بالغداۃ و العشیّ ان کان من اھل الجنۃ فمن الجنۃ و ان کان من اھل النار فمن النار یقال ھذا مقعدک حین یبعثک اللہ یوم القیامۃ﴾ (مجمع البیان، ج۷، نقل از صحیح بخاری و مسلم) کہ مرنے کے بعد شخص کو اس کا جنت کا یا جہنم کا اس کا مقام صبح و شام دکھایا جاتا ہے۔

(۳) ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ (یٰسین، آیت:۲۷) مومن آل یٰسین کو شہید کر دیا گیا، اسے فرشتوں نے کہا جنت میں داخل ہو جاؤ، اس نے کہا کاش میری قوم جان سکتی کہ خداوند نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے ان سے قرار دیا ہے کہ جن کا اکرام

Presented by Ziaraat.Com

کیا جاتا ہے۔

یہ مومن آل یٰسین وہی مومن ہے جو عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے قاصدوں کی مدد کے لئے انطا کیہ آیا، اور اہل انطا کیہ کو نصیحت کی لیکن انہوں نے اسے شہید کر دیا۔ خداوند نے اسے بہشت میں داخل کرنے کا بتلایا ہے، واضح ہے کہ یہ بہشت اخروی نہیں بلکہ بہشت برزخی ہے، یہ آیت برزخ و عالم قبر کی نعمات پر دلالت کرتی ہے۔

برزخ روایات کی روشنی میں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ معروف روایت ہے جب آپ نے اہل بدر کے ساتھ گفتگو فرمائی جنہیں (مردوں کو) ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خطاب فرمایا: ﴿**یا اهل القليب هل وجدتم ما وعد ربكم حقًا فاني وجدت ما وعدني ربي حقًا قالوا يا رسول الله هل يسمعون؟ قال ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكن القوم لا يجيبون**﴾ (کنز العمال، حدیث ۲۹۸۷۶) اے کنویں میں پڑے لوگو بتاؤ تم نے کیا اسے حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا۔ میں نے تو اپنے رب کے وعدے کو حق پایا۔ اصحاب نے سوال کیا کہ کیا یہ سن سکتے ہیں فرمایا: تم ان کی نسبت میری بات زیادہ نہیں سن سکتے لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث ہے: ﴿**واللّٰه ما اخاف عليكم الّا البرزخ**﴾ (نور الثقلین، جلد ۳، صفحہ ۵۵۲) کہ خدا کی قسم میں تم پر نہیں ڈرتا مگر برزخ سے، یعنی قیامت میں تو ہماری شفاعت تمہارے شامل حال ہو جائے گی لیکن برزخ میں تمہیں خود سامنا کرنا ہے۔

بہت سی روایات میں ہے: ﴿**انّ الميّت ليفرح بالترحّم عليه والاستغفار له كما يفرح الحيّ بالهديّة**﴾ میت تمہاری طرف سے اس کے لئے طلب رحمت و استغفار پر ایسے ہی خوش ہوتا ہے جیسے زندہ انسان ہدیہ دیئے جانے پر خوش ہوتا ہے۔ (محجۃ البیضاء، جلد ۸، صفحہ ۲۹۲)

برزخی زندگی کیسے ہوگی

وہ جو روایات سے استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روح موت کے بعد ایک لطیف جسم میں قرار پاتی ہے۔ یہ بدن مادی آثار نہیں رکھتا لیکن اس مادی بدن کے مشابہ ہوتا ہے اسے جسم مثالی کہتے ہیں، یہ نہ مکمل مجرد ہے اور نہ ہی مکمل مادی۔ ایک طرح کا تجرد برزخی رکھتا ہے، ایک لطیف نورانی بدن ہے۔ اس عالم برزخی کو جو کہ عالم مثال ہے خواب سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جیسے انسان خواب کی حالت میں بدن مثالی میں منتقل ہو کر اس کی روح مختلف کام کرتی ہے۔ نعمات سے استفادہ کرتی ہے مختلف مناظر دیکھ کر خوش یا غمگین ہوتی ہے یہ عالم برزخ بھی اسی طرح ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں تصریح کی ہے کہ عالم برزخ کی عالم خواب سے تشبیہ بہت سی روایات میں وارد ہے۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ ممکن ہے نفوس

Presented by Ziaraat.Com

قوتیہ عالیہ متعدد مثالی جسم رکھتے ہوں۔

مرحوم کلینی نے کافی میں معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں خداوند مومنین کی ارواح کو سبز رنگ کے پرندوں کے چینے دان میں قرار دے کر عرش کے اطراف میں ٹھہراتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ﴿لا، المؤمن اکرم علی اللّٰہ من ان یجعلہ فی حوصلة الطیر ولکن فی ابدان کابدانھم﴾ (فروع کافی، جلد۳) فرمایا: نہیں۔ مومن خداوند پر زیادہ محترم ہے اس سے کہ اس کی روح کو پرندے کی چینہ دان میں قرار دے بلکہ ان کی ارواح خداوند ان کے بدنوں جیسے بدنوں میں قرار دیتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہے: ﴿فاذا قبضہ اللّٰہ عزوجل صیّر تلک الروح فی قالب کقالبہ فی الدنیا فیاکلون و یشربون فاذا قدم علیھم قادم عرفوہ فتلک الصورة التی کانت فی الدنیا﴾ (کافی، جلد۳، صفحہ۲۴۵) روح جب قبض کرتے ہیں تو اسے اس دنیاوی بدن کے مشابہ بدن میں قرار دیا جاتا ہے، پس وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور اگر کوئی ان کے پاس آئے تو انہیں وہ اسی صورت پر پہچانتا ہے جس پر وہ دنیا میں تھے۔

مَلِك رُومان فتّان القبور

شیعہ و سنی روایات سے اس نام کا فرشتہ ثابت ہے۔ عبد اللہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ منکر و نکیر کے آنے سے پہلے قبر میں ایک فرشتہ رومان نام کا آتا ہے جس کا کام اعمال کی اطلاع دینا ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے صحیفہ سجادیہ کی تیسری دعا میں رُومان نام کے فرشتے پر درود بھیجا ہے۔ یہ فرشتہ قبر میں آ کر اعمال شمار کرتا ہے اور نامہ اعمال تشکیل دیتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی نے جو میت سے گفتگو کی اس سے بھی یہ مطلب ثابت ہے۔ بحار جلد۲۲ میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان سے فرمایا تھا کہ تم مرض الموت میں ایک مردے سے گفتگو کرو گے، جب حضرت سلمان انتہائی مریض تھے اور انہیں معلوم ہوگیا کہ موت قریب ہے تو انہوں نے اصبغ بن نباتہ سے فرمایا: مجھے قبرستان لے جاؤ، وہاں جا کر ایک مردے کو آواز دی، اے بندۂ خدا! باذنِ خدا قبر سے باہر آؤ اور مجھے اس کے بارے خبر دو جو میں تم سے پوچھوں۔ اچانک ایک شخص اضطراب و وحشت کے ساتھ قبر سے نکلا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ قیامت برپا ہوگئی۔ لیکن جناب سلمانؓ نے اس سے کہا قیامت نہیں آئی میں صحابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلمان ہوں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، سلمان نے اس سے موت کے حالات پوچھے، اس نے بیان کئے، یہاں تک کہ کہا: جب مجھے قبر میں رکھ دیا گیا اور اسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تو مجھے سخت پشیمانی و پریشانی ہوئی، اور بڑی حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ واپس جا سکتا۔ اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ ﴿کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَةٌ ھُوَ قَائِلُھَا﴾ (مومنون، آیت:۱۰۰) میں

Presented by Ziaraat.Com

نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا: فرشتہ ہوں خدا نے مجھے مقرر فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال سے مطلع کروں۔ اس نے کہا: اپنے ان اعمال کو شمار کرو جو تم دنیا میں انجام دیتے رہے ہو، میں نے کہا: مجھے یاد نہیں۔ اس نے کہا: خداوند تو فراموش نہیں کرتا اس نے سب لکھ رکھے ہیں خدا کا یہ فرمان نہیں سنا: ﴿اَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (مجادلہ، آیت:٦) میں تمہیں تمہارے اعمال بتلاتا ہوں تم لکھتے جاؤ۔ میں نے کہا میرے پاس کاغذ و قلم نہیں ہے، کہا: کفن کو کاغذ بناؤ۔ انگلی کو قلم بناؤ اور لعاب دھن کو سیاہی۔ وہ لکھواتا رہا اور میں لکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سب کو لکھوایا پھر اس نے وہ نوشتہ لے کر اسے مہر کیا اور میرے گلے میں ڈال دیا۔ یوں لگا جیسے پہاڑوں کا بوجھ مجھ پر لاد دیا گیا ہو۔ میں نے کہا ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تم نے سنا نہیں قرآن میں ہے: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا﴾ (اسراء، آیت:۱۳)

منکر ونکیر

اس کے بعد دو فرشتے منکر ونکیر کے نام سے قبر میں وارد ہوتے ہیں اور اصول عقائد کے بارے میں سوال کرتے ہیں امام زین العابدین علیہ السلام نے جمعہ کے دن مسجد النبیؐ میں خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں ان کے سوالات کے بارے رہنمائی فرمائی: ﴿الا و انّ اوّل ما یسئلانك عن ربك الذی کنت تعبده وعن نبیك الذی ارسل الیك و عن دینك الذی کنت تدین به و عن کتابك الذی کنت تتلوه وعن امامك الذی کنت تتولّاه، ثمّ عن عمرك فیما افنیته و مالك من این اکتسبته وفیما انفقته فخذ حذرك وانظر لنفسك و اعدّ للجواب قبل الامتحان و المسئلة والاختبار فان تك مومنا تقیا عارفا بدینك متبعا للصادقین موالیا لاولیاء الله لقاك الله حجتك وانطق لسانك بالصواب فاحسنت الجواب فبشّرت بالجنة والرضوان من الله و الخیرات الحسان واستقبلتك الملائکة بالروح والریحان وان لم تکن کذلك تلجلج لسانك و دحضت حجتك و عمیت عن الجواب و بشّرت بالنار و استقبلتك ملائکة العذاب﴾ (بحار، جلد٦، صفحہ۲۲۳) فرمایا: سب سے پہلا سوال منکر ونکیر جو کریں گے وہ تیرے رب کے بارے ہے اور تیرے نبی کے بارے ہے جو تیری طرف بھیجا گیا، تیرے دین کے بارے ہے جس کے تم معتقد تھے، تیری کتاب کے بارے ہے جس کی تم تلاوت کرتے تھے۔ تیرے امام کے بارے ہے جس کی ولایت رکھتے تھے، اس کے بعد تیری عمر کے بارے سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کی، اور پھر تیرے مال کے بارے ہے کہ کس چیز پر خرچ کیا، ابھی سے احتیاط کرو اور سوال وامتحان سے پہلے جواب کی تیاری کرو اگر تم مومن ہوگے، متقی اور دین کے عارف ہوگے اور صادقین کے پیروکار ہوگے اور اولیاء اللہ کی ولایت کے قائل ہوگے تو تمہاری زبان نہیں رکے گی اور صحیح بولے گی، اور تمہیں جنت کی

Presented by Ziaraat.Com

بشارت دی جائے گی، ورنہ زبان اٹک جائے گی، دلیل کمزور پڑ جائیگی، جواب نہیں بن پائے گا اور تمہیں جہنم کی بشارت دی جائیگی اور ملائکہ عذاب تمہیں لے جائیں گے۔

جن سے سوال ہوگا

بعض کے نزدیک سب سے قبر میں سوال ہوگا۔ بعض نے کہا کہ مومن محض اور کافر محض سے سوال ہوگا۔ لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ سب سے سوال ہوگا اور ظاہر روایات یہ ہے کہ اس بدن اصلی میں روح واپس آئے گی لیکن نہ بطور کامل بلکہ اس حد تک کہ جواب دے سکے۔ روایت ہے از امیر المؤمنین علیہ السلام ﴿فاذا اُدخل القبر اتاه ممتحنا القبر فالقيا عنه اكفانه ثمّ يقولان له من ربك..... ﴾ (کافی، جلد ۳) جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو دو فرشتے قبر میں آتے ہیں اور اس سے کفن ہٹا دیتے ہیں اور اس سے سوال شروع کرتے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فاذا دخل حفرته ردّت الروح فى جسده ﴾ قبر میں جب میت داخل ہوتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟

جب سوالات ہو جاتے ہیں اگر ان کے جوابات صحیح ہو جائیں تو پھر قبر نورانی ہو جاتی ہے اور سرہانے کی طرف سے ایک دروازہ جنت کی طرف کھل جاتا ہے اور قبر تا حد نظر وسیع ہو جاتی ہے اور قبر باغ بہشت بن جاتی ہے۔ اور اس میت سے کہتے ہیں ﴿نم نومة راحة ﴾ آرام کی نیند سو جاؤ۔ لیکن کافر، فاسق اور گناہ گار چونکہ سوالات کے جوابات نہیں دے پاتا اس کی قبر تاریک ہو جاتی ہے، پائتی کی طرف سے جہنم کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہر طرح کے عذاب اس کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، منکر و نکیر آگ کے گرز اس کے سر پر مارتے ہیں جس سے قبر آگ سے بھر جاتی ہے۔

فشار قبر

میت جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو ایک مرحلہ فشار قبر ہے اس بارے روایات بہت زیادہ ہیں حتیٰ مومن کو بھی یہ دباؤ سہنا پڑتا ہے، امام صادق علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ مومن کے لئے فشار قبر کفارہ ہے ہوگا اس کی طرف سے نعمتوں کے ضیاع پر۔

سعد بن معاذ کا واقعہ معروف ہے اس کی عظمت واضح ہے لیکن دفن کر چکنے کے بعد جب ماں نے کہا: اے سعد تجھے جنت کی بشارت ہو تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا پر حکم مت کرو ابھی سعد کو فشار قبر ہو رہا ہے۔ اصحاب نے وجہ پوچھی تو فرمایا: ﴿نعم انه كان فى خُلقه معه اهله سوءٌ ﴾ یہ فشار قبر اس وجہ سے ہے کہ سعد اپنے گھر والوں سے بداخلاقی کرتے تھے۔ (بحار، جلد ۶، صفحہ ۲۲۰ و علل الشرائع)

Presented by Ziaraat.Com

بعض روایات میں ہے کہ فشار قبر اتنا سخت ہوتا ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں۔

(بحار، جلد ۶، صفحہ ۲۱۸)

ایک حدیث میں ﴿حتّی انّ دماغه لیخرج من ظُفره و لحمه﴾ (کافی، ج ۴، ص ۲۳۳)

فشار قبر کے اسباب

۱۔ چغل خوری۔

۲۔ پیشاب کی نجاست سے پرہیز نہ کرنا۔

۳۔ گھر والوں سے بداخلاقی۔

۴۔ نعماتِ خدا کو ضائع کرنا۔

۵۔ شوہر کا اپنی بیوی سے بلا وجہ دور ہونا (بستر سے)۔

۶۔ نماز کو خفیف شمار کرنا۔

۷۔ مظلوم و کمزور کی ظالم کے مقابل مدد نہ کرنا۔

۸۔ غیبت کرنا۔

وہ اعمال جو فشار قبر میں تخفیف کرتے ہیں:

۱۔ نماز شب۔

۲۔ رکوع بطور کامل انجام دینا۔

۳۔ صدقہ و نماز مخصوص۔

۴۔ نماز وحشت قبر۔

۵۔ حج۔

۶۔ شب و روز جمعہ کی موت۔

۷۔ دو سبز شاخیں میت کے ساتھ رکھنا۔

۸۔ پانی کا قبر پر چھڑکاؤ۔

۹۔ قرآن کے بعض سورے پڑھنا۔

۱۰۔ راہِ خدا میں شہادت۔

۱۱۔ محمد و آل محمدؐ پر درود شریف پڑھنا۔

Presented by Ziaraat.Com

۱۲۔ محبت اہل بیت علیہم السلام۔

۱۳۔ عورت کا فقیر و بد اخلاق شوہر سے سازگار ہونا۔

۱۴۔ زیارت سید الشہداء علیہ السلام۔

۱۵۔ نجف اشرف کی مٹی میں دفن ہونا۔

۱۶۔ بازماندگان کا ہدیہ وتحفہ دینا۔

جن سوروں کے پڑھنے سے فشار قبر سے نجات ملتی ہے یہ ہیں: حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: جو ہر جمعہ کو سورہ نساء کی تلاوت کرے گا وہ ضغطہ قبر سے امن میں رہے گا۔ (سفینۃ البحار، مادہ قبر)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو سوتے وقت سورہ الہکم التکاثر پڑھے گا فشار قبر سے محفوظ رہے گا۔ (سفینۃ البحار، مادہ قبر)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو سورہ ن والقلم کو کسی فریضہ یا نافلہ نماز میں پڑھتا ہے وہ فشار قبر سے امان میں رہتا ہے۔ (سفینۃ البحار، مادہ قبر)

سورہ زخرف کے بارے بھی یہی وارد ہے کہ جو شخص یہ سورہ ہمیشہ پڑھتا رہے وہ فشار قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ سورہ یٰسین کا سونے سے پہلے، یا غروب سے پہلے پڑھنا اس کے لئے مفید ہے۔ قبر کے اوپر سورہ تبارک پڑھنے سے میت سے عذاب قبر اٹھ جاتا ہے۔

ارتباط با دنیا

روح عالم برزخ میں وارد ہونے کے بعد دنیا سے ایک قسم کا ارتباط باقی رکھ پاتی ہے، اپنے گھر والوں کے حالات سے مطلع ہوتی ہیں۔ مومنین کی ارواح سے خداوند ان کے برے کاموں کو مخفی رکھتا ہے، ان کے اچھے کام ہی ارواح کے علم میں آتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿انّ المؤمن لیزور اهله فیری ما یحبّ و یُستر عنه ما یکره و انّ الکافر لیزور اهله فیری ما یکره و یُستر عنه ما یکره، قال ومنهم من یزور کلّ جمعة ومن یزور قدر عمله﴾ (کافی، جلد۳، ص۲۳) ترجمہ: مومن کی روح جب گھر والوں کی زیارت کو آتی ہے تو صرف ان کے پسندیدہ کام ہی دیکھ پاتی ہے اور ان کے ناپسندیدہ کام خدا اس سے پوشیدہ رکھتا ہے، جبکہ کافر میں برعکس ہے نیز آپ نے فرمایا: بعض ارواح ہر جمعہ کو آتی ہیں اور بعض اپنے عمل کے مطابق۔

اس روایت میں ہے بعض ارواح ہر جمعہ کو اپنے بازماندہ افراد کی زیارت و ملاقات کے لئے آتی ہیں اور بعض اپنے عمل کے مطابق مختلف اوقات میں۔ ایک روایت میں ہے: ہر مومن و کافر زوال کے وقت زیارت کو آتی ہیں۔ جب

Presented by Ziaraat.Com

مومن روح گھر والوں کو اچھے کام کرتے دیکھتی ہیں تو خدا کا شکر کرتی ہیں۔ (کافی، جلد ۳، ص ۲۳)

اسحاق بن عمار نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سوال کیا: ﴿عن الميت يزور اهله؟ قال نعم فقلت في كم يزور، قال في الجمعه وفي الشهر و في السنة على قدر منزلته، قلت في ایّ صورة ياتيهم؟ قال في صورة طائر لطيف يسقط على جُدُرهم و يُشرف عليهم﴾ (کافی، جلد ۳، ص ۲۳) راوی کہتا ہے: میں نے سوال کیا کہ کیا روحیں گھر والوں کو دیکھنے آتی ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا: کتنی مدت بعد؟ فرمایا: ہر جمعہ، ہر مہینہ یا ہر سال، یہ ہر شخص کے عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا: کس شکل میں؟ فرمایا: خوبصورت پرندے کی شکل میں جو دیواروں کے اوپر آ کر بیٹھتا ہے اور اوپر سے انہیں دیکھتا ہے۔

ممکن ہے اس روایت میں جو یہ مطلب کہا گیا ہے کہ پرندے کی صورت میں آتی ہیں تمثیل مراد ہو یعنی جیسے پرندے دیواروں پر آ بیٹھتے ہیں اس طرح ارواح بھی آتی ہیں۔

قبروں پر جانا

جب کوئی شخص کسی مرحوم کی قبر پر جاتا ہے تو میت اسے محسوس کرتا ہے۔ خوش ہوتا ہے اور اس کے واپس جانے سے اسے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ اسحاق بن عمار نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے: ﴿المؤمن يعلم بمن يزور قبره؟ قالَ نعم ولا يزال مستانسًا به ما دامت عند قبره فاذا قام وانصرف من قبره دخله من انصراقه عند قبره وحشة﴾ (کافی، جلد ۳، ص ۲۳)

برزخ میں انسانوں کی تقسیم

انسان کمال ونقص کے اختلاف کی وجہ سے برزخ میں بھی مختلف طرح سے ہوتے ہیں اس لحاظ سے حجۃ الاسلام ڈاکٹر حبیب اللہ طاہری لکھتے ہیں کہ انسان پانچ اقسام پر ہیں:

۱۔ وہ جو ایمان کے کامل ترین درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ منکر ونکیر کے جب درست جواب دے لیتے ہیں تو ان کی روح کو بدن مثالی میں قرار دے کر برزخی جنت یعنی وادی السلام (نجف اشرف) منتقل کر دیا جاتا ہے اور وہاں مولا امیر المومنین علیہ السلام کے حضور میں برزخی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، البتہ ان کا قبر سے رابطہ بھی ختم نہیں ہوتا مسلسل ایک رابطہ سا رہتا ہے لہٰذا جب کوئی ان کی قبر پر آتا ہے تو انہیں اس کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿ما من مؤمن في بُقعة من بِقاع الارض الاّ قيل لروحه الحقي بوادي السلام و انّها بُقعة من جنّة عدن﴾ (کافی، جلد ۳، ص ۲۴۳) مومن دنیا کے جس خطے میں بھی فوت ہوتا ہے اس کی روح سے کہا جاتا ہے وادی السلام پہنچو، یہ جنت عدن کا ایک حصہ ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

۲۔ وہ مومن جو ایمان کے اس کمال پر فائز نہ ہوں جس پر پہلے گروہ والے فائز تھے یہ منکر ونکیر کے جواب دے لیتے ہیں تو ان کی قبر میں سر کی طرف دروازۂ جنت کھل جاتا ہے اور قبر تا حد نظر وسیع ہو جاتی ہے اور خود قبر روضۃ من ریاض الجنۃ بن جاتی ہے۔

۳۔ کافر محض قبر میں وارد ہوتے ہی برزخی جہنم یعنی وادیٔ برھوت میں بھیج دیئے جاتے ہیں، حضرت امیرؑ نے فرمایا: ﴿شرّ بئر فی النار برھوت الذی فیہ ارواح الکفار﴾ (کافی، جلد۳، ص۲۴۳) برھوت جہنم کا بدترین کنواں ہے جس میں کفار کی روحیں قرار دی جاتی ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے اس کی نشاندہی میں فرمایا: ﴿خیر ماء علی وجہ الارض ماء زمزم و شرّ ماء علی وجہ الارض ماء برھوت وھو واد بحضرموت یرد علیہ ھام الکفار و صداھم﴾ (کافی، جلد۳، ص۲۴۶) یعنی بہترین پانی زمین پر زمزم کا پانی ہے اور بدترین پانی برھوت کا پانی کا ہے، برھوت (یمن میں) حضرموت نامی جگہ پر ایک وادی ہے جہاں کفار کی ارواح وارد ہوتی ہیں۔

۴۔ گناہ گار مومن ہیں جو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں، یہ منکر ونکیر کے بعض سوالوں کے جوابات نہیں دے پاتے، ملائکہ آگ کے گرز ان کے سر پر مارتے ہیں جس سے ان کی قبر آگ سے بھر جاتی ہے انہیں قبر میں تا قیام قیامت عذاب ہوتا رہتا ہے۔ (کافی، جلد۳، صفحہ ۲۳۵)

۵۔ وہ لوگ ہیں جو نہ اہل ثواب ہیں اور نہ اہل گناہ یہ قبر میں بے ہوشی کی حالت میں رہتے ہیں تا قیام قیامت۔ (سیری در جہان پس از مرگ، صفحہ ۳۲۹)

برزخ مومن کی تربیت گاہ

بعض روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مومن میں کوئی کمی ہو تو برزخ میں اسے دور کیا جاتا ہے اگرچہ عمل صالح کو وہاں انجام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن علم و معرفت میں اضافہ ممکن ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: ﴿من مات من اولیائنا و شیعتنا ولم یُحسِن القرآن عُلِّم فی قبرہ لیرفع اللّٰہ بہ من درجتہ فان درجات الجنۃ علی قدر آیات القرآن یقال لہ اقرء و ارق فیقرأ ثمّ یرقی﴾۔ (سیری در جہان پس از مرگ، صفحہ ۳۲۹) اگر مومن قرآن نہ پڑھا ہو تو برزخ میں اسے قرآن پڑھایا جاتا ہے تاکہ خداوند اس کے ذریعے اس کے درجات کو بلند کرے۔ چونکہ جنت درجات آیات قرآن کے مطابق ہیں، کہا جائے گا آیت پڑھو اور بلند ہوتے جاؤ۔

مسئلہ چاند

سوال:۔ چاند، افق، تحت الشعاع وغیرہ جیسے الفاظ چاند دیکھنے میں استعمال ہوتے ہیں ان کی وضاحت کریں؟

Presented by Ziaraat.Com

جواب :۔ زمین کے گرد چاند کی حرکت سورج کی نسبت تیز ہے، چاند ہر روز فلک بروج کے تیرہ (۱۳) درجے طے کر لیتا ہے جبکہ ہر روز سورج ایک درجہ طے کرتا ہے۔ جب چاند مغرب کی جہت میں سات درجے اور قدماء کے نظریئے کے مطابق بارہ درجے مشرق کی طرف فاصلہ طے کر لیتا ہے تو اس کا نصف روشن حصہ ہمارے لئے ظاہر ہو جاتا ہے اور ہم غروب کے بعد اسے دیکھ پاتے ہیں اسے "ہلال" کہتے ہیں۔ جیسے جیسے سورج سے دور ہوتا جائے گا اس کا روشن حصہ زیادہ ہوتا جائے گا، چوتھی رات اس کی قوس نور بڑھ جائے گی یہ "قمر" کہلاتا ہے چودھویں کی رات مکمل روشن ہو جاتا ہے اسے "بدر" کہتے ہیں، بدر مشرق سے طلوع کرتا ہے سورج کے غروب کے وقت یا اس سے بعد، پھر ۱۶ سے لے کر ۲۶ تک کی راتوں میں قمر کہلاتا ہے اور ۲۷ کی رات سے لے کر تحت الشعاع جانے تک ہلال کہلاتا ہے اور جب سورج کی شعاعوں میں داخل ہو جائے یعنی اس کے اور سورج کے درمیان بارہ درجے سے کم فاصلہ رہ جائے تو اسے "محاق" کہتے ہیں اور محاق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی کی وجہ سے وہ چھپ جاتا ہے اور ہمیں نظر نہیں آتا، اور جب سورج کے ساتھ جمع ہو جائے تو اسے "اقتران" کہتے ہیں۔

تو گویا ترتیب یوں ہوگی، پہلے محاق ہوگا یعنی جب چاند شعاع شمس کے نیچے چھپ جائے اور اس کے بعد اقتران ہے، یعنی تحت الشعاع میں ٹھہرنے کی مدت اقتران ہے اور اس کے بعد تحت الشعاع سے نکلنا ہے، اب مشرق کی طرف سورج سے جیسے جیسے دور ہوگا ہمیں نظر آنا شروع ہو جائے گا اور یہ فاصلہ قدماء کی نظر میں ۱۲ درجے تک نظر آنے کی تحقیق ہوئی ہے۔ سورج ایک درجے کا فاصلہ دو گھنٹے میں طے کرتا ہے اور چاند تحت الشعاع سے تقریباً ۲۴ گھنٹے بعد نکلتا ہے یوں محاق یا تحت الشعاع کا کل وقت ۴۸ گھنٹے ہوگا۔

رویت ہلال

چاند دیکھنے کے چار شرائط ہیں: (۱) چاند کی ولادت سورج غروب ہونے سے پہلے ہو۔ (۲) غروب کے بعد چاند باقی رہے۔ (۳) تحت الشعاع سے فاصلہ پیدا کرے۔ (۴) چاند میں نور ظاہر ہو۔ اور امکان رویت کے لئے بھی کچھ چیزیں دخالت رکھتی ہیں: جیسے: بُعد زاویہ، ارتفاع و بلندی، افق پر ٹھہرنے کی مدت، عمر ہلال اور اوج و حضیض۔

(۱) سورج سے دوری :۔ قدیم ہیئت دانوں کے نزدیک یہ دوری ۱۲ درجے ضروری تھی تب وہ تحت الشعاع سے خارج ہوتا ہے اور رویت کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس نظریہ کے بعض محققین ۱۰ درجے کافی سمجھتے تھے، لیکن جدید فلکیات کے ماہرین کی استنبول (ترکی) اور کویت میں جو کانفرنسیں ہوئی ان میں تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر چاند سورج سے سات درجے دوری پیدا کر لے تو قابل رویت ہو جاتا ہے بشرطیکہ سورج کے غروب کے وقت اس کی بلندی (ارتفاع) پانچ درجے یا اس سے زیادہ ہو تا کہ نظر آسکے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۲) **غروب کے بعد ٹھہرنا** :۔ غروب شمس کے بعد چاند کتنی دیر باقی رہنا چاہئے جتنا زیادہ ٹھہرے گا اتنا ہی زیادہ قابل رؤیت ہوگا۔ لہٰذا اگر چاند سورج کے غروب کے بعد نہ رہے بلکہ سورج کے ساتھ ہی غروب کر جائے تو یہ رؤیت کے قابل نہیں ہوگا۔

(۳) **چاند کا انداز** :۔ چاند کے کنارے نیچے کی طرف ہوتے ہیں۔ یہ شروع ماہ کا چاند ہے اس کی گولائی اوپر کی طرف ہوتی ہے، اگر اس کی گولائی دائیں طرف ہو یا نیچے کی طرف ہو تو یہ شروع ماہ والا چاند نہیں ہے۔

(۴) **ارتفاع** :۔ ولادت کے بعد جب تک چاند کا زاویہ ارتفاع افق سے پانچ درجے تک نہ پہنچ جائے وہ قابل رؤیت نہیں ہوتا۔

(۵) **عمر ہلال** :۔ یعنی اقتران سے کتنا وقت گزرا ہے، مثلاً ۲۴ گھنٹے کا چاند کہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۴ گھنٹے پہلے چاند اقتران سے نکلا ہے، ہلال کی عمر کہہ لیں یا سورج کے غروب کے بعد افق پر چاند کا ٹھہرنا کہہ لیں دونوں کا ایک ہی مطلب ہے، پہلی رات ایک گھنٹے سے کم ٹھہرتا ہے لیکن اگر اس سے کمتر ہو اس کا ٹھہرنا ہو یعنی ایک گھنٹے سے پہلے غروب کر جائے تو یہ نظر نہیں آسکے گا۔ اقتران اور غروب کا ٹائم کم از کم 15:24 گھنٹے ہوں یعنی اتنی عمر کا چاند قابل رؤیت ہے، شیخ بہائی نے ۲۴ گھنٹے کہی ہے اور بعض فقہاء نے ۱۸ گھنٹے کہے ہیں یعنی اگر عمر ہلال اس سے کمتر ہو تو شہادت قابل قبول نہیں ہوگی۔

(۶) **ولادت ہلال** :۔ چاند کا تحت الشعاع سے خروج تو سب لوگوں کے لئے ایک ہی ہوگا لیکن اس کی رؤیت مختلف ہوگی، چاند اگر صبح نظر آئے تو شام کو قطعاً نظر نہیں آئے گا چونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تحت الشعاع میں داخل ہی نہیں ہوا لہٰذا اسے تحت الشعاع میں دخول اور پھر اس سے خروج کے لئے وقت چاہئے جو کہ ۳۰ سے ۴۸ گھنٹے تک ہے۔

جدید فلکیات کی رو سے دوربینوں کے ذریعے غروب سے پہلے بھی رؤیت ہلال ممکن ہے بشرطیکہ بعد از اقتران اس کی عمر بارہ گھنٹے ہو چکی ہو۔

محاق میں جانے سے پہلے چاند تحت الشعاع میں جاتا ہے یعنی محاق سے ۱۲ درجے پہلے تحت الشعاع میں ہوگا پھر محاق ہے جو کہ سورج کے ساتھ مقارنت ہے، اس کے ۱۲ درجے بعد تحت الشعاع میں رہتا ہے یہ مجموع ۲۴ درجے ہوئے جس کی کل مدت ۴۰ گھنٹے ۴۸ منٹ بنتی ہے گویا تحت الشعاع اور محاق کا کل ٹائم ۴۰ گھنٹے ۴۸ منٹ ہوگا۔

چاند جب ایک علاقہ میں نظر آجائے تو جو علاقے اس کے مغرب میں ہیں وہاں زیادہ واضح نظر آئے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

طول البلد وعرض البلد کا اختلاف

جس جگہ کا طول البلد دوسری جگہ سے کمتر ہو تو وہ چاند دیکھنے کا امکان رکھتا ہے مثلاً طہران کا طول البلد 51/5 درجہ ہے سورج تہران میں گرینوج سے ۳ گھنٹے ۲۶ منٹ پہلے غروب ہوتا ہے لہٰذا غروب شمس کے وقت چاند تحت الشعاع ہوگا، ابھی ایک درجہ اس کے شعاع سے نکلنے میں باقی ہے جو کہ ایک گھنٹہ چالیس منٹ بعد وہ تحت الشعاع سے نکلے گا، پس تہران اور اس کے موافق طول والے شہروں میں چاند نظر نہیں آئے گا اور جن شہروں کا طول ایک گھنٹہ ۴۶ منٹ سے کمتر ہے ان میں نظر آئے گا۔

مسئلہ رؤیت

اکثر فقہاء رؤیت کو ضروری سمجھتے ہیں صحیحہ محمد بن مسلم میں ہے: ﴿اذا رأيتم الهلال فصوموا و اذا رائيتموه فافطروا و ليس بالرای ولا بالظن ولكن بالرؤية﴾ (وسائل، جلد ۷، صفحہ ۱۸۲) کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو یا افطار کرو ظن ورائے سے نہیں۔

صحیحہ منصور بن حازم میں ہے: ﴿صم لرؤيته الهلال و افطر لرويته و ان شهد عندك شاهدان مرضيان بانهما رأياه فاقضه﴾ (وسائل، جلد ۷، صفحہ ۱۸۲) چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر دو عادل شخص دیکھنے کی شہادت دیں تو اس پر عمل کرو جو روزہ نہیں رکھا اس کی قضا کرو۔

سوال یہ ہے کہ رؤیت موضوع ہے یا طریق؟ فقہ کا قانون ہے کہ جب کوئی فعل کسی موضوع کے وجود خارجی پر مترتب ہو تو وہ فعل تب ہوگا کہ مکلف اس موضوع کے وجود کو خارج میں احراز کرلے (جان لے کہ وہ متحقق ہو چکا ہے) اور خارج میں مہینے کا وجود ہلال کی پیدائش سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا جب مکلف کے لئے ہلال ثابت ہو جائے تب ماہ رمضان شروع ہوگا، پس ہلال کا اثبات ضروری ہے چاہے رؤیت کے ساتھ ہو یا کسی اور طریقے سے، اور روایات نے رؤیت کو اس لئے ذکر کیا چونکہ یہ آسان و میسّر ہے لہٰذا رؤیت طریق ہے نہ کہ موضوعیت رکھتی ہے۔

سحر یعنی جادو کیا ہے؟

جواب:۔ جادو کے معنی میں علماء میں اختلاف ہے بطور کلی ایسے خارق العادہ کام جو انسان پر اثر چھوڑیں، بعض دفعہ نظر بندی ہے اور بعض دفعہ صرف خیال۔ اگر سحر خارق العادہ کام ہے تو پھر معجزہ کے ساتھ اس کا کیا فرق ہے؟

"سحر انسانی محدود قوت پر موقوف ہے جبکہ معجزہ خداوند کی بے پایاں و لایزال قدرت سے سرچشمہ پاتا ہے۔ لہٰذا جادوگر صرف محدود و مخصوص کام ہی کر سکتا ہے اس کے علاوہ اس سے کچھ کرنے کو کہیں تو وہ عاجز ہو جائے گا جبکہ نبی لوگوں کی خواہش پر اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر معجزہ پیش کرتے ہیں، لہٰذا محدود نہیں ہیں کہ فلان معجزہ طلب کریں فلان نہ

Presented by Ziaraat.Com

کریں بلکہ جو وہ طلب کریں منشاء خدا کے مطابق نبی اسے انجام دینے پر قادر ہوتا ہے۔

نوروز

سوال:۔ نوروز کیا ہے اور اس کی حقیقت مذہبی لحاظ سے کیا ہے؟

جواب:۔ پہلے اصل عید کو بیان کرنا ضروری ہے کہ قرآن اس بارے کیا تصور دیتا ہے اس کے بعد نوروز کی حیثیت کی تعیین کریں گے۔

عید عود سے لیا گیا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، جیسے عید الفطر ہے۔ فطر، فطرت سے لیا گیا ہے عید الفطر یعنی فطرت کی طرف لوٹنا مراد ہے یا فطور سے ہے جس کے معنی امساک توڑنے کے ہیں یعنی دوبارہ اس حالت کی طرف لوٹنا جس میں صبح امساک ضروری نہیں تھا۔ اب عید کے معنی عام استعمال میں جشن کے ہیں۔ کسی امر کی خوشی منانا عید کہلاتا ہے۔ اسلام نے باقاعدہ طور پر چار عیدوں کا اعلان کیا ہے: (۱) عید الاضحیٰ (قربانی والی عید)، (۲) عید الفطر، (۳) عید جمعہ، (۴) عید غدیر۔ عید غدیر جشن ولایت و امامت ہے اس میں انسان اپنے نفس کی طرف رجوع کرتا ہے کہ آیا اس نے درست راہ کا انتخاب کیا ہے اور رہبری و ہدایت جیسے اہم مسئلہ میں اس نے صحیح رہبر کا انتخاب کیا ہے۔ اور عید الفطر فطرت کی طرف رجوع جو کہ پاکی و پاکیزگی ہے ماہ رمضان میں تیس دن کی مسلسل محنت رنگ لاتی ہے انسان طبعاً گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اب وہ عید مناتا ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا فلسفہ یوں بیان فرمایا ہے: ﴿انّما هو عيد لمن قبل اللّٰه صيامه و شكر قيامه و كلّ يوم لا يُعص الله فيه فهو عيد﴾ (حکمہ ۴۲۸) عید الفطر اس کی عید ہے جس کے روزے خدا قبول کر لے اور اس کا قیام بارگاہ خدا میں مورد شکر قرار پائے اور جس دن بھی خدا کی معصیت نہ کی جائے وہ دن اس بندے کے لئے عید کا دن ہے۔

قرآن کریم میں ''عید'' کی لفظ ایک بار استعمال ہوئی ہے وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مربوط ہے۔ ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾ (مائدہ، آیت:۱۱۴) خداوند ہمارے اوپر آسمانی دسترخوان نازل فرما جو ہمارے لئے عید ہو ہمارے اول و آخر کیلئے۔ اس مائدہ کو عید قرار دیا۔ جو کہ خداوند کے ساتھ ارتباط و پاکی کی علامت ہے اور چونکہ یہ ''مائدہ'' اتوار کے دن نازل ہوا اس لئے عیسائی اس دن کو روز عید و تعطیل قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن بابرکت و محترم ہے، مسلمانوں کو چاہئے جمعہ کا دن تعطیل و عید کا قرار دیں۔

پس قرآن کی نظر میں عید کا دن وہ ہے کہ جس میں خداوند سے ارتباط ہو اور انعام خداوندی حاصل ہو اور انسان اپنے آپ کو اس قابل بنالے کہ ارتباط خداوندی اسے حاصل ہو سکے۔

Presented by Ziaraat.Com

نوروز

سورج جب اپنی سالانہ کی حرکت مکمل کر کے نئے سرے سے برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو اس دن کو اول حمل اور نوروز کہا جاتا ہے۔ یہ بہار کی ابتداء ہے۔ زمین جو خزان جھیل کر مردہ ہو چکی تھی حیات تازہ پاتی ہے، خداوند قرآن میں اسے بیان فرماتا ہے ﴿الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنَاهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا... ﴾۔ مردہ زمین کو ہم نے زندہ کر دیا۔ درخت مردہ ہو چکے تھے بہار کے شروع ہوتے ہی ان پر پھول کلیاں کھل اٹھتی ہیں، ہر چیز میں حتیٰ کہ انسانوں کی طبیعت میں تر و تازگی کا احساس جاگ اٹھتا ہے انسان یادِ خدا میں غرق ہو جاتا ہے کہ منزہ ہے وہ ذات جس نے ان مردوں کو دوبارہ زندہ کر دیا حیات کا احساس پیدا کر دیا۔ طبیعتوں کو تازگی عطا کر دی یہ ایک طبعی عید ہے، اس دن کو اس احساس کے ساتھ عید کا عنوان دینا انسانی فطرت کا اظہار ہے۔

اسلامی نکتہ نظر سے

دیکھنا یہ ہے کہ اس کی تاریخ کتنی پرانی ہے کہ یہ اسلامی منابع میں وارد ہوا ہو۔ صاحب ابن عباد نے الاعیاد و فضائل النیروز کے نام سے کتاب لکھی۔ شیخ صدوق کی کتب میں ایسا ذکر نہیں ملتا۔ سوائے من لا یحضرہ الفقیہ میں روایت نوروز کے۔ شیخ طوسی نے المصباح المتہجد میں روز متبرک کے طور پر ذکر کیا ہے اور اس کی نماز و استحباب روزہ بیان کیا ہے۔ ابن ادریس السرائر میں لکھتے ہیں: ہمارے شیخ ابو جعفر (شیخ طوسی) نے المصباح میں چار رکعت نماز نافلہ در یوم نوروز فرس کا ذکر کیا ہے لیکن اس دن کی تعیین نہیں کی۔

ذخیرۃ الآخرۃ دعاؤں کی کتاب ہے جو قرن ششم میں لکھی گئی اس میں ایک فصل ہے جس کا عنوان عمل یوم النوروز ہے۔ اس میں معلّی بن خنیس کی روایت آئی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جس دن نوروز ہو اس دن غسل کرو، نیا لباس پہنو، خوشبو لگاؤ اور نماز ظہر کے بعد چار رکعت نماز دو سلام کے ساتھ پڑھو۔ پہلی رکعت میں الحمد اور دس بار انا انزلناہ (سورہ قدر)، دوسری رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورہ کافرون، تیسری رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورہ قل ھو اللہ احد اور چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد معوذتین پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو تسبیح فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا پڑھے۔ اس عمل سے خداوند تمہارے ساٹھ سال کے گناہ معاف فرما دے گا۔

نزھۃ الزاھد نامی دعاؤں کی کتاب بھی قرن ششم میں لکھی گئی اس میں بھی امام صادق علیہ السلام سے یہی عمل نقل کیا گیا ہے۔

قطب الدین راوندی نے اپنی کتاب لب اللباب میں ایک حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ: ﴿ابدلکم اللہ بیومین یومین بیوم النیروز و المھرجان الفطر والاضحیٰ﴾ کہ خداوند نے تمہارے لئے

دو دن نوروز و مہرگان کے بدلے فطر و اضحیٰ قرار دیئے ہیں۔

ابن شہر آشوب نے ایک روایت نقل کی ہے کہ منصور دوانقی نے امام کاظمؑ سے کہا: نوروز کے دن اس کی جگہ پر بیٹھیں اور جو ہدایا اس کے لئے آئیں انہیں وصول کریں۔ امام پاکؑ نے جواب میں فرمایا: ﴿انّی قد فتّشت الاخبار عن جدّی رسول اللّٰہ فلم اجد لهذا العید خبراً انّه سنة الفُرس محاها الاِسلام و معاذ اللّٰه ان نحیی ما محاها الاسلام﴾ میں نے اپنے جد کی روایات دیکھی ہیں ان میں اس عید کے حوالے سے کوئی روایت نہیں ملی یہ فرس (ایرانیوں) کی عید ہے جسے اسلام نے مٹا دیا اور خدا کی پناہ کہ ہم کوئی ایسی رسم زندہ کریں جسے اسلام نے مٹا دیا ہو۔

صاحب جواہر نے نوروز کے روزہ کے استحباب کی تاکید کی ہے اور پھر امام کاظمؑ کی اس اوپر والی روایت کو ذکر کر کے کہا: یہ استحباب صوم کے ساتھ منافات نہیں رکھتی۔

آپ نے دیکھا نوروز کی تائید کے حوالے سے معلّی بن خنیس کی روایت کے علاوہ کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں ابو حنیفہ کے باپ یا دادا نے فالودہ پیش کیا۔ پوچھا: کس لئے ہے؟ تو کہا: یہ ہدیہ نوروز ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ہر روز کو نوروز بناؤ۔

اموی و عباسی حکمران اس عید کو باقاعدہ طور پر مناتے تھے اور انہیں ایرانی علاقوں کے گورنروں سے ہدیئے بھیجے جاتے تھے۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ معاویہ نے خلافت حاصل کرنے کے بعد عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ کو لکھا کہ نوروز اور مہرگان کے ہدایا اسے بھیجے جائیں۔ عمر بن عبد العزیز نے اس چیز کو روک دیا۔ اس کے بعد یزید بن عبد الملک نے دوبارہ نوروزی ہدایا لینے کا کام شروع کیا۔

غزالی نے کیمیای سعادت میں نوروز کے روزہ کو مکروہ کہا ہے کہ یہ تشبہ ہے مجوس کے ساتھ۔ اور ابن قدامہ نے المغنی میں اسے مکروہ کہا ہے کہ یہ دن کفار کے ہاں عید شمار ہوتا ہے۔

ہماری فقہ میں جو استحباب روزہ ذکر ہوا ہے وہ مسلّم نہیں ہے کہ یہی دن ہے جس دن ایرانی نوروز مناتے ہیں۔ اس بارے فقہاء میں اختلاف ہے۔ شہید اول نے ذکری میں تین احتمال دیئے ہیں کہ ہوسکتا ہے برج حمل کا پہلا دن ہو اور ہوسکتا ہے برج ثور کا دوسرا دن ہو۔

ابن فہد حلی نے اس بارے تفصیل سے گفتگو کی ہے کہا یہ روز جلیل القدر ہے لیکن اس کی تعیین مشکل ہے پھر ابن ادریس اور شہید کی کلام نقل کی ہے اور آپ نے معلّی والی روایت کو ایک دوسرے متن کے ساتھ جو کہ مفصل تر ہے نقل کیا

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ آپ سے پہلے یہ روایت کسی اور شیعی منبع میں نہیں آئی، اس روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: روز نوروز وہ روز ہے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں ولایت و امامت علی علیہ السلام کا اعلان کیا۔ روز نوروز وہ دن ہے جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وادیٔ جن بھیجا اسی دن حضرت علی علیہ السلام کو خوارج پر فتح ہوئی اور آپ نے ذوالثدیہ کو قتل کیا۔ اس دن ہمارے قائم ظہور کریں گے، اس دن دجال پر فتح پائیں گے۔ فرمایا: یہ ہمارا دن ہے جسے فارسیوں نے حفظ کیا اور آپ (عربوں) نے اسے ضائع کیا۔

اس کے بعد ابن فہد معلّی سے دوسری روایت نقل کرتے ہیں جس میں فضائل نوروز بیان ہوئے۔ علامہ مجلسی نے مزید مفصل کرکے یہ روایت نقل کی ہے یہ کہہ کر کہ میں نے معتبر کتاب میں دیکھی ہے۔ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک دوسری روایت بھی کہا: ﴿رایت فی بعض الکتب﴾۔ آخر میں کہا: میں نے یہ روایات کتب منجمین سے نقل کیں اور وہ اس لئے کہ ہمارے ائمہؑ سے نقل ہوئی ہیں ورنہ ہم ان پر اعتماد نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ اعمال جیسے سات سلام زعفران سے لکھنا اور پینا۔ چالیس سورہ یٰسین انار پر پڑھنا اور ستر مرتبہ دعا ﴿یا مقلب القلوب﴾ پڑھنا یہ سب صفوی دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ عباس قمی نے بھی غیر مشہورہ کتب نقل کیا ہے۔

(استفادہ از عارف بزرگ شیخ حسین انصاریان مدظلہ = عرفان)

جہاں تک اس دن کو عید منانے کا تعلق ہے تو ابتداء میں بیان کر دیا کہ یہ دن طبعاً عید کا دن ہے۔ اسلام رسوم کا مخالف نہیں ہے بدعات کا مخالف ہے خرافات کا مخالف ہے نہ کہ خوشی منانے کا مخالف ہے۔ اس دن کے عید کے طور پر برگزار کرنے میں کچھ رسمیں ایسی ہیں جن کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے جیسے چہار شنبہ سوری اور اس میں آگ کے اوپر سے پھلانگنا۔ ۱۳ فروردین کو سیزدہ بدر (بہ در) کے طور پر منانا یہ ایسی رسمیں نہیں ہیں کہ اسلام ان کی تائید کرے۔ باقی نیا لباس پہننا، خوشبو لگانا، گھروں میں جا کر ملاقات، دعوت کرنا، کھانے کھلانا، یہ وہ افعال ہیں جو اس دن عید کے طور پر انجام دیئے جاتے ہیں اسلام اس سے نہیں روکتا۔

اور حضرت علی علیہ السلام کی تاجپوشی و روز غدیر کے طور پر منانا مسلّماً عید ہے اور اس عنوان سے منائیں تو کوئی جائے شک و شبہ ہی نہیں ہے لیکن ایران میں لوگوں میں اسے عید منانا اس عنوان سے کم ہی مدنظر ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں یہ ان کی ملی عید ہے۔

شفاعت

سوال:۔ شفاعت کا مطلب کیا ہے اور کس کی شفاعت ہوگی؟

جواب:۔ **شفاعت کے لغوی معنی:۔** ﴿شفع الشیٔ ای صیّرہ شفعا یعنی زوجًا بان

Presented by Ziaraat.Com

یضیف الیه مثله ﴾ یعنی ایک شئ کو دوسری شئ کے ساتھ ملا کر انہیں ایک سے دو بنا دینا، عربی میں طلب معاونت کے معنی میں اس بناء پر آتا ہے۔

شفاعت کے اصطلاحی معنی اس لغوی معنی کے قریب ہیں۔ شفاعت یعنی ﴿السؤال فی التجاوز عن الذنوب ﴾ یعنی گناہوں سے درگزر کی درخواست کرنا، حضور پاک ﷺ کی شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خداوند سے گناہوں کی بخشش اور حوائج برآری کا سوال کریں اور دعا کریں۔

انسان بعض دفعہ اغواء شیطان کا شکار ہو کر گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن ضمیر اسے سرزنش کرتا رہتا ہے۔ وہ پشیمان ہو جاتا ہے ایسی حالت میں اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے خدا فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (یوسف، آیت:۸۷) خداوند کی رحمت سے مایوسی کفر ہے، امید ہے تو اس کی رحمت اور فضل وکرم کی، ایک گناہ کار کیلئے جو اپنے کئے پر نادم ہے خداوند نے امید کے چراغ جلا رکھے ہیں تا کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ سکے۔ یہ توبہ و انابہ، استغفار اور شفاعت ہیں، گویا شفاعت اس لئے نہیں کہ گناہ کا راستہ کھول دے بلکہ اس لئے کہ دل میں امید ورجاء کے بیج بودے۔

سوال:۔ کیا تمام گناہ کاروں کے لئے شفاعت ہوگی یا بعض کیلئے؟

جواب:۔ شفاعت کے معنی گناہ گاروں کی مدد کرنا ہے تا کہ وہ عذاب سے نجات پا سکیں۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) ایک صورت پارٹی بازی کہلاتی ہے جو کہ ظلم ہے کہ انسان اپنے بندے کو سفارش کر کے چھڑوا لے۔ یہ صحیح کام نہیں ہے۔ (۲) شفاعت کی صحیح صورت:۔ روزنہ امید و وسیلہ تکامل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو افراد مورد شفاعت قرار پاتے ہیں ان میں کوئی لیاقت و قابلیت برائے شفاعت نہ ہو، کوئی ترجیح نہ ہو بلا وجہ انہیں دوسروں پر مقدم کرتے ہوئے سفارش کر کے چھڑوا لیا جائے تو یہ صورت بدترین ظلم ہے اور گناہ کی تشویق کا باعث ہے۔ ہر گناہ گار یہی سوچے گا مجھے کیا پرواہ ہے میرے آگے شفیع موجود ہیں جو سفارش کر کے مجھے چھڑوا لیں گے۔

آیات میں جو شافعین کیلئے اور بالخصوص نبی پاک ﷺ کیلئے شفاعت کا حق قرار دیا گیا ہے قطعاً ان میں مراد یہ قسم شفاعت نہیں ہے اور نہ ہی عقل و خرد اس کی تائید کرتی ہے۔ لیکن اگر صورتحال یوں ہو کہ شخص نے گناہ تو کیا ہے لیکن اس کے دل میں پشیمانی موجود ہے اس کا خداوند سے معنوی ارتباط باقی ہو، یہ لوگ اگر اولیاءِ الٰہی کے ساتھ ایمانی ارتباط کی وجہ سے ان کی طرف سے مورد شفاعت قرار پائیں تو یہ وسیلہ تربیت و امید ورجاء ہے کہ گناہ گار برائی کے راستے سے واپس آجائے اور گناہ کی وجہ سے اپنے رب سے کمزور ہونے والے رابطے کو دوبارہ استوار کر سکے۔

قرآن کہتا ہے: شافعین کی شفاعت اذن خداوند سے ہوگی، جب تک خداوند کی طرف سے اذن نہیں ہوگا کوئی

Presented by Ziaraat.Com

شفاعت نہیں کر سکے گا اور اذنِ خدا بغیر وجہ و جہت کے نہیں ہو سکتا۔ شفاعت کا اذن خدا واضح ہے ان لوگوں کے لئے ہوگا جن میں اس کی لیاقت و شائستگی ہوگی، اگر انہوں نے کبھی گناہ کر لیا زندگی میں لیکن اس نے حد سے تجاوز نہ کیا ہو، پردہ دری نہ ہو، رابطہ خدا انہوں نے مکمل قطع نہ کر لیا ہو یہ لوگ ہیں جنہیں شفاعت شامل حال ہوگی۔ یہ انتباہ ہے درحقیقت گناہ گاروں کیلئے کہ جلد توبہ کی طرف آئیں اور خداوند سے رابطہ استوار کریں تا کہ کل مورد شفاعت قرار پا سکیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ تربیت کے لئے شفاعت کا احساس کتنا موثر ہے۔

لائق و شائستہ افراد کے لئے شفاعت روزنہ امید اور رجاء ہے کہ وہ حیات دینی کی تجدید کریں، لیکن جن لوگوں نے خداوند سے رابطہ کو کاٹ لیا ہو اور پوری عمر گناہ و فساد میں گزار دی ہو ان کو شفاعت شامل نہیں ہوگی۔

قرآن میں نفی شفاعت صرف ایک آیت میں آئی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۴)، لیکن ساتھ ہی اس کے بعد یعنی آیت ۲۵۵ میں شفاعت کا اثبات ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾۔ دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ نفی شفاعت سے مراد کفار کیلئے ہے کہ کافر و بت قیامت کے دن شفاعت نہیں کر سکیں گے، چونکہ کافر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "یہ بت اور ارباب قیامت کے دن ہمارے شفیع ہوں گے" ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس، آیت: ۱۸) خدا فرماتا ہے: ہم نے ان کے لئے شفاعت کا حق قرار ہی نہیں دیا یہ کیسے شفیع ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح یہود کا ایک عقیدہ تھا کہ ہمارے آباء ہمیں نجات دلائیں گے ہماری ان کے ساتھ نسبت ہی کافی ہے چاہے ہم ان کی شریعت پر عمل کریں یا نہ کریں، خداوند نے فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ، آیت: ۴۷ و ۴۸)

ان آیات میں شفاعت خاطرہ کی نفی ہے جس کا غلط عقیدہ یہود میں رائج تھا۔ اس سے شفاعت ماذونہ کی قطعاً نفی نہیں ہو سکتی۔

بعض آیات وہ ہیں جو کفار کے بارے کہتی ہیں ان کا رابطہ چونکہ شفعاء سے ہی نہیں لہٰذا شفاعت انہیں شامل نہیں ہوگی، شفاعت کے لئے شفیع و مشفوع لہ کے درمیان رابطہ ہونا ضروری ہے۔ سورہ اعراف آیت ۵۳ میں ارشاد ہے: ﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ﴾ اور سورہ شعراء آیات ۱۰۰ و ۱۰۱ میں ہے: ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ٥ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾ بعض آیات میں بتوں کی شفاعت کی نفی ہوئی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

بعض آیات نے شفاعت کو خدا کے ساتھ خاص کیا ہے: ﴿لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ (انعام،

Presented by Ziaraat.Com

آیت:۵۱)، ﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (زمر، آیت:۴۴)

اب یہاں شفاعت کے وہی معروف معنی تو مراد نہیں ہو سکتے چونکہ خدا نے کسی کی شفاعت کسی اور کے سامنے تو نہیں کرنی کہ اسے اس معنی میں شفیع کہہ سکیں۔ بلکہ شفاعت کو اپنی ذات کے ساتھ خاص کرنے کا مقصد مشرکین کے عقیدہ کی نفی تھی کہ وہ بتوں کو شفاعت میں مستقل خیال کرتے تھے، بناء برین ان آیات میں مراد یہ ہے کہ ہر شفاعت ملک خدا ہے جسے وہ یہ حق دے گا وہی شفیع بن سکے گا لوگوں کی مرضی کو اس میں کوئی دخالت نہیں ہے۔

اور اب ان آیات کی باری ہے کہ جن میں شفاعت غیر خدا کے لئے شرائط کے ساتھ ثابت کی گئی ہے جیسے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (بقرہ، آیت:۲۵۵)، ﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ﴾ (یونس، آیت:۳)، ﴿لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ (مریم، آیت:۸۷)، ﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾، (طٰہٰ، آیت:۱۰۹)، سورہ سباء، آیت:۲۳ اور سورہ زخرف، آیت ۸۶ میں بھی اسی طرح کی تعبیر ہے۔ ان آیات سے پتہ چلا کہ کفار محروم ہوں گے شفاعت سے، ان کے حق میں کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا اور مومنین مستحق شفاعت ہوں گے۔

ان آیات سے شفیع کے درج ذیل شرائط معلوم ہوتے ہیں:

(۱) شهد بالحق :۔ یعنی خدا کی وحدانیت وصفات کی شہادت دے۔

(۲) اذن خدا ہو:۔ یعنی جسے خداوند اجازت دے گا وہی شفاعت کر سکتا ہے۔

(۳) و رضی لہ قولاً:۔ یعنی وہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کرے کہ خدا اس سے ناراض ہو جائے بلکہ ہمیشہ ایسی بات کرے جس میں رضاءِ خدا ہو۔

(۴) عہد خدا ہو:۔ یعنی خداوند اسے عہدۂ شفاعت عطا کرے۔

یہاں ایک اہم سوال ہے کہ کیا شفاعت صرف مطیع وصالح لوگوں کے لئے ہوگی جو کہ ان کے درجات کی بلندی کی خاطر ہوگی یا گناہ گاروں کے گناہ معاف کروانے کیلئے ہوگی؟

جواب:۔ معتزلہ پہلے قول کے قائل ہیں کہ گناہ گار مستحق شفاعت نہیں ہو سکتے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ باقی تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے دوسرے قول پر کہ گناہ گاروں کے لئے شفاعت ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ کی مشہور حدیث ہے: ﴿شفاعتی لاهل الكبائر من امتی﴾ یعنی میری شفاعت میری امت کے گناہ گاروں کے لئے ہے۔

عقیدہ شفاعت اتنا مسلّم عقیدہ ہے کہ محمد بن عبد الوہاب (وهابی مذہب کے رئیس) بھی اس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں: ﴿و ثبتت الشفاعة لنبينا محمدٌ يوم القيامة و لسائر الانبياء والاولياء والملائكة

Presented by Ziaraat.Com

والاطفال بشفاعته حسبما ورد..... انّ الشفاعة حقّ فی الآخرة و وجب علیٰ کلّ مسلم الایمان بشفاعة بل وغیرہ من الشفعاء ﴾۔(الہدیۃ السنّیۃ الرسالۃ الثانیۃ) وہ فرماتے ہیں: شفاعت قیامت کے دن ہمارے نبیؐ کے لئے ثابت ہے اور تمام انبیاء اولیاء اور بچوں کیلئے جیسے کہ وارد ہوا ہے۔ اور شفاعت آخرت میں حق ہے اور ہر مسلمان پر اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ حضورؐ کے لئے حق شفاعت ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے شفعاء کیلئے بھی۔

عوالم کا بیان، یہ سب عوالم ملکوت کہلاتے ہیں

خداوند نے اس کائنات میں مختلف عالم قرار دیئے ہیں، یہ سب حقائق ہیں جن کی طرف روایات میں اشارہ ہوا ہے۔ یہ چند عالم ہیں:

(۱) **عالم انوار اولیٰ یا عالم اشباح**:۔ یہ وہ اول ظلال ہے جسے خدوانداند نے اپنے نور عظمت سے خلق کیا، یہ نور نبی اکرم ﷺ اور نور آل نبیؐ ہے۔

(۲) **عالم اظلّہ**:۔ اس عالم میں تمام مخلوقات خلق ہوئی اور ان میں تعارف ہوا۔

(۳) **عالم ذرّ**:۔ اس عالم میں خداوند نے مخلوقات سے میثاق لیا، روایات کے مطابق یہ وہی عالم اظلّہ ہے یا اس سے مربوط ایک عالم ہے۔

(۴) عالم طینت:۔ جس سے لوگ خلق ہوئے۔

روایات میں اور عوالم کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

بعض روایات کا ذکر

(۱)﴿عن ابی حمزہ قال سمعت علیّ بن الحسینؑ یقول انّ اللّٰہ خلق محمداً و علیًّا واحد عشر من وُلدہ من نور عظمتہ فأقامھم اشباحًا فی ضیاء نورہ یعبدونہ قبل خلق الخلق یسبّحون اللّٰہ و یقدّسونہ وھم الائمّۃ من وُلد رسول اللّٰہ﴾ (اصول کافی، جلد۱، الاصول، ستۃ عشر، صفحہ ۱۶)

ترجمہ:۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ خداوند نے نبی پاک ﷺ اور ان کی اولاد سے گیارہ ہستیوں کو اپنے نور عظمت سے خلق کیا اور انہیں اشباح کی صورت میں اپنے نور کی روشنی میں قائم کیا جہاں وہ اس کی عبادت کرتے رہے مخلوق کی خلقت سے پہلے۔ وہ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے رہے۔ اور یہی ہستیاں اولادِ رسول خدا ﷺ سے ائمہ ہیں۔

(۲) جابر بن یزید جعفی کو امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ﴿یا جابر انّ اول ما خلق خلق محمداً و عترتہ الھداۃ المھدیّین فکانوا اشباح نورٍ بین یدی اللّٰہ، قلت وما الاشباح؟ قالؑ ظلّ النور ابدان نورانیۃ

Presented by Ziaraat.Com

بلا ارواح و کان مؤیّداً بروح واحدة وھی روح القدس فبه کان یعبد اللّٰه و عترته ولذلك خلقھم حلماء علماء بررة اصفیاء﴾ (حلیۃ الابرار للبحرانی، جلد۱، صفحہ۱۹)

ترجمہ:۔اے جابر سب سے پہلے خداوند نے نبی پاک ﷺ اوران کی ہدایت یافتہ ہادی عترت کوخلق کیا۔وہ سب نور کی اشباح کی صورت خداوند کے حضور میں تھے، جابر سوال کرتے ہیں کہ اشباح کیا ہے؟ فرمایا: یہ نورانی سائے ہیں، نورانی بدن بغیر ارواح کے حضور پاک ﷺ اور ان کی عترت سب ایک ہی روح کے ساتھ مؤید تھے جو کہ روح القدس ہے اسی کے ذریعے حضور اوران کی عترت خداوند کی عبادت کرتے ہیں اوراسی وجہ سے خداوند نے انہیں حلم، علم کے ساتھ اور نیک وصفی خلق کیا۔

(۳) شرح الاخبار، جلد۲، صفحہ۵۰۰ پر ہے: **﴿عن ابی ھریرہ عن رسول اللّٰه ﷺ یقول لمّا خلق اللّٰه آدم و نفخ فیه من روحه نظر آدم یمنة العرش فاذا من النور خمسة اشباح علیٰ صورته رکّعًا سجّداً فقال یا ربّ ھل خلقت احداً من البشر من قبلی؟ قال: لا. قال فمن ھؤلاء الذین اراھم علیٰ ھیئتی و علی صورتی؟ قال ھؤلاء خمسة من ولدك لولاھم ما خلقتك ولا خلقت الجنة ولا النار ولا العرش ولا الکرسی﴾۔**

ابی ھریرہ رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب خداوند نے آدم علیہ السلام کوخلق کیا اوراس میں اپنی روح سے پھونکا تو آدمؑ نے یمین عرش پر نظر کی جہاں اس نے اپنی صورت پر پانچ نورانی سائے دیکھے جو رکوع وسجود کی حالت میں تھے، خداوند سے سوال کیا: بارالہا! کیا مجھ سے پہلے کوئی بشر تو نے خلق کیا ہے؟ فرمایا: نہیں، تو آدمؑ نے سوال کیا: پھر میری شکل وصورت پر یہ پانچ ہستیاں کون ہیں؟ فرمایا: یہ پانچوں تیری اولاد سے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے خلق کرتا، نہ ہی جنت وجہنم کو اور نہ ہی عرش وکرسی کوخلق کرتا۔

(۴) عالم اظلہ:۔ **﴿قال النبیؐ الارواح جنود مجنّدة فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف﴾**، فرمایا: روحیں لشکروں کی صورت میں تھیں۔اس عالم میں جن میں تعارف تھا وہ یہاں دوست ہیں اور جن کے درمیان وہاں تعارف نہیں تھا یہاں ان میں اختلاف ہے۔

﴿قال الصادقؑ: انّ اللّٰه آخی بین الارواح فی عالم الاظلّة، قبل ان یخلق الابدان بألفی عام فلو قد قام قائمنا اھل البیتؑ لورّث الاخ الذی آخی بینھما فی الاظلّة﴾ (من لا یحضرہ الفقیہ، ج۴، صفحہ۲۵۳، اعتقادات صدوق) فرمایا: خداوند نے عالم اظلہ میں ارواح کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ یہ بدنوں کی خلقت سے دوہزار سال پہلے ہوا۔جب ہمارا قائم ظہور فرمائے گا تو وہ اسی بھائی چارے کی بنیاد پر وراثت دے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

مفضل کہتے ہیں: ﴿قلت لابی عبد اللّٰہ علیہ السلام کیف کنتم حیث کنتم فی الاظلّۃ؟ قال یا مفضّل کنّا عند ربّنا لیس عندہ احد غیرنا فی ظلّۃ خضراء نسبّحہ و نقدّسہ و نہلّلہ و نمجّدہ﴾ (کافی، جلد۱، صفحہ۴۴۱)

مفضل نے سوال کیا: امام صادق علیہ السلام سے کہ آپ اظلّہ میں جب تھے تو کیسے تھے؟ فرمایا: اے مفضل ہم سبز سائبان میں تھے جہاں ہم خداوند کی تسبیح و تقدیس اور تہلیل و تمجید کرتے تھے۔

بصائر الدرجات، ﴿عن حذیفۃ بن اسید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما تکاملت نبوّۃ نبیّ فی الاظلّۃ حتّٰی عُرِضت علیہ ولایتی و ولایۃ اہل بیتی و مُثِّلوا لہ فاقرّوا بطاعتہم و ولایتہم﴾ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عالم اظلّہ میں نبوت کے فیصلے ہوئے اور کسی نبی کی نبوت وہاں کامل نہیں ہوئی مگر تب جب ان پر میری اور میری اہل بیتؑ کی ولایت پیش کی گئی اور ہماری مثالیں اسے دکھائی گئی تو اس نے ہماری اطاعت اور ولایت کا اقرار کیا۔

تفسیر فرات کوفی میں ہے: ﴿عن ابی خدیجہ قال قال محمد بن علیّ علیہ السلام لو علم النّاس متی سمّی علیّ امیر المومنین ما اختلف فیہ اثنان، قال قلت متٰی؟ فقال لی فی الاظلّۃ حین اخذ اللّٰہ من بنی آدم من ظہورہم ذرّیتہم﴾ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر لوگ جان لیتے کہ کب علی علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام کا نام دیا گیا تو کوئی دو شخص آپ کے بارے اختلاف نہ کرتے۔ راوی نے پوچھا: کب؟ فرمایا: عالم اظلّہ میں جب خداوند نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا۔

ان روایات سے عالم اظلّہ کی کافی خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔ ارواح کی خلقت، ان کا آپس میں تعارف، انبیاءؑ کی نبوت کا فیصلہ، ان سے ولایت اہل بیتؑ کا اقرار، حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنینؑ کا لقب دینا، یہ سب امور عالم اظلّہ میں انجام پائے۔

(۴) عالم طینت:۔ ﴿عن محمد بن مروان عن ابی عبد اللّٰہ قال سمعتہ یقول انّ اللّٰہ خلقنا من نور عظمتہ ثمّ صوّر خلقنا من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ من تحت العرش فاسکن ذلک النور فیہ فکنّا نحن خلقًا و بشراً نورانیّین لم یجعل لاحد فی مثل الذی خلقنا منہ نصیبًا و خلق ارواح شیعتنا من طینتنا و ابدانہم من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ اسفل من تلک الطینۃ﴾۔ (کافی، جلد۱، صفحہ۳۸۹)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند نے ہمیں اپنے نور عظمت سے خلق کیا پھر ہماری صور کو عرش کے نیچے پوشیدہ مخزون طینت سے خلق کیا اور ہمارے نور کو ان صور میں ٹھہرایا پس ہم نورانی مخلوق اور نورانی بشر ہیں اور جس حقیقت

Presented by Ziaraat.Com

سے خدا نے ہمیں خلق کیا اس سے کسی کیلئے کوئی نصیب قرار نہیں دیا اور ہمارے شیعہ کی ارواح کو اس طینت سے خلق کیا جس سے ہماری صور کو خلق کیا اور انکے بدنوں کو ہماری طینت کے علاوہ ایک طینت سے خلق کیا کہ وہ بھی مکنون ومخزون تھی۔

(۴) عالم ملکوت :۔ قرآن میں ملکوت کا تذکرہ متعدد آیات میں ہوا ہے: اعراف، آیت: ۱۸۵، انعام، آیت: ۷۷، مومنون، آیت: ۸۸ اور یٰسین آیت ۸۳۔ نہج البلاغہ میں ہے: ﴿و أرانا من ملكوت قدرته﴾، خداوند نے ہمیں اپنی قدرت کے ملکوت دکھلائے۔

اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ میں ابی بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ کے بارے سوال کرتے ہیں؟ فرمایا: ﴿خلق اعظم من جبرئيل و ميكائيل كان مع رسول الله وهو مع الائمة و هو من الملكوت﴾، فرمایا: یہ روح خداوند کی عظیم مخلوق ہے جبرئیل اور میکائیل سے بڑھ کر ہے اور یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ کے ساتھ ہوتی ہے اور ملکوت سے اس کا تعلق ہے۔ صفحہ ۹۳ پر ہے: ﴿قال ابو عبد اللّٰهؑ يابن آدم لو اكل قلبك طائر لم يشبعه و بصرك لو وُضع عليه خرق ابرة لغطّاه تريد ان تعرف بها ملكوت السماء و الارض ان كنت صادقا فهذه الشمس خلق من خلق الله فان قدرت ان تملاء عينيك منها فهو كما تقول﴾ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن آدم آپ کا دل اتنا چھوٹا ہے کہ پرندہ اسے کھالے تو اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ تیری آنکھ پر سوئی کی نوک رکھ دیں تو وہ اسے ڈھانپ دے اور تو ان کے ذریعے آسمان وزمین کے ملکوت کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا کر سکتے ہو تو سورج جو کہ خدا کی مخلوق ہے اسے آنکھ بھر کے دیکھ کر دکھلاؤ۔

عالم ملکوت کے مختلف مراتب ہیں۔ عالم مثال و عالم برزخ بھی عالم ملکوت کا حصہ ہیں۔ اس عالم میں زمان و مکان نہیں ہوتے۔ تمام اشیاء کا وجود جمعی اس میں حاصل ہوتا ہے جو بھی ملکوت پر محیط ہے کائنات پوری اس کے سامنے حاضر ہے اس کے لئے ماضی و مستقبل نہیں ہوتے۔ سب کچھ اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولا سے جب سوال ہوا کہ آپ جواب دیتے وقت سوچتے نہیں۔ فرمایا: میرے سامنے پوری کائنات اسی طرح حاضر ہے جیسے تمہارے ہاتھ کی ہتھیلی تمہارے سامنے حاضر ہے۔

اور ایک جگہ آپ نے فرمایا: ﴿ولقد نظرت فی ملكوت السماوات والارض باذن ربّی فما غاب عنی ما كان من قبلی ولا مایاتی من بعدی﴾، میں نے اپنے رب کے اذن اور اس کی دی ہوئی قدرت سے ملکوت آسمان وزمین میں نظر کی جس کے نتیجہ میں مجھ سے کچھ بھی غائب نہ رہا، نہ وہ جو مجھ سے پہلے گزر چکا ہے اور نہ وہ جو میرے بعد آئے گا سب میرے سامنے حاضر ہو گیا۔

Presented by Ziaraat.Com

عرش اور کرسی کا بیان

کرسی کی لفظ آیت الکرسی میں وارد ہے جس میں فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اس کی کرسی تمام آسمان اور زمین پر وسعت رکھتی ہے۔

حقیقت کرسی کے بارے اختلاف ہے، بعض اہل سنت، حشویہ اور سلفیہ اسے ظاہری معنی پر حمل کرتے ہیں کہ ایک کرسی بہت بڑی جو آسمانوں اور زمین سے بڑی ہے موجود ہے بعض نے عرش اور کرسی کو ایک شئ شمار کیا ہے بعض نے انہیں الگ الگ دو جسم قرار دیا ہے اور خداوند عرش یا کرسی پر بیٹھ کر فرمان جاری کر رہا ہے، یہ خداوند کو آسمان میں قرار دیتے ہیں، اور ان الفاظ کو ظاہری معنی پر حمل کرتے ہیں، شوکانی کہتے ہیں: مذہب سلف از صحابہ و تابعین یہ ہے کہ صفات کو ظاہری معنی پر حمل کرتے ہیں (التحف فی مذاہب السلف)

ابن قدامہ نے کہا: ہم ان صفات کی تاویل نہیں کرتے۔ ہم نہیں کہتے کہ ہاتھ سے مراد قدرت ہے اور سمع و بصر سے مراد علم ہے۔ (ذم التاویل از موفق الدین ابن قدامہ، صفحہ ۵۶۹)

اہل سنت کی روایات میں آیا ہے کہ خداوند قیامت کے دن کرسی پر بیٹھا ہوگا اور لوگ اسے دیکھیں گے۔

بعض نے کہا: نہ تخت موجود ہے نہ کرسی بلکہ صرف عظمت خدا کے بیان کی تمثیل ہے۔

(مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، صفحہ ۲۹۶)

بعض نے کہا: کرسی سے مراد خداوند کی سلطنت مطلقہ ہے، جیسے سلطان تخت پر بیٹھتا ہے تخت اس کی حاکمیت کا مظہر ہے کرسیٔ خدا بھی اس کی قدرت سے کنایہ ہے۔ (تفسیر کبیر فخر رازی و مجمع البیان)

بعض نے کہا: کرسیٔ خدا سے مراد اس کا وسیع علم ہے جو تمام کائنات پر محیط ہے۔

ملا صدرا نے کہا: کرسی صورت نفس کلیہ اور محل قدر ہے اور عرش صورت عقل کلی اور محل قضاء ہے، ان کے نزدیک عرش بسیط ہے یعنی محل علم بسیط اجمالی ہے کہ عین ذات خدا ہے جبکہ کرسی خداوند کے علم تفصیلی کی طرف اشارہ ہے۔

(شرح اصول کافی، صفحہ ۳۶۴)

سب شیعہ علماء تقریباً کرسی کو علم الٰہی کے معنی میں لیتے ہیں۔

البتہ فیض کاشانی نے کہا ہے کہ کرسی ظرف ہے تمام اشیاء کے لئے حتیٰ عرش و آسمان و زمین کے لئے۔ وہ کہتے ہیں یہ کہ کرسی عرش میں ہے یہ اس بات سے منافات نہیں رکھتی کہ عرش بھی کرسی میں ہے چونکہ یہ دو طرح تحقق رکھتے ہیں ہر ایک ایک طرح سے دوسرے کو شامل ہے ایک عقل اجمالی ہے دوسری نفس تفصیلی ہے۔ (تفسیر صافی، جلد ۱، صفحہ ۳۶۰)

بعض روایات میں کرسی کو ظرف قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسری روایت میں اس کے ظرف اور علم الٰہی ہونے

Presented by Ziaraat.Com

میں جمع کیا گیا ہے۔

﴿عن الصادق علیہ السلام انّہ سئِل عن العرش و الکرسی ماھی؟ فقال العرش فی وجہ ھو جملۃ الخلق و الکرسی و عائہ وفی وجہ آخر العرش ھو العلم الذی اطلع اللّٰہ علیہ الانبیاء و رسلہ و حججہ و الکرسی ھو العلم الذی لم یطّلع علیہ احدٌ من انبیائہ و رسلہ و حججہ﴾

(تفسیر صافی، جلد۱، صفحہ۳۶۰)

سوال ہوا عرش و کرسی کی حقیقت کیا ہے؟ تو امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: عرش ایک لحاظ سے تمام کائنات ہے اور کرسی اس کا ظرف ہے اور دوسرے لحاظ سے عرش خدا کا وہ علم ہے جس پر اس نے انبیاءؑ، رسلؑ اور ائمہؑ کو مطلع فرمایا ہے اور کرسی خدا کا وہ علم ہے جس پر کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ عرش اور کرسی غیبت کے دو باب ہیں، دونوں غیب ایک دوسرے کے نزدیک ہیں کرسی باب ظاہر ہے کہ خلقت کا آغاز اس سے ہے اور عرش باب باطن ہے (اندرونی دروازہ) کہ جس میں علم کیف، علم حد، مشیت اور صفت ارادہ موجود ہیں۔

ایک روایت میں حفص بن غیاث نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کے بارے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: علمہ اس سے مراد علم خدا ہے۔ (توحید صدوق، صفحہ۳۲۷)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کرسی و عرش حقیقت غیبی ہیں جن کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے۔ البتہ یہ مسلّم ہے کہ کرسی سے مراد علم تفصیلی خدا لیا گیا ہے جو کہ اسکے علم کلی سے فرق رکھتا ہے جو اس کی صقعِ ذات میں ہے۔ یہ علم فعلی ہے جو کہ وجودات اشیاء کے مساوی ہے اس لحاظ سے اسے ظرف اور وعاء شمار کر سکتے ہیں تمام اشیاء کا، یوں کرسی ایک لحاظ سے وہی علم الٰہی ہے اور ایک لحاظ سے ظرف موجودات ہے اور خود آیت الکرسی میں قرائن دلالت کرتے ہیں کہ کرسی سے مراد علم الٰہی ہے جو فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ﴾ وہ اسکے علم کا ذرا برابر احاطہ نہیں رکھتے، اسکے بعد فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ گویا یہ اپنے علم کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔ (تفسیر کوثر، جلد۱، صفحہ۵۹۲)

شیخ صدوق نے فرمایا: ﴿اعتقادنا فی الکرسی انّہ وعاء جمیع الخلق من السماوات والارض و کلّ شیءٍ خلق اللّٰہ فی الکرسی و فی وجہ آخر الکرسی ھو العلم و سئل عن الصادقؑ عن قول اللّٰہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ قال علمہ﴾ آپ نے بھی وہی معنی بیان کیا جو اوپر ذکر ہوا ہے۔

﴿الاقبال عن التلعکبری باسنادہ عن ابی عبد اللّٰہؑ فی دعاء یوم عرفۃ واسئلک بکلّ اسم ھو لک و کلّ مسئلۃ حتی ینتھِیَ الی اسمک الاعظم الاکبر العلیّ الاعلیٰ الذی

Presented by Ziaraat.Com

استویت به علیٰ عرشك و استقللت به علیٰ کرسیك﴾

(من لا یحضرہ الفقیہ، جلد۲، صفحہ۲۰۱، العلل، جلد۲، صفحہ۸۸)

شیخ صدوق فرماتے ہیں: ﴿اعتقادنا فی العرش انّه جملة جمیع الخلق والعرش فی وجه آخر هو العلم، وسئل عن الصادق علیه السلام عن قول الله عزوجل اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی؟ فقال استوی من کلّ شیٔ فلیس شیٔ اقرب منه من شیٔ و امّا العرش هو جملة جمیع الخلق فحملته ثمانیة من الملائکة لکلّ واحد ثمانی اعین کلّ عین طباق الدنیا و احد منهم علیٰ صورة بنی آدم یسترزق الله لبنی آدم و واحد منهم علیٰ صورة ثور یسترزق الله للبهائم کلّها و واحد منهم علیٰ صورة الاسد یسترزق الله للسباع و واحد منهم بصورة الدیك یسترزق الله للطیور، فهم الیوم هؤلاء الاربعة فاذا کان یوم القیامة صاروا ثمانیة، و امّا العرش الذی هو العلم فحملته اربعة من الاولین و اربعة من الآخرین فامّا الاربعة من الاولین فنوح و ابراهیم و موسیٰ و عیسیٰ و امّا الاربعة من الآخرین فمحمّدٌ و علیّ و الحسن و الحسین علیهم السلام وهکذا روی بالاسانید الصحیحة عن الائمّة فی العرش و حملته﴾۔ (العقائد)

فرمایا: عرشِ الٰہی ایک وجہ میں تمام مخلوقات ہیں کہ جس کے حامل آٹھ ملائکہ ہیں اور ایک وجہ میں علم الٰہی ہے جس کے حامل آٹھ افراد ہیں چار اولین سے جو کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام ہیں اور چار آخرین سے ہیں جو کہ حضرت محمد ﷺ، علی، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ علامہ مجلسی نے فعرش اللّٰه هو مُلکه سے مراد مُلک خدا ہے اور استوائه علی العرش کا مطلب استیلائه علی الملك ہے۔ ﴿فامّا العرش الذی تحمله الملائکة فهو بعض الملك وهو عرش خلقه الله فی السماء السابعة﴾۔ (بحار، جلد۵۵) اور وہ عرش جسے ملائکہ نے اٹھا رکھا ہے یہ ملک خدا کا ایک جزء ہے اسے خداوند نے ساتویں آسمان میں خلق کیا ہے۔

اقوال در بارۂ عرش

(۱) مشبہ نے عرش کو اس کے ظاہری معنی پر حمل کرتے ہوئے کہا کہ یہ تخت ہے جو ساتویں آسمان پر برپا ہے اور خداوند اس پر تشریف فرما ہے۔

(۲) بعض نے اسے ہیئت بطلیموس کے لحاظ سے تفسیر کیا کہ یہ فلک اطلس یا فلک نہم ہے جو کہ عالم جسمانی کو محیط ہے اور چونکہ یہ ستاروں سے خالی ہے اس وجہ سے اسے اطلس کہتے ہیں، اسی فلک کی یومیہ حرکت سے زمان کی ترمیم ہوتی ہے۔ فلک ہشتم محل ستارگان ثوابت ہے جو کہ فلک نہم کے سطح مقعر سے مماس ہے۔ یہ نظریہ آیات کی تفسیر نہیں کہلا سکتا اس

Presented by Ziaraat.Com

کے علاوہ کہ خود یہ نظریہ بھی باطل ہے۔

(۳) عرش کے نام سے کوئی شیٔ وجود نہیں رکھتی یہ تو سلطنت الٰہی سے کنایہ ہے۔ علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ عرش کنایہ ہے لیکن یہ اس سے منافات نہیں رکھتا کہ ایک حقیقت ایسی ہو کہ تمام امور کی زمام وہاں پر منتہی ہو لہٰذا ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ باوجود اس کے کہ مثال ہے خداوند کے اپنے ملک پر تدبیر کے احاطہ کے لئے لیکن اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ایک حقیقت بنام عرش موجود ہے اور وہ ایسا مقام ہے کہ جہاں تمام امور کی زمام واختیار منتہی ہوتا ہے اور دوسری آیات جن میں لفظ عرش آیا ہے اس معنی پر دلالت کرتی ہیں جیسے ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ (توبہ، آیت:۱۲۹)، ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ﴾ (مومن، آیت:۷)، ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾، (الحاقہ، آیت:۱۷)، ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾ (زمر، آیت:۷۵)، یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ عرش ایک حقیقت خارجی ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ عرش کا ایک مصداق خارجی و حقیقی ہے اس طرح لوح وقلم کا مصداق حقیقی بھی ہے۔ (تفسیر المیزان، جلد۸، صفحہ ۱۹۵)

شیخ صدوق نے توحید میں حضرت علی علیہ السلام سے جاثلیق کے سوال دربارۂ عرش ذکر کئے ہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: ملائکہ عرش الٰہی کو حمل کرتے ہیں اور عرشِ الٰہی اس طرح کا تخت نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ایک محدود ومخلوق شیٔ ہے جو تدبیر خدا سے مدبَّر ہے خداوند اس کا مالک ہے نہ کہ خداوند اس پر بیٹھتا ہے۔

کافی میں برقی سے روایت کی ہے کہ جاثلیق نے حضرتؑ سے پوچھا: یہ بتلائیں آیا خدا عرش کو حمل کرتا ہے یا عرش خدا کو؟ فرمایا: آسمان، زمین، جو کچھ ان میں ہے اور عرش ان سب کو خدا حمل فرماتا ہے، قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ (فاطر، آیت:۴۱)۔ جاثلیق نے سوال کیا تو پھر اس آیت ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ کا کیا مطلب ہے جبکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ خداوند حامل عرش ہے جبکہ اس آیت میں ہے کہ اس دن (یوم القیامۃ) حاملین عرش آٹھ افراد ہوں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا: خداوند نے عرش کو چار نور سے خلق کیا ہے ایک نور سرخ ہے کہ اس سے ہر سرخ رنگ سرخ ہے۔ دوسرا نور سبز ہے کہ اس سے ہر سبز رنگ سبز ہے۔ ایک نور زرد ہے کہ اس سے ہر زرد رنگ زرد ہے اور ایک سفید نور ہے کہ ہر سفیدی اس سے سفید ہے۔ عرش سے مراد وہ علم ہے کہ جو خداوند نے حاملین عرش کو دیا ہے اور یہ اس کے نورِ عظمت سے نور ہے اس کی عظمت ونور سے مومنین کے دلوں کو منور فرمایا ہے، اسی نورِ عظمت سے جاہل اس کے دشمن ہیں اسی نور وعظمت کے ذریعے تمام موجودات اس کی جستجو میں ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ پس کرسی خداوند محیط ہے تمام آسمانوں کو اور زمین کو اور اس کو جو زیر زمین ہے بناء برین حاملین عرش وہ علماء ہیں کہ جنہیں خداوند نے

Presented by Ziaraat.Com

اپنا علم عطا کیا ہے اور کوئی موجود بھی کہ جسے خداوند نے اپنے ملکوت میں خلق کیا ہے ان چار نوروں سے خارج نہیں ہے اور یہ وہی ملکوت ہے کہ جو خداوند نے اپنے اصفیاء کو دکھلا دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾۔ حاملین عرش کیسے خداوند کو حمل کر سکتے ہیں جبکہ اس کی حیات کے ساتھ ان کے دل زندہ ہیں اور اس کے نور کے ذریعے اس تک راہ پاتے ہیں۔ (اصول کافی، ج ۱)

اس حدیث میں آپ نے ملاحظہ کیا جاثلیق حمل کو اٹھانے کے معنی میں لے رہا ہے جبکہ امامؑ نے اس کی رہنمائی فرمائی کہ یہاں حمل کے معنی اٹھانے کے نہیں ہیں بلکہ اشیاء کا قیام ہے خدا کی ذات پاک کے ساتھ، جب جاثلیق سمجھ گیا کہ حمل کے یہ معنی ہیں تو یہ ذات خدا کے علاوہ کسی میں نہیں پایا جا سکتا لہٰذا سوال کیا کہ پھر آیت ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ میں آٹھ افراد کو حامل عرش کیوں کہا گیا؟ امامؑ نے فرمایا: یہاں حمل عرش سے مراد حمل علم ہے اور عرش کے یہاں معنی علم کے ہیں اور اس کی مزید وضاحت فرمائی کہ کہیں علم سے وہ معنی نہ سمجھ لینا کہ جو عام لوگوں کے ذہن میں ہے یعنی علم حصولی جو کہ عبارت ہے صور نفسانیہ سے بلکہ اس سے مراد نور عظمت و قدرت پروردگار ہے کہ جو باذنِ خدا ان حاملین کے لئے حاضر و مشہود ہے یہی حضور حمل کہلاتا ہے۔

پس نور عظمت و قدرت الٰہی جس کے ذریعے سب اشیاء کو وجود حاصل ہے وہی عرشِ الٰہی ہے جو سب چیزوں پر احاطہ رکھتا ہے یہی نور ملک خدا ہے، اسی نور کا خداوند بھی حامل ہے اور وہ ہستیاں بھی ہیں جن پر یہ نور ظاہر ہوا۔

(المیزان، جلد ۸، صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۴)

مرحوم صدوق نے التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ ایک شخص نے آپؑ سے سوال کیا: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے پوچھا: لوگ اس کے بارے کیا کہتے ہیں؟ اس نے عرض کیا: لوگ کہتے ہیں خداوند کا تخت پانی پر قائم ہے اور خدا اس پر تشریف فرما ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ ان کی بات کا مطلب یہ ہے کہ خداوند مخلوق کی صفات سے متصف ہے اور ان کی طرح ایک شئ کا محمول ہے اور وہ شئ اس کی حامل ہے اور یہ باطل ہے چونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ کوئی شئ خداوند سے بڑی اور قوی ہوتا کہ اسے اٹھا سکے۔ بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین، آسمان، جن وانس، سورج و چاند کی خلقت سے پہلے اپنے علم کو پانی پر اٹھائے ہوئے تھا کہ پانی ان سب کی خلقت سے پہلے خلق ہوا۔

اس روایت نے بیان کیا کہ سب سے پہلے پانی خلق ہوا اور سب اشیاء کی خلقت پانی سے تھی اور خداوند کا علم فعلی اس لحاظ سے پانی کے متعلق ہوا۔

روایات عرش کے حوالے سے کافی زیادہ ہیں اور جہاں تک یہ کہ عرش تخت کی شکل ہو جو ساتویں آسمان پر رکھا ہوا

Presented by Ziaraat.Com

ہے اس کی تائید کسی معتبر روایت سے نہیں ہوتی بلکہ معتبر روایات نے اسے رد کیا ہے۔

مولانا روم عرش کے بارے فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است	من نگنجم هیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز	من نگنجم این یقین دان ای عزیز
در دلِ مومن بگنجم ای عجب	گر مرا جوئی در آن دلها طلب
گفت فادخل فی عبادتی یلتقی	جنة من رؤیتی یا متقی
عرش با آن نور و با پهنای خویش	چون بدید او را برفت از جای خویش
خود بزرگی عرش باشد بدید	لیك صورت کیست چون معنی رسید؟

علم حضوری اور علم حصولی

علم حصولی یعنی کسی شیٔ سے صورت برائے عقل حاصل ہو، اور علم حضوری یعنی خود شیٔ برائے عقل حاضر ہو۔ اگر صورت کے واسطہ کے ساتھ کوئی شیٔ عقل کے لئے حاصل ہو تو یہ علم حصولی کہلاتا ہے۔ اور اگر صورت کے واسطہ کے بغیر خود وہ شیٔ حاصل ہو عقل کے لئے تو اسے علم حضوری کہتے ہیں۔ علم حضوری میں معلوم بالذات ہوتا ہے یعنی وہ شیٔ علم جس کے متعلق ہوا ہے خود معلوم ہے لہٰذا اسے معلومات بالذات کہتے ہیں، جبکہ علم حصولی میں خود خارجی شیٔ معلوم بالعرض ہے اور اس کی صورت جو ذہن میں حاصل ہوتی ہے وہ معلوم بالذات ہے، یہی وجہ ہے کہ علم حصولی قابل خطاء وشک وتردید ہے لیکن علم حضوری میں ایسا امکان نہیں ہے، انسان کا اپنے نفس کے بارے علم، اپنے اندرونی احساسات واحوال کے بارے علم علم حضوری ہے۔

گویا معلوم کی دریافت دو طرح سے ہوتی ہے باواسطہ اور بلا واسطہ، پہلا علم حصولی ہے اور دوسرا علم علم حضوری، علم حضوری میں عین وجود معلوم ہے اور عالم کے لئے معلوم کے انکشافات کا مطلب یہ ہے کہ خود معلوم عالم کے پاس حاضر ہے اس وجہ سے اس علم کو علم حضوری کہتے ہیں۔ جبکہ علم حصولی میں اس طرح نہیں ہے۔ اس میں معلوم کی واقعیت علم کی واقعیت سے جدا ہے اور معلوم کا عالم کے لئے انکشاف ایک صورت کے ذریعے ہے یعنی بواسطہ حصول صورت نزد عالم وہ معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے علم حصولی کہتے ہیں۔ ہمارا تمام علم اس کائنات کے بارے علم حصولی ہے۔

ملا صدرا لکھتے ہیں: ﴿والعلم قد یکون نفس المعلوم الخارجی وقد یکون غیرہ و کما انّ العلم بالشیٔ قد یکون صورة ذهنیة کما فی علمنا بالاشیاء الخارجیة عنا علمًا عقلیًا و ذلك العلم لا محاله امر کلّی و ان تخصیصت بألف تخصّص فکذلك قد یکون امرا عینیا و صورة خارجیة

Presented by Ziaraat.Com

كما فى علمنا بنفسنا و بصفاتها اللّازمة﴾(اسفار)

علامہ طباطبائی بھی اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:﴿انّ لنا علمًا بالاشياء الخارجة عنا فى الجملة بمعنى انها تحضر عندنا بماهيتها بعينها لا بوجوداتها الخارجية التى تترتب عليه آثارها الخارجية فهذا قسم من العلم و سمّى علمًا حصوليًا..... فعلمنا بذاتنا، فما هو بحضورها لنا بوجودها الخارجي الذى هو عين وجودنا الشخصى المترتب عليه الآثار..... فاذن علمنا بذواتنا بحضورها لنا بوجودها الخارجي لا بماهيتها فقط وهو قسم آخر من العلم و سُمِّى العلم الحضورى، وانقسام العلم الى قسمين قسمة حاصرة فحضور المعلوم للعالم امّا بماهية وهو العلم الحصولى او بوجوده وهو العلم الحضورى﴾۔(بداية الحكمة)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علم حصولی میں شیٔ کی ماہیت بطور کامل نفس کے پاس حاضر ہوتی ہے اور علم حضوری میں شیٔ کا وجود خارجی حاضر ہے اور شیٔ کے آثار اس کی ماہیت پر مترتب نہیں ہوتے بلکہ اس کے وجود پر مترتب ہوتے ہیں اور علم حصولی میں ماہیت مفہوم کی صورت میں نفس کے پاس حاضر ہے بدون وجود خارجی لہٰذا اس پر اس شیٔ کے آثار خارجی مترتب نہیں ہوتے، لیکن علم حضوری میں وہ جو حاصل ہوا ہے وہ خود منشاء آثار ہے۔

علم حصولی میں ذہن شیٔ خارجی سے صورت برداری کرتا ہے جبکہ علم حضوری میں ذہن کی فعالیت کو دخل نہیں ہوتا بلکہ خود عالم اپنی تمام واقعیت کے ساتھ معلوم کو اس کی تمام واقعیت کے ساتھ ادراک کرتا ہے۔

فقر

یہ کلمہ بہت استعمال ہوتا ہے کہیں فخر کے طور پر کہیں عیب کے طور پر، لہٰذا اس کی وضاحت کریں تاکہ حقیقت حال معلوم ہو سکے۔

جواب:۔ لغت میں فقر کے معنی محتاجی و تنگ دستی کے ہیں، اور علم عرفان کی اصطلاح میں اس کے معنی مختلف ذکر ہوئے ہیں۔

(۱) فقر یعنی خدا کی طرف نیازمندی اور غیر خدا سے بے نیازی ہے۔

(۲) فقر یعنی اسباب کا مالک نہ ہونا۔

(۳) فقر یعنی سالک کوئی مِلک نہ رکھتا ہو۔

(۴) فقر یعنی سالک سب کچھ خدا کی ملکیت جانے اور اپنے آپ کو کسی شیٔ کا مالک نہ سمجھے۔

(۵) فقر یعنی فناء فی اللہ ہو جانا چاہیئے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۶) فقر یعنی اسباب سے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔

(۷) فقر یعنی نہ ہو تو سکون ہو اور ہو تو عطا کرے۔

(۸) فقر یعنی دل کو غیر خدا سے خالی کر دینا۔

فقر سالک کا شعار ہے

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا: ﴿اِنَّا قولنا اِنَّا لِلّٰهِ اقرار علی انفسنا بالملك و قولنا اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اقرار علی انفسنا بالهلك﴾۔ (حکمت نمبر ۹۹)

یعنی سالک انا للہ کہہ کر اپنے مملوک وعبد ہونے کا اقرار کرتا ہے یعنی وہ اپنا بھی مالک نہیں ہے جب وہ اپنا مالک نہیں ہے تو کسی اور چیز کا بھی مالک نہیں ہے یعنی وہ خود اور جو کچھ اس کے ساتھ منسوب ہے وہ سب خداوند کا ہے اور وہ فخر کرتا ہے کہ اس کی ہستی نیستی میں ہے اور اس کا فخر فقر میں ہے کیونکہ جتنا زیادہ وہ اپنے کو اور ہر غیر خدا کو عاجز وفقیر سمجھے گا اور فقر کو اپنی ذاتی صفت قرار دے گا کائنات سے بے نیاز ہوتا جائے گا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا: ﴿الـفـقـر فخری و به افتخر﴾ (سفینۃ البحار، جلد ۲) کہ فقر میرا فخر ہے اور مجھے اس پر فخر ہے اس سے مراد فقر کے یہی معنی ہیں۔

سالک اپنے آپ کو فقیر ومحتاج محض سمجھتا ہے اور غنی محض صرف خدا کی ذات کو سمجھتا ہے۔ ﴿اللّٰه تعالیٰ غنیٌّ کلّ فقیر و عزّ کلّ ذلیل﴾ (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۰۹)

سالک جانتا ہے کہ اس کائنات میں حقیقی بے نیاز صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔ تمام انسان اور ماسوی اللہ سراپا نیاز وفقر اور اس سے وابستہ ہیں، فقر و نیاز مخلوق کی صفت ذاتی ہے، خداوند بے نیاز مطلق ہے اور انسان فقر مطلق ہے۔ اب جو بھی اس فقر کا زیادہ ادراک کرلے گا وہ حق تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرے گا اور اس فقر کو اپنے لئے فخر شمار کرے گا۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (فاطر، آیت: ۱۵) اے لوگو تم سب خداوند کے محتاج ہو اور غنی حمید صرف خداوند ہے۔

چونکہ سالک جانتا ہے کہ وہ فقر محض ہے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ امانت خدا ہے لہٰذا وہ غیر خدا کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ہر رنگ سے آزاد ہے اور اسباب پر توجہ اسے مسبب الاسباب سے غافل نہیں کر سکتی۔

فقراء کے اقسام

فقراء مختلف گروہ ہیں۔ (۱) وہ جو دنیا واسباب دنیا کو اپنی ملک نہ سمجھیں اگرچہ وہ انہیں حاصل ہوں لہٰذا انہیں جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ اسے ایثار کر دیتے ہیں اور اس کے عوض کی توقع نہیں کرتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

Presented by Ziaraat.Com

(۲) وہ جو کوئی حال یا مقام اپنے لئے قائل نہ ہوں سب خدا کی طرف سے سمجھیں۔

(۳) وہ جو اپنی ذات بھی نہ دیکھیں وہ دونوں عالم کو کچھ نہ سمجھیں۔

﴿من احبنا اهل البیت فلیستعدّ للفقر جلبابا﴾ (حکمت نمبر ۱۱۳)، جو ہم اہل بیتؑ سے محبت کرے اسے جامۂ فقر زیب تن کرنے کے اپنے آپ کو آمادہ کرنا ہوگا۔

جو شخص راہ حق میں گامزن ہو، حضرت حق اسے محبت کا مزہ چکھادے وہ نہ صرف مقام زہد (دنیا سے بے رغبتی) سے گزر جاتا ہے بلکہ مقام فقر کو پالیتا ہے۔

﴿الغنیٰ و الفقر بعد العرض علی اللّٰہ﴾ (حکمت نمبر ۴۵۲) یعنی جب اعمال خداوند پر پیش ہوں گے تو فقر و غنا کا پتہ اس وقت چلے گا۔

عام طور پر ملک کا ہونا غنا ہے اور ناداری فقر ہے لہٰذا صاحب مال کو اہمیت دی جاتی ہے اور فقیر سے بے اعتنائی۔

جبکہ اہل معرفت کی نظر میں ملک کا نہ ہونا غنا ہے جو اپنی احتیاج خدا سے سمجھتا ہے وہ عالم سے بے نیاز و غنی ہے اور جو ملک رکھتا اور اس سے وابستہ ہے وہ فقیر ہے۔

درجاتِ فقر

(۱) **فقر زاھدان**:۔ یہ وہ ہے کہ بندہ دنیا کو طلب نہ کرے اور اگر دنیا کی کوئی چیز اس کے ہاتھ آئے تو اسے انفاق کرے۔ وہ دنیا کی مذمت یا مدح نہیں کرتا اس کا ترک کر دینا دنیا پانے کے لئے نہ ہو بلکہ وصل حق کے لئے ہو۔

(۲) **فقر خواص**:۔ یہ وہ ہے کہ بندہ فضل خدا کو دیکھتے ہوئے اپنے ازل یعنی عدم ذاتی کی طرف لوٹ جائے اور تمام مقامات کا منبع و سرچشمہ خداوند کو سمجھے لہٰذا وہ اعمال و احوال کو دیکھتا ہی نہیں۔

(۳) **فقر عارف**:۔ یہ اضطرار ہے یعنی بندہ اپنے اضطرار کو دیکھے وہ دیکھتا ہے کہ جو کچھ اس پر جاری ہوتا ہے وہ حکم ازلی ہے وہ کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتا وہ فناء محض ہے دنیا و آخرت میں یہ وہی ہے جو پاک رسول ﷺ نے فرمایا: ﴿الفقر سواد الوجه فی الدارین﴾ (عوالی اللئالی، جلد ۱۰، صفحہ ۴۰) فقر روسیاہی ہے دنیا و آخرت میں یعنی فناء محض ہے۔

فقر مادی

﴿الفقر الموت الاکبر﴾ (نہج البلاغہ، حکمت نمبر ۱۶۳) فقر بڑی موت ہے۔ یعنی اگر انسان زندگی کی ضروریات لباس، مسکن اور غذا نہ رکھتا ہو تو حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں وہ بڑی موت سے دوچار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان حرکت و تگ و دو اور نیکیوں کے انجام سے رک جاتا ہے، طلب دنیا اس حد تک ضروری ہے کہ ضروریات زندگی پوری

Presented by Ziaraat.Com

ہو سکیں، فقر انسان کو دلیل دینے سے مانع ہو جاتا ہے، اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو فرمایا: جو اپنی قوت کی طلب کی کوشش میں مصروف ہے اسے سرزنش نہ کرو کیونکہ جو فقر میں مبتلا ہے اس سے لغزش زیادہ ہوتی ہے۔ لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت مجہول ہے۔ (سفینۃ البحار، جلد۱، صفحہ ۲۸۹)

یہ فقر عارف کے لئے خیر ہے دوسروں کے لئے بڑی مصیبت ہے۔ روایت ہے: ﴿القبر خیر من الفقر﴾ قبر فقر سے بہتر ہے۔ (غرر الحکم، جلد۱)

مولانے اپنے بیٹے سے فرمایا: ﴿یا بنیّ انّی اخاف علیك الفقر فاستعذ باللّٰہ منہ فانّہ منقصۃ للدین مدھشۃ للعقل داعیۃ للمقت﴾ (حکمت نمبر ۳۱۹) یعنی بیٹا میں تمہارے اوپر فقر سے ڈرتا ہوں کہ اس سے خدا کی پناہ مانگو کیونکہ یہ دین کو ناقص، فکر و اندیشہ کو مشوش اور لوگوں کو اس کی طرف سے بدبین کر دیتا ہے۔

اسلام مسلمانوں کی تنگ دستی و ناداری کو پسند نہیں کرتا اسی لئے حدیث میں آیا ہے: ﴿الفقر کاد ان یکون کفراً﴾ نزدیک ہے کہ فقر کفر کا باعث بن جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ما ضرب اللّٰہ العباد سوطًا اوجع من الفقر﴾۔ (ابن ابی الحدید، جلد۴) خدا نے لوگوں کو فقر سے زیادہ دردناک کوڑا نہیں مارا۔

بے عقلی بھی فقر ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: ﴿اکبر الفقر الحمق﴾ حماقت سب سے بڑا فقر ہے۔

سب سے بڑی ثروت و دولت عقل و علم ہے چونکہ علم میراثِ انبیاءؑ ہے۔ اور مال میراثِ فراعنہ ہے۔ (بحار، جلد۱، صفحہ ۱۸۵)

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اکثر الناس قیمۃ اکثرھم علمًا و اقلّ الناس الناس قیمۃ اقلّھم علمًا﴾ (بحار، جلد۱، صفحہ ۸۴) لوگوں میں سب سے زیادہ قیمتی وہ ہے جس کا علم زیادہ ہے اور سب سے کم قیمت اس کی ہے جس کا سب سے علم کم ہے۔

مسلمانو! خداوند سے علم مانگو کہ اسی کا حکم رسول کو بھی دیا۔ یہ امت کی تعلیم کی خاطر تھا۔ علم ترقی کا واحد راستہ ہے اس کے علاوہ کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔ علم ہو تو اس سے مال و دولت بھی آ جاتی ہے۔ خدا سے صرف مال مت مانگو کہ مال اپنی تمام قباحتوں کے ساتھ آتا ہے۔

خداوند نے قرآن میں مال مانگنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے:

﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورہ بقرہ، آیت ۲۰۰ و ۲۰۱)

Presented by Ziaraat.Com

توبہ

قرآن میں ہے:

﴿تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (نور، آیت:۳۱)

اے مومنو! تمام اللہ کی طرف رجوع کرو شاید تم فلاح پا جاؤ۔

توبہ کے معنی خدا کی طرف بازگشت اور لوٹنے کے ہیں، خداوند ہی وہ اصلی مقصد ہے جس کی طرف انسان کا سفر جاری ہے، انسان حجابات کا شکار ہو کر اسے بھول جاتا ہے، اپنے اصلی بلند و ارفع مقام کو بھول جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (حجر، آیت:۱۱) جو توبہ نہ کرے وہی ظالم ہے۔

انسان کی توبہ سے پہلے خداوند کی طرف سے نظر رأفت و رحمت کا ہونا ضروری ہے تاکہ انسان توبہ کی توفیق پا سکے، یہ جذبہ خداوندی ہے جو عبد کو جذب کرتا ہے خدا کی طرف۔ اس جذبے کو بھی توبہ کہا گیا ہے اس کے صدقے جب بندہ توبہ کرتا ہے تو خداوند کی رحمت اسے شامل ہوتی ہے کہ یہ مرحلہ قبولیت توبہ ہے، پس عبد کی توبہ رحمت خدا سے گھری ہوتی ہے ایک رحمت ابتداء میں ہوتی ہے اور دوسری توبہ کے بعد ہوتی ہے۔

سورہ توبہ میں آیت ۱۱۸ میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے: ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

غزوہ تبوک میں تین مسلمان سستی و بزدلی کی وجہ سے جنگ پر نہ گئے، بعد میں پشیمان ہوئے تو آیت میں ہے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ خداوند نے انہیں توفیق توبہ دی تاکہ وہ توبہ کریں یہ بازگشت اول از طرف حضرت حق اس کی حبّ کا جلوہ ہے، جو اسے بھول جاتے ہیں وہ اپنے جذبہ رحمت سے انہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔

سورۂ مومنون میں وہ فرماتا ہے: ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (مومنون، آیت:۷۱) ہم نے انہیں ان کا ذکر عطا کیا لیکن وہ اس سے روگردانی کرنے والے ہیں۔

اور سورہ نساء آیت ۲۶ میں فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ وہ سب پر نظر کرنا چاہتا ہے خداوند توّاب ہے اور توّاب سب پر کرم کرتا ہے۔

توبہ ہر روز ہو توبہ بعد از توبہ، رجوع بعد از رجوع ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ توبہ گناہوں سے، عیوب سے، نواقص سے، اغیار سے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جب کعبہ بنایا تو دعا کی: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

Presented by Ziaraat.Com

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (بقرہ، آیت:۱۲۸)
دونوں نبی راہ عبودیت کا سوال کرتے ہوئے نظر کرم کے طالب ہیں۔ کعبہ بنا کر بھی تُبْ عَلَيْنَا کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور ہم صرف کعبہ جا کر سمجھتے ہیں اب ہمیں کیا چاہئے۔

توبہ در قرآن

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً﴾ (نساء، آیت:۱۷)

یعنی خداوند صرف ان کی توبہ قبول کرتا ہے جو جہالت سے گناہ کرتے ہیں اور پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ مومن اگر وسوسہ شیطانی کا شکار ہو کر گناہ کرتے ہیں تو اسے فوراً توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کی تاخیر تا دم مرگ درست نہیں ہے خدا ایسی صورت میں توبہ قبول نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ﴾ (مائدہ، آیت:۳۹) جو بعد از گناہ توبہ کرے اور پھر اصلاح کرے اور ازالہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے مثلاً اگر نماز چھوڑی ہے تو پہلے نماز کی قضا کرے اور پھر توبہ کرے۔

ایک اور آیت میں مزید شرط ذکر کی:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (نساء، آیت:۱۴۶)

توبہ کے لئے توبہ و اصلاح کے علاوہ ضروری ہے کہ اپنے دین کو خالص کرے اور خداوند سے تمسک کرے۔

ایک اور آیت میں پیروی رسول ﷺ کو شرط قرار دیا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

(توبہ، آیت:۱۱۷)

یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر سخت حالات تھے بہت سے چھوڑ گئے تو خدا فرماتا ہے توبہ ان کے لئے ہے جو سخت ترین حالات میں رسولؐ کے ہمراہ رہے ہوں اور اس کی پیروی کرتے رہے ہوں۔

Presented by Ziaraat.Com

ایک اور شرط کلماتِ الٰہی کا واسطہ ہے: ﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ یعنی قبولیٔ توبہ کی شرط وہ کلمات ہیں جو خداوند نے حضرت آدمؑ کو تعلیم دیئے تا کہ انکے وسیلہ سے خداوند حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کرے اور روایات سے ثابت ہے کہ یہ کلمات رسول خداﷺ اور اہل بیت اطہارؑ تھے جن کا واسطہ دے کر حضرت آدمؑ نے توبہ کی۔

معاد جسمانی کیسے ہوگا؟

انسان جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کے بدن کے اجزاء بکھر جاتے ہیں، حیوانات کھا لیتے ہیں اور ان کے بدن کے اجزاء بن جاتے ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ انسان اسی بدن کے ساتھ قیامت کے دن محشور ہو سکے گا؟ یہ مشہور شبہ ہے جو "شبھۃ آکل و ماکول" کے نام سے معروف ہے۔ ایک زندیق نے امام صادقؑ سے سوال کیا: ﴿افلا یتلاشی الروح بعد خروجه عن قالبه ام هو باقی؟﴾ کیا روح بدن سے نکلنے کے بعد نابود ہو جاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ ﴿قالؑ بل هو باقی الی وقت ینفخ فی الصور فعند ذلك تبطل الاشیاء و تفنی فلا حسّ و لا محسوس ثمّ اعیدت الاشیاء کما بدئها مدبّرها و ذلك اربعمائة سنة نشأت فیها الخلق و ذلك بین نفختین، قال و انّی له البعث والبدن قد بلی و الاعضاء قد تفرقت فعضو ببلدة یاکلها اسباعها و عضو اخری تمزّقه هوامها و عضو قد صارت ترابا بنی مع طین حائط؟ قال علیه السلام انّ الذی انشائها من غیر شئ و صوّره علی غیر مثال قادر ان یعیده کما بدئه، قال اوضح لی ذلك؟ قالؑ ان الروح مقیمة فی مکانها روح المحسن فی ضیاء و فسحة و روح المسئ فی ضیق و ظلمة والبدن یصیر ترابا خلق منه و تقذف اسباع من اجوافها ممّا اکلته و مزّقته کلّ ذلك فی التراب محفوظ عند من لا یعزب عنه مثقال ذرّة فی ظلمات الارض و یعلم عدد الاشیاء و وزنها و انّ الروحانیین بمنزلة الذهب فی التراب فاذا کان حین البعث مطرت الارض مطر النشور فتربوا الارض ثمّ تمخض مخض اسماء فیصیر تراب البشر کمصیر الذهب عن الارض اذا غُسِل بالماء و الزبد من اللبن اذا تمخض فیجتمع تراب کلّ قالب فینتقل باذن القادر الی حیث الروح فتعود الروح باذن المصوّر کهیئتها و تلج الروح فیها فاذا قدر القوی لا ینکسر من نفسه شیئًا﴾۔ (لئالی الاخبار)

ترجمہ:۔ امامؑ نے زندیق کے اس سوال کہ مرنے کے بعد روح نابود ہو جاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ فرمایا: صور پھونکے جانے تک باقی رہتی ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی نہ حس ہوگی نہ محسوس پھر تمام اشیاء کو خداوند پہلے کی طرح دوبارہ زندہ کرے گا یہ چار سو سال کا عرصہ ہے جو پہلے صور اور دوسرے صور کے درمیان ہوگا، سائل

Presented by Ziaraat.Com

نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس کا بدن ختم ہو چکا ہوگا۔ بعض عضو درندوں نے کھا لیئے، بعض کیڑوں نے، بعض مٹی بن کے دیوار میں استعمال ہو چکے؟ حضرتؑ نے فرمایا: جس نے پہلی دفعہ غیر شیٔ سے خلق کیا اور بغیر صورت کے صورت دی وہی پھر لوٹائے گا۔ اس نے کہا: اس کی وضاحت کریں؟ فرمایا: روحیں اپنی اپنی جگہ ٹھہری ہوتی ہیں، نیک شخص کی روح روشنی و کھلی جگہ پر اور برے شخص کی روح تاریکی و تنگ جگہ پر۔ بدن مٹی ہو جاتا ہے، درندوں نے جو کھایا ہوگا نکال دیں گے، سب مٹی میں اس ہستی کے پاس محفوظ ہے جس سے ایک ذرہ غائب نہیں ہو سکتا۔ جو اشیاء کی تعداد و وزن کو جانتا ہے۔ روح والی مخلوقات کی مٹی سونے کے ذرات کی مانند ہے جو مٹی میں موجود ہوں، قیامت کے قریب زمین پر بارش برسے گی مٹی بالا و پائین ہوگی تراب بشر اس سے سونے کی طرح الگ ہو جائے گی اور ہر ایک کی مٹی اس کی روح کی طرف منتقل ہو جائے گی قادر متعال کے اذن سے اور بدن حکم خدا سے مکمل ہوگا اور روح اس میں داخل ہو جائے گی۔

ایک اور روایت اس بارے کافی میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ سوال ہوا: کیا میت کا جسم ختم ہو جاتا ہے؟ فرمایا: ہاں نہ گوشت بچتا ہے نہ ہڈی، صرف وہ اصلی طینت بچ جاتی ہے جس سے خلق ہوا تھا یہ بوسیدہ نہیں ہوتی یہ قبر میں باقی رہتی ہے پھر اس سے خلقت ہوگی پہلے کی طرح۔

اس روایت میں طینت کا ذکر ہے اس کے معنی بھی اصل انسان ہے۔

(۱) مراد نفس ناطقہ ہے جو کہ اصل انسان ہے یہ طینت بھی اصل انسان ہے۔

(۲) مراد نطفہ ہے چونکہ طینت یعنی منشاء خلقت جو کہ نطفہ ہے۔

(۳) طینت سے مراد وہ مٹی ہے جو نطفہ کے ساتھ فرشتے مخلوط کرتے ہیں صحیحہ محمد بن مسلم میں امام جعفر صادقؑ یا محمد باقرؑ سے مروی ہے: انسان کی خلقت اس مٹی سے ہوتی ہے جس میں اسے دفن ہونا ہے۔ روایت حارث بن مغیرہ میں امام صادقؑ نے فرمایا: ﴿انّ النطفة اذا وقعت في الرحم بعث الله ملكا فاخذ من التربة التي يدفن فيها و خلطها في النطفة فلا يزال قلبه يحن اليها حتّٰى يدفن فيها﴾ یعنی جب نطفہ رحم میں واقع ہوتا ہے تو خداوند ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس جگہ کی مٹی لیتا ہے جہاں اسے دفن ہونا ہے وہ اسے نطفہ کے ساتھ مخلوط کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کا اس وطن کی طرف دل مسلسل کھنچا رہتا ہے مشتاق رہتا ہے یہاں تک کہ وہاں دفن ہو جاتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ معاد جسمانی میں وہی اجزاء اصلیہ عود کرتے ہیں اور یہ کسی دوسرے حیوان کے بدن کا جزء نہیں بن سکتے، باقی اجزاء بدن جو فضلیہ فانیہ ہیں ان کا عود مراد نہیں ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

باب الحکم و اللطائف

در عالمِ بی وفا کسی خرّم نیست ‏ ‏ ‏ ‏ شادی و نشاط در بنی آدم نیست
آنکس که در این زمانه او را غم نیست ‏ ‏ ‏ ‏ یا آدم نیست یا در این عالم نیست

ترجمہ: اس بے وفا دنیا میں کوئی خوش نہیں ہے بنی آدم میں خوشی وسرور ہے ہی نہیں جسے اس زمانہ میں کوئی غم نہیں ہے یا وہ آدمی نہیں ہے یا اس دنیا میں نہیں ہے۔

لطیفہ

مہمان نے میزبان سے پوچھا: قبلہ کس طرف ہے؟ تو اس نے کہا: مجھے خود ابھی دو سال ہوئے ہیں یہاں آئے ہوئے مجھے کیا پتہ؟

فائدہ

تین افراد تین جگہوں پر پہچانے جاتے ہیں: (۱) حلیم و بردبار غصے کے وقت، (۲) شجاع و دلیر میدانِ جنگ میں، اور (۳) دوست ضرورت کے وقت۔

فائدہ

حکیم سے سوال ہوا، وہ کون سا عیب ہے جو ہر کمال کو چھپا لیتا ہے؟ کہا: بخل ہے۔ پوچھا گیا: وہ کون سا کمال ہے جو ہر عیب کو چھپا لیتا ہے؟ کہا: سخاوت ہے۔

لطیفہ

کسی نے مہمان کو رات نیچے والے حصے میں سلایا۔ آدھی رات کو اوپر والے حصے سے اس کی ہنسی کی آواز آئی۔ جا کر پوچھا: اوپر کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میں رات خواب میں گر پڑا۔ تو اس نے کہا: لوگ اوپر سے نیچے گرتے ہیں اور تم نیچے سے اوپر کیسے گرے ہو؟ اس نے کہا: میں بھی اسی پر ہنس رہا ہوں۔

سوال:۔ نجف اشرف میں دفن ہونا بہتر ہے یا کربلا معلی میں یا مکہ معظمہ میں؟

جواب:۔ نجف اشرف کے بارے زیادہ روایات ہیں۔

روایت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے توراتِ موسیٰ علیہ السلام، زبورِ داؤد علیہ السلام، انجیل عیسیٰ علیہ السلام اور قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

Presented by Ziaraat.Com

ایک ایک کلمہ اختیار کیا ہے۔

- تورات سے یہ کلمہ ﴿من صمت نجا﴾ جس نے خاموشی اختیار کی نجات پا گیا۔
- زبور سے یہ کلمہ ﴿من ترك الشبهات سلم من الآفات﴾ جس نے شبہات کو ترک کر دیا وہ آفات سے سالم رہا۔
- انجیل سے یہ کلمہ ﴿من قنع شبع﴾ جس نے قناعت کی وہ سیر ہو گیا۔
- قرآن سے یہ کلمہ ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ جس نے خدا پر بھروسہ کیا خدا اسے کافی ہے۔

حکمت

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا میں نے حکمت کے ہزار کلمات سیکھے ان میں سے ۴۰۰ اختیار کئے ان میں سے ۴۰ اختیار کئے اور ان میں سے آٹھ کا انتخاب کیا تمام حکمت انہی آٹھ کلمات میں ہے:

۱و۲۔ دو چیزوں کو مت بھولو خدا کو اور موت کو۔

۳و۴۔ دو چیزوں کو بھول جاؤ وہ نیکی جو تم کسی کے ساتھ کرو اور وہ برائی جو کوئی تمہارے ساتھ کرے۔

۵۔ جب کسی محفل میں جاؤ تو اپنی زبان کو کنٹرول رکھو۔

۶۔ جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنی آنکھ پر کنٹرول رکھو۔

۷۔ جب کسی کے دستر خوان پر جاؤ تو اپنے پیٹ پر کنٹرول رکھو۔

۸۔ جب نماز میں مشغول ہو تو اپنے ذہن پر کنٹرول رکھو۔

فائدہ

چار چیزیں انسان کی کمر توڑ دیتی ہیں: دشمن کی زیادتی، قرض کی زیادتی، اولاد کی زیادتی اور بداخلاق بیوی۔

فائدہ

حکماء کہتے ہیں کہ دنیا سے دور ہو جاؤ قبل اس کے کہ وہ تم سے دور ہو جائے۔ موت کے لئے تیار رہو قبل اس کے کہ موت تم تک پہنچے، خدا کو اپنے آپ سے راضی کرو قبل اس کے کہ خدا کے حضور پہنچو، جب رزق کا اور خوشبختی کا دروازہ تم پر کھل جائے تو مطمئن نہ ہو جاؤ کہ راہ راست سے منحرف ہو جاؤ، اور جب مصیبت و ابتلاء کا دروازہ تم پر کھل جائے تو مطمئن ہو جاؤ کہ تم نے اولیاء الٰہی کے راستے پر قدم رکھا ہے اور محبوب سے جو بھی ملے اس پر صابر و شاکر رہو۔

Presented by Ziaraat.Com

فائدہ

ایک عالم نے کسی سے کہا: کیوں علم حاصل نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: میں نے تمام علم وحکمت کا خلاصہ حاصل کرلیا ہے؟ عالم نے پوچھا: وہ کیا ہے تو اس نے کہا:

(۱) جب تک سچ باقی ہے میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔

(۲) جب تک حلال ختم نہیں ہو جاتا میں حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔

(۳) جب تک اپنا محاسبہ نہ کرلوں دوسروں کے عیوب کی جستجو نہیں کروں گا۔

(۴) جب تک رزق خدا کا خزانہ ختم نہ ہو جائے میں کسی مخلوق کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔

(۵) جب تک جنت میں قدم نہ رکھ لوں شیطان کے فریب و دھوکہ سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھوں گا۔

فائدہ

حکماء کہتے ہیں: پانچ چیزیں ہیں جن کا کم بھی بہت ہے: درد، غم، دشمن، بندگی کی ذلت اور عار۔

حکمت

حکماء کہتے ہیں: ﴿خیر الاشیاء جدیدها و خیر الاخوان قدیمها﴾ سب سے اچھی چیز نئی ہوتی ہے لیکن سب سے اچھا دوست پرانا دوست ہے۔

خزینہ

کسی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق تو بیان فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم خدا کی وہ نعمتوں شمار کرو جو خدا نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں، سائل نے کہا: یہ تو شمار نہیں ہو سکتی ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ کہ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے۔ حضرت نے فرمایا: خدا قرآن میں ان نعمات کو قلیل فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ جب اس قلیل کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے تو خلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو خود خدا نے عظیم فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ تو پھر وہ ان کو کیسے شمار کیا جا سکتا ہے ہاں تجھے یہ کہہ دوں کہ انبیاء میں سے ہر ایک کسی ایک صفت کاملہ میں کمال رکھتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صفات کاملہ اور اخلاق حمیدہ سے متصف تھے۔

فاضل

حکماء کہتے ہیں: لوگوں میں سے سب سے بڑا فاضل وہ شخص ہے جس میں پانچ اوصاف ہوں: (۱) عبادت میں سبقت کرے، (۲) اس کا نفع دوسروں کو پہنچے، (۳) لوگوں کو اس کے شر کا خوف نہ ہو، (۴) دوسروں سے طمع نہ رکھے،

Presented by Ziaraat.Com

(۵) اور موت کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔

موعظہ

حاتم اصم کے ایک مرید نے اس سے وعظ و نصیحت کا تقاضا کیا تو اس نے کہا اپنے آپ کو چار چیزوں سے بچاؤ:

(۱) اسے ناراض مت کرو آخر میں جس کی رضایت کے محتاج ہو گے۔

(۲) جس عمارت کے آباد کرنے پر مجبور ہو اسے خراب مت کرو۔

(۳) ایسی بات ہی نہ کرو کہ اس پر معذرت کی ضرورت پیش آئے۔

(۴) دنیا کی روشنی میں کسی کو ناراض نہ کرو تا کہ کل قبر کی تاریکی میں عذاب سے بچ سکو۔

روایت

خدا نے حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرمایا کہ میں تمہیں چار چیزوں کا امر کرتا ہوں ایک میرے ساتھ خاص ہے، ایک تیرے ساتھ خاص ہے، ایک تیرے اور بندوں کے درمیان ہے اور ایک تیرے اور میرے درمیان ہے وہ جو میرے ساتھ خاص ہے عبادت ہے، صرف میری عبادت کرو اور کسی کو میری عبادت میں شریک نہ کرو، وہ جو تمہارے ساتھ خاص ہے عمل ہے تم عمل کرو نیک ہوگا تو جزا ملے گی بد ہوگا تو سزا ملے گی۔ اور وہ جو تیرے اور بندوں کے درمیان ہے ان کے لئے بھی وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور ان کے لئے نہ چاہو جو اپنے لئے نہیں چاہتے ہو اور وہ جو تیرے اور میرے درمیان ہے دعا ہے تم دعا کرو میں اجابت کروں گا۔

لطیفہ

ایک عورت نے شوہر سے پوچھا: میں کیا کروں کہ تم مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ تو اس نے کہا: مر جاؤ۔

حکمت

حکیم بوذر جمہر سے منقول ہے کہ عافیت چار قسم پر ہے: عافیت و سلامتی دین، عافیت مال، عافیت اہل اور عافیت تن، دین کی سلامتی تین چیز میں ہے: ہوائے نفسانی کی پیروی نہ کرنا، شریعت کے امر و نہی کی پاسداری کرنا، اور دل کو حسد سے پاک کرنا،

مال کی سلامتی تین چیزوں میں ہے: حقوق ادا کرنا، امانت ادا کرنا اور فقراء کے حال پر رحم کرنا۔

تن کی عافیت و سلامتی بھی تین چیزوں میں ہے: جماع کم کرنا، کلام کم کرنا اور نیند و کھانے میں کمی کرنا۔

اہل کی سلامتی بھی تین چیزوں میں ہے: حسن معاشرت، قناعت اور حفظ اطاعت۔

Presented by Ziaraat.Com

لطیفہ

کسی نے پوچھا: آپ کے بھائی فوت ہوئے تو انہوں نے اپنی بیوی کے لئے کیا چھوڑا؟ تو اس نے کہا: چار مہینے دس دن عدت۔

لطیفہ

ایک عورت نے ایک بدصورت شخص سے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: آدم۔ تو عورت نے کہا: شکل سے تو نہیں لگتے۔

روایت

شیخ صدوق علیہ الرحمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو بھی چاہتا ہے کہ خدا اس پر سکرات موت آسان کرے تو اسے چاہیئے کہ صلۂ رحمی کرے اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرے۔

فائدہ

آدمی رات کو چھپ کر کئے جانے والے دو کام چھپتے نہیں ہیں: ایک نماز شب اور دوسری چوری۔

حکمت

﴿سر بعد الطعام ولو خطوةً نم بعد الحمام ولو لحظةً بل بعد الجماع ولو قطرةً﴾ کھانے کے بعد چلو اگر چہ ایک قدم ہو۔ نہانے کے بعد سوؤ اگر چہ ایک لحظہ ہو اور جماع کے بعد پیشاب کرو اگر چہ ایک قطرہ۔

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا: لوگ جس کی زبان سے ڈریں وہ جہنمی ہے۔

روایت

﴿الشهره آفةٌ والخمول راحةٌ﴾ شہرت آفت ہے اور گم نامی راحت۔

خزینہ

حکیم سے سوال ہوا: سب سے بڑی مصیبت کیا ہے؟ تو کہا: کسی کریم کا کسی لئیم (کمینے) سے سوال پر مجبور ہونا۔

حکایت

ایک فقیر نے ایک دیہات کے پاس پہنچ کر چند افراد سے سوال کیا کہ میری مدد کرو ورنہ میں تمہارے ساتھ بھی وہی کروں گا جو پچھلے دیہات والوں کے ساتھ کر آیا ہوں، وہ ڈر گئے کہ کوئی پہنچی ہوئی شخصیت ہے سب نے مل کر اس کی مدد کی اور پھر پوچھا: آپ نے حضور پچھلے دیہات والوں کے ساتھ کیا کیا؟ تو اس نے کہا: جب انہوں نے میری مدد نہ کی تو

میں وہاں سے چپ چاپ گزر آیا۔

خزینہ

حکیم سے سوال ہوا۔ دنیا کی آسائش وراحت کس چیز میں ہے؟ تو اس نے کہا: ترکِ دنیا میں ہے۔

بقراطی

بقراط کہتے ہیں کہ چند چیزیں بینائی کو کمزور کرتی ہیں: (۱) گرم کھانا کھانا، (۲) سر پر گرم پانی ڈالنا، (۳) سورج کی طرف دیکھنا، اور (۴) چہرۂ دشمن کو دیکھنا۔

کامیابی وظفر

دشمن کے خلاف ظفرمندی کے لئے ﴿یا هُوْ یا مَنْ لا هُوْ اِلاّ هُوْ﴾ پڑھیں یہی کلمات رسول خداؐ نے جنگ بدر میں پڑھے تھے۔

طلب

حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: یہ کلمات اسم اعظم ہیں: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ اللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ یہ پڑھے خدا سے جو مانگیں وہ دے گا۔

سوال

عورت کس جگہ پر اطاعت خدا کی وجہ سے شوہر سے جدا ہونے پر مجبور ہوتی ہے اور کس جگہ پر خدا کی معصیت کی وجہ سے شوہر سے جدا ہونے پر مجبور ہوتی ہے؟

جواب:۔ کافر کی بیوی مسلمان ہو جائے یا مسلمان کی بیوی کافر ہو جائے۔

فائدہ

حکماء کہتے ہیں کہ احمق ترین وہ شخص ہے جو اچھے دوست کو ہاتھ سے دے بیٹھے اس کے حقوق کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے۔

نکتہ

حکیم سے پوچھا گیا کہ کھانے کے لئے کون سا وقت بہتر ہے؟ تو اس نے کہا: اغنیاء کے لئے وہ وقت جب اچھی طرح بھوک لگی ہو اور فقراء کے لئے وہ وقت جب انہیں کھانا میسر ہو۔

فائدہ

جس میں یہ چھ صفات ہوں وہ دوستی کے قابل ہے:

Presented by Ziaraat.Com

(١) اگر اسے عیب کا علم ہو جائے تو اسے ظاہر نہ کرے۔

(٢) اگر اسے کسی کے کمال کا علم ہو جائے تو تھوڑا بھی بہت ظاہر کرے۔

(٣) کسی پر احسان کرے تو اسے بالکل اظہار نہ کرے۔

(٤) اگر کوئی اس پر احسان کرے تو بالکل فراموش نہ کرے۔

(٥) اگر کوئی اس سے برائی کرے تو معاف کر دے۔

(٦) کوئی معذرت چاہے تو اس کی معذرت قبول کرے۔

روایت

معتبر حدیث میں وارد ہے کہ تین چیزوں سے عمر بڑھتی ہے اور عافیت وصحت حاصل ہوتی ہے: (١) نماز میں رکوع وسجود طولانی کرنا، (٢) دسترخوان پر زیادہ دیر بیٹھنا، (٣) لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک ومتقی شخص تھا اور اس کی زوجہ بھی صالحہ خاتون تھی۔ اس مرد کو خواب میں کہا گیا کہ خدا نے مقرر فرمایا ہے کہ تمہاری آدھی عمر رفاہ وخوشحالی میں گزرے اور نصف عمر تنگی و بدحالی میں اب تم اختیار کرلو پہلی نصف کون سی ہو؟ اس نے کہا: میں کل بتاؤں گا، صبح بیوی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: پہلی نصف عمر خوشحالی کی اختیار کرو شاید بقیہ نصف میں خدا رحم فرمائے، دوسری شب اس نے یہی کہا، ان کے ایام انتہائی خوشحالی سے گزرنے لگی۔ بیوی اسے مسلسل فقراء و مساکین کے ساتھ نیکی پر متوجہ کرتی رہی اور وہ بھی دوسروں پر خوب خرچ کرتا رہا۔ آدھی عمر گزر گئی تو پھر اسے خواب میں بشارت ہوئی کہ بقیہ نصف عمر بھی خدا نے فرمایا ہے کہ خوشحالی میں گزرے گی اس احسان ونیکی کی وجہ سے جو آپ نے لوگوں کے ساتھ کی ہے۔

فکریہ

یعقوب لیث نے ایک بڑے شخص سے جو فقیر ہو چکا تھا پوچھا: کیسے حال ہیں؟ تو اس نے کہا: وہی حالت ہے جو پہلے تمہاری تھی۔ اس نے پوچھا: پہلے میری کیا حالت تھی تو کہا: جو میری حالت آج ہے۔

خزینہ

خداوند نے سب مؤمنین سے فرمایا: توبہ کرو ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (نور/٣١) یہ اس لئے تاکہ گناہ گار شرمندہ نہ ہوں، جب خداوند دنیا میں گناہ گاروں کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تو قوی امید ہے کہ توبہ کرنے پر آخرت میں بھی رسوا نہیں کرے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

روایت

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ﴿من اشتری ما لا یحتاج الیہ باع ما یحتاج الیہ﴾ اگر کوئی ایسی چیز خریدے جس کی اسے ضرورت نہیں ہے تو اس نے ایسی چیز بیچ دی ہے جس کی اسے ضرورت و احتیاج تھی۔

شعر

بدوست اگر چہ عزیز است رازِ دل مگشا — کہ دوست نیز بگوید بدوستان عزیز

دوست جتنا بھی پیارا ہو اس سے دل کی بات مت کہو کہ وہ بھی اپنے پیارے دوستوں سے کہہ دے گا۔

حکمت

حکیم سے سوال ہوا: ناخلف بیٹا کیسے ہے؟ تو اس نے کہا: چھٹی انگلی کی مانند ہے اگر کاٹو تو درد ہو اور باقی رہنے دو تو عیب ہے۔

فائدہ

حکماء کہتے ہیں کہ جو کلام ذکر سے خالی ہو وہ لغو ہے جو خاموشی فکر سے خالی ہو سہو ہے جو نظر عبرت سے خالی ہو لہو ہے۔

حکمت

کسی بزرگ سے سوال ہوا: کون شخص زیادہ غمگین رہتا ہے تو اس نے کہا: جو زیادہ بداخلاق ہو۔

فائدہ

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا: میں چار چیزوں کی نصیحت کرتا ہوں کہ ان میں تمہاری بھلائی ہے۔

(۱) دنیا سے تمہارا نصیب اتنا ہی ہونا چاہئے جتنا تمہیں یہاں ٹھہرنا ہے۔
(۲) آخرت سے تمہارا نصیب اتنا ہونا چاہئے جتنا تمہیں وہاں ٹھہرنا ہے۔
(۳) تمہاری عبادت خدا اتنی ہونی چاہئے جتنی تمہیں خدا کے ساتھ احتیاج ہے۔
(۴) تمہاری جرأت خدا پر اتنی ہو کہ جتنی تمہاری طاقت ہے۔

انگوٹھی کس ہاتھ میں ہے

اگر کوئی ایک ہاتھ میں انگوٹھی یا کچھ اور چھپالے تو جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے کہیں جس ہاتھ میں انگوٹھی ہے اس کے لئے جفت عدد ذہن میں رکھے اور خالی ہاتھ کے لئے طاق عدد، پھر دائیں ہاتھ کے عدد کو عدد زوج میں ضرب دے اور حاصل ضرب کو بائیں ہاتھ کے عدد سے جمع کر دے اگر یہ مجموع طاق ہو تو انگوٹھی دائیں ہاتھ ہے اگر جفت ہو تو

Presented by Ziaraat.Com

انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہے۔

شعر

تا زمزمۂ عشقِ تو در گوشم شد — عقل و خرد و ہوش فراموشم شد
تا یکورق از عشق تو حاصل کردم — صد ورق از علم فراموشم شد

(اوحدی)

شعر

عمرت بسر آمد و بسامان نشدی — دردت بلب آمد و بدرمان نشدی
قاضی و خطیب و پارسا و مفتی — این جمله شدی ولی مسلمان نشدی

ادب

ارسطو نے کہا: جو کسی محترم پر داخل ہو تو اسے چاہئے کہ کم بولے اور کم کھائے اور جلدی وہاں سے آ جائے۔

سوال

ایک حدیث ہے ﴿الفقر فقری﴾، دوسری حدیث ہے ﴿الفقر سواد الوجه فی الدارین﴾ ایک حدیث ہے ﴿یکاد الفقر ان یکون کفراً﴾۔ حضور ﷺ نے فرمایا: فقر میرا فخر ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ فقر چہرے کی سیاہی ہے دنیا و آخرت میں، اور تیسری حدیث ہے فقر کفر کا باعث بن سکتا ہے۔ ان تینوں میں فرق کو بیان کریں؟

جواب

فقر کے معنی احتیاج کے ہیں اور ناداری کے بھی ہیں۔ ان جملوں میں مراد مخلوق کی طرف احتیاج ہے۔ پہلی سے مراد فقر باصبر ہے، دوسری میں مراد مخلوق سے سوال کرنا ہے اور تیسری میں مراد بغیر صبر کے اور خدا پر اعتراض کے طور کہے کہ کیوں مجھے فقیر بنایا ہے۔ ہو سکتا ہے پہلی حدیث میں خدا کی طرف احتیاج مراد ہو۔

طب

ہندوستان، ایران اور روم کے حکماء و اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ تمام امراض ان چھ چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں: (۱) دن میں زیادہ سونا، (۲) رات میں کم سونا، (۳) زیادہ جماع کرنا، (۴) زیادہ کھانا، (۵) رات میں پانی پینا، (۶) پیشاب روکنا۔

Presented by Ziaraat.Com

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مومن سے یہ چار سوال ہوں گے:

(۱) اس کی عمر کے بارے کہ کہاں فنا کی،

(۲) اس کے بدن کے بارے کہ کہاں پوسیدہ کیا،

(۳) اس کے علم کے بارے کہ کہاں اس پر عمل کیا،

(۴) اس کے مال کے بارے کہ کہاں سے کسب کیا اور کہاں خرچ کیا۔

فائدہ

جو کچھ تم رضاء و رغبت سے کھاتے وہ تم نے کھایا ہے اور جو کچھ تم بغیر رغبت کے کھاتے ہو اس نے تمہیں کھایا ہے۔

روایت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿حسن الخلق خیر قرین﴾ خوش اخلاقی بہترین ساتھی ہے۔

خزینہ

عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا کہ کون سا دن افضل ہے؟ کون سا مہینہ افضل ہے اور کون سا عمل افضل ہے تو جواب دیا: دنوں میں سے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، مہینوں میں سے سب سے افضل مہینہ ماہ رمضان ہے، اعمال میں سے سب سے افضل عمل روزانہ کی نمازیں ہیں جو اول وقت میں پڑھی جائیں، یہ سوال و جواب جب حضرت امیر علیہ السلام کو بتلائے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ مشرق و مغرب کے علماء و حکماء سے یہ سوال کیا جاتا تو وہ یہی جواب دیتے جو ابن عباس نے دیا لیکن میں کہتا ہوں کہ بہترین عمل وہ ہے جو خدا تم سے قبول کر لے، بہترین مہینہ وہ ہے کہ جس میں تم گناہوں سے توبہ کر لو اور خدا کی طرف رجوع کرو، اور بہترین دن وہ دن ہے جس میں تم ایمان کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔

طب

دانتوں کی زردی ختم کرنے کے لئے صدف، تخم توت اور تخم اسپند باوزن برابر لے کر پیس لیں اور دانتوں پر ملیں چمک اور مضبوطی دونوں حاصل ہوں گے۔

روایت

کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے جب ہمارے بچے پریشان یا بیمار ہوں تو ہم خود بھی

Presented by Ziaraat.Com

پریشان ہو جاتے ہیں لیکن جب ہم پریشان یا بیمار ہوں تو ہماری اولاد اتنی پریشان نہیں ہوتی؟ تو آپؑ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے تن کے ٹکڑے ہیں اور تم ان کے تن کے ٹکڑے نہیں ہو۔

روایت

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: جو اپنی تمام امیدوں کو پالے تو وہ اپنی موت کے نزدیک پہنچ چکا ہے۔

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے محتاج وفقیر ظاہر کرے حالانکہ ایسا نہ ہو تو وہ فقیر ومحتاج ہو جاتا ہے اور جو تندرست وسالم ہو اگر لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرے تو بالآخر بیمار ہو جائے گا۔

لطیفہ

منصور دوانقی نے ایک شامی عرب سے کہا: آپ لوگ خدا کا شکر ادا کریں کہ جب سے آپ کی حکومت مجھے ملی ہے خدا نے طاعون کو تم لوگوں سے اٹھا لیا ہے، تو عرب نے کہا: خداوند بڑا عادل ہے وہ دو بلائیں بیک وقت لوگوں پر نازل نہیں کرتا۔

فائدہ

کہتے ہیں نر سانپ ہر سال ایک دفعہ کینچلی اتارتا ہے اور اس کی گردن پر ایک نقطہ ظاہر ہو جاتا ہے جس سے اس کی عمر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

روایت

﴿قال امير المؤمنين عليه السلام : العقول ائمّة الافكار و الافكار ائمّة القلوب و القلوب ائمّة الحواس و الحواس ائمّة الاعضاء﴾۔ عقلیں افکار کی امام ہیں، افکار قلوب کے امام ہیں، قلوب حواس کے امام ہیں اور حواس اعضاء کے امام ہیں۔

خزینہ

حضرت ادریس نبی علیہ السلام نے فرمایا: افضل ترین نیکی تین چیزیں ہیں: غصے کے وقت سچ بولنا، تنگ دستی میں سخاوت کرنا اور قدرت کے ساتھ معاف کرنا۔

حماقت

ایک احمق کو بیت الخلاء جانا تھا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ کوئی اندر ہے بار بار کھانس رہا تھا جب کوئی جواب نہ آیا تو اندر جھانک کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں ہے کہنے لگا جب تم یہاں نہیں تھے تو جلدی مجھے بتاتے ایسے ہی مجھے منتظر رکھا۔

Presented by Ziaraat.Com

حکایت

ایک دن حضرت سلیمان نبی علیہ السلام کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا اسی اثناء میں حضرت عزرائیل علیہ السلام وہاں تشریف لائے، وہ بڑی گہری نظر سے اس شخص کو دیکھتے رہے جب چلے گئے تو اس شخص نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا: یہ کون تھا جو اس طرح گھور گھور کر مجھے دیکھ رہا تھا؟ آپؑ نے فرمایا: یہ عزرائیل تھے تو وہ پریشان ہوگیا کہ یقیناً میری موت قریب ہے، عرض کرنے لگا: یا نبی اللہ ہوا کو حکم دیں مجھے ہندوستان پہنچادے، آپؑ نے حکم دیا اور وہ ہندوستان پہنچ گیا، جب ملک الموت دوبارہ آپ پر داخل ہوا تو آپ نے صورتحال پوچھی کہ آپ کیوں اس شخص کو توجہ سے دیکھ رہے تھے، آپ نے کہا تعجب اس بات پر تھا کہ مجھے حکم تھا کہ کل اس کی روح کو ہندوستان سے قبض کرنا ہے جبکہ وہ آپ کے پاس بیٹھا تھا اور ہندوستان ایک سال کی راہ کی دوری پر ہے لیکن اس کی موت کے وقت میں نے اسے ہندوستان میں پایا۔

روایت

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جب بہت ہم وغم کا شکار ہو جاؤ تو ﴿لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ﴾ کثرت سے پڑھو یہ ذکر دفع ھموم کے لئے مفید ہے۔

فائدہ

حکماء کہتے ہیں کہ عقلمند کو چاہئے کہ اپنی محفل کو تین چیزوں سے پاک رکھے: مزاح، عورتوں کا ذکر اور کھانے پینے کی گفتگو۔

روایت

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿من تکلم بکلام الدنیا عند الاذان یتلجلج لسانہ عند الموت﴾ جو اذان کے دوران دنیاوی باتوں میں مشغول رہے گا موت کے وقت اس کی زبان اٹک جائے گی۔

فیصلہ

ایک شیعہ اور ایک سنی کے درمیان بحث ہوگئی، دونوں نے طے کیا کہ سب سے پہلے جو شخص نظر آیا اسے حاکم بنائیں گے جو فیصلہ وہ کردے گا وہ دونوں کو قبول ہوگا، انہیں سب سے پہلے ایک دیوانہ ملا، اس سے سوال کیا کہ خلیفہ برحق حضرت علی ہیں یا حضرت ابوبکر؟ تو اس نے کہا: کل جب سورج مشرق سے طلوع کرے گا تو اس سے پوچھ لینا کہ غروب کے بعد تم نے کس کے لئے واپسی کی تھی اگر کہے علی کے لئے پلٹا تھا تو علی حق پر ہیں اگر کہے کہ ابوبکر کے لئے پلٹا تھا تو وہ حق پر ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

عمل

اگر مال تجارت نہ بک رہا ہو یا بیٹی کا رشتہ نہ ہو رہا ہو تو یہ آیت پڑھیں: ﴿يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴾۔

جاہل کی پہچان

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جاہل شخص کو چھ چیزوں سے پہچانا جا سکتا ہے: (۱) بیجا غصے سے، (۲) بے فائدہ گفتگو سے، (۳) بلاوجہ خرچ سے، (۴) راز افشاء کرنے سے، (۵) ہر شخص پر اعتماد کرنے سے، (۶) اور دوست و دشمن میں تمیز نہ کرنے سے۔

خزینہ

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی سلطنت کے زمانے میں اپنے محل میں تشریف فرما تھے۔ محل کے پاس سے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک جوان کا گزر ہوا۔ جناب جبرائیل علیہ السلام نے کہا: اے یوسف صدیق کیا اس جوان کو آپ جانتے ہیں؟ پوچھا: کون ہے؟ کہا: یہ وہی جوان ہے جس نے گہوارے میں آپ کی پاکدامنی کی شہادت و گواہی دی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس جوان کو بلوایا، اسے نہلایا دھلایا صاف کپڑے پہنائے اور اس کے حق میں نیکی کی، یہ دیکھ کر جناب جبرئیلؑ نے تبسم فرمایا، آپ نے پوچھا: اب تبسم کی کیا وجہ ہے تو جبرئیل نے کہا: میرا تبسم اس خاطر تھا کہ اس جوان نے بچپن میں ناخودآگاہ آپ کے حق میں شہادت دی تو آپ اس پر اس قدر احسان کر رہے ہیں پس خداوند اپنے بندے کے حق میں کس قدر احسان کرے گا جو تمام عمر اس کی توحید کی گواہی دیتا رہا ہو۔

روایت

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿شدائد الدنيا خمسٌ الدين ولو كان درهمًا والفرقة ولو كانت سِنوْرًا و السؤال وان كان خردلاً والسفر وان كان ميلاً والبنت ولو كانت واحداً﴾ دنیا کی سختیاں پانچ ہیں: (۱) قرض اگرچہ ایک درہم ہو، (۲) جدائی اگرچہ پالتو جانور (جیسے بلی) کی ہو، (۳) سوال اگرچہ ایک درہم کا ہو، (۴) سفر اگرچہ ایک میل ہو اور بیٹی اگرچہ ایک ہو۔

طب

بچھو یا سانپ جہاں کاٹیں وہاں لہسن پیس کر ضماد کریں جب خشک ہو جائے دوبارہ لگائیں درد ساکن ہو جائے گا۔

روایت طبی

﴿طعام الليل انفع من طعام النهار﴾ رات کا کھانا دن کے کھانے سے زیادہ نافع ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

فائدہ احضار

اگر غائب کو حاضر کرنا مطلب ہو تو ۱۱ مرتبہ سورہ والضحیٰ پڑھیں۔

دعائے حافظہ

﴿اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی فَھْمَ النَّبِیِّیْنَ وَ حِفْظَ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِلْھَامَ الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِین﴾

روایت

اذان و اقامت لکھ کر نصف سر کے درد کے لئے باندھیں نافع ہے۔

حکمت

ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ پر کامیابی نصیب ہوئی۔ اسے گرفتار کر کے جب اس کے سامنے لایا گیا تو فتحمند بادشاہ نے پوچھا: اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے جواب میں کہا: ایک چیز خدا کو پسند ہے جو کہ عفو و درگزر ہے اور ایک چیز تجھے پسند تھی جو کہ فتح و ظفر تھی۔ جو چیز تجھے پسند تھی وہ خداوند نے تمہیں عطا کر دی ہے اب جو چیز خدا کو پسند ہے وہ تم پوری کر دو۔ بادشاہ اس بات سے خوش ہوا اور اسے معاف کر دیا۔

مسئلہ

عقیقہ کے گوسفند کو ذبح کرتے وقت دعا نہ پڑھنے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا البتہ پڑھنا مستحب ہے۔

عمل برائے حج

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: اگر کوئی ایک ہزار مرتبہ ﴿لا حول ولا قوۃ الا باللہ﴾ کہے خداوند اسے حج کی توفیق نصیب کرے گا جبکہ اگر اس کی موت آ چکی ہو خدا موت کو مؤخر کر دے گا تا کہ وہ حج سے مشرف ہو سکے۔

عمل دیگر

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: اگر کوئی ایک مجلس میں یعنی ایک نشست میں ہزار مرتبہ ﴿انشاء اللہ﴾ کہے خداوند اسی سال اسے حج نصیب فرمائے گا اگر اس سال نہ ہو سکے تو اس کی موت میں تاخیر کر دے گا۔

عمل برائے الفت بین زوجین

ایک ہزار ایک مرتبہ ﴿یا وَدُوْد﴾ پڑھیں۔

دیگر

سورہ انعام کی آیت نمبر ۱۴۳ روٹی پر لکھیں اور بیوی کو کھلائیں تو بیوی شوہر کی تابعدار ہو جائے گی۔

Presented by Ziaraat.Com

یا باسط

ایک رات چھوڑ کر تین راتیں عمل کریں ثلث آخر شب حضور قلب کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر ایک ہزار چار سو چوبیس مرتبہ (۱۴۲۴) مرتبہ کہیں ہر حاجت روا ہوگی خصوصاً معیشت کے لئے کہتے ہیں مجرب ہے۔

حاجت روائی

۴۱ دن کا عمل ہے شب جمعہ کو مغرب و عشاء کی نماز کے درمیان دو رکعت نماز حاجت پڑھے اور پھر یہ ذکر پڑھے: ﴿یَا مَنْ یُجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَکْشِفُ السُّوْءَ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا عَبَّاسُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ﴾ یہ دونوں کلموں کو اتنا تکرار کریں کہ سانس ختم ہو جائے۔ آخری رات کے ذکر کو اتنا تاخیر کرے کہ حاجت روا ہو جائے یعنی حاجت روائی تک نہ پڑھے۔

ٹوٹکہ

ہاتھوں کو سفید کرنے کے لئے سفید آلو کو پانی میں اچھی طرح ابال لیں اس کے بعد اس کا چھلکا اتار کر تھوڑے سے دودھ میں حل کریں پھر ہاتھوں پر لگائیں دس منٹ کے بعد ہاتھ دھولیں۔

شعر

عمریست کہ دم بدم علی می گویم | باحال نشاط و غم علی می گویم
تا بود دم علی گفتہ ام ان شاء اللہ | در باقی عمر هم علی می گویم

خزینہ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر انسان تین چیزوں پر کاربند نہ ہو تو اسے ایک مشت خاک کے بدلے بیچ دو۔ ایک تو یہ کہ اپنے دوست سے وفا کرے۔ دوسرا یہ کہ اپنے مال سے اُس پر خرچ کرے اور تیسرا یہ کہ اس کے رازوں کا امین ہو۔

شیخ عطار

شیخ عطار نیشاپور میں دوا فروش تھے اور مریضوں کو بھی دیکھتے تھے۔ لوگ کافی تعداد میں ان کے پاس آتے، ایک دن بڑی سخت گرمی تھی۔ مریض مسلسل آ رہے تھے، دکان کے دروازے پر ایک درویش آئے، کافی دیر کھڑے رہے۔ عطار نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا: تم اتنے مشغول ہو کیسے مروگے؟ عطار نے کہا: جیسے تم مروگے ایسے ہی میں بھی مروں گا۔ درویش نے کہا: نہیں میرا مرنا بہت آسان ہے اسی وقت اپنا کاسہ سر کے نیچے رکھا لیٹے اور فوت ہوگئے، اس چیز نے عطار دوا فروش کو عظیم عارف شیخ عطار بنا دیا۔ راہ عرفان و سلوک کو طے کیا۔ آفاق و انفس کی منزلیں طے کیں یہاں تک کہ مولانا روم نے ان کے بارے کہا ؎

Presented by Ziaraat.Com

ھفت شھرِ عشق را عطار گشت ما ھنوز اندر خمِ یك کوچه ایم

(عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کر لی جبکہ ہم ابھی تک ایک گلی کے موڑ میں ہیں)۔

اور شیخ محمود شبستری نے کہا ہے

مرا از شاعری خود عار آید که در صد قرن چو عطار نآید

علاج

بچے کی کالی کھانسی کے لئے گل کدو تین مثقال قہوہ بنا کر پلائیں۔

دیگر

نزلہ کے لئے چینی یا قند جلا کر اس کا دھواں لیں۔

اقوال زریں

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

- وہ جو قضاوقدر پر بھی غالب آ جاتا ہے صبر ہے۔
- وہ جو آدمی کو چمکا دیتا ہے کام ہے۔
- وہ جو جتنا پرانا ہو بہتر ہے دوست ہے۔
- وہ جو علم سے بہتر ہے تجربہ ہے۔
- وہ جو آدمی کے لئے ننگ ہے غصہ ہے۔
- وہ جو موت سے پہلے انسان کو مار دیتی ہے ناامیدی ہے۔
- وہ جو جتنی لمبی ہو کم ہے زندگی ہے۔
- وہ جو کم بھی ہو تو زیادہ ہے دشمن ہے۔
- وہ جو زیادہ ہو پھر بھی کم ہے ایمان و جوانمردی ہے۔

نادرہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی سے پوچھا: تم کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا: عبادت، پوچھا: تمہارا خرچہ کون دیتا ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی۔ تو فرمایا: تمہارے بھائی کی عبادت تم سے زیادہ ہے۔

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سلام سے پہلے کوئی اور بات کرے اسے جواب نہ دو۔

Presented by Ziaraat.Com

خزینہ

حاتم طائی سے پوچھا گیا: کیا کسی کو اپنے آپ سے آپ نے زیادہ باہمت و بلند پایا ہے؟ کہا: ہاں ایک دن میں نے چالیس اونٹ ذبح کیے، بڑی تعداد میں عرب دعوت پر بلائے ہوئے تھے، میں رفع حاجت کے لئے صحرا کی طرف گیا تو ایک شخص کو لکڑیاں جمع کرتے ہوئے دیکھا، تو اس سے کہا: اے شخص حاتم طائی کی دعوت پر کیوں نہیں جاتے ہو وہاں بڑی مہمانی برپا ہے تو اس شخص نے کہا:

ہر کہ نان از عمل خویش خورد　　منت از حاتم طائی نبرد

جو خود کما کے کھا سکتا ہے اسے حاتم طائی کا احسان لینے کی کیا ضرورت ہے

حافظ بیت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰ کو لکھ کر گھر کے دروازے پر لگے تالے میں لگا دے تو وہ گھر چوری، غرق اور خرابی سے محفوظ رہے گا۔

عمل رزق

بعد از نماز عصر ہر روز صد مرتبہ ﴿یا وھّاب﴾ کہیں یقیناً رزق میں وسعت ہوگی۔

دیگر

شدت و مشکلات میں ۱۲ مرتبہ آیت الکرسی پڑھنا بہت مفید ہے۔

حکمت

دودھ زیادہ پینا مفید ہے قوت بدن کے لئے لیکن حافظہ کو تباہ کر دیتا ہے۔

دیگر

تنگی سانس کے لئے سخت کڑوے تنبا کو کا ایک مثقال لیں اور اسے کوٹ کر آٹھ حصوں میں تقسیم کر لیں، نہار منہ ایک حصہ کھا لیا کریں۔

دیوانہ

ایک درویش بارگاہ امیر المؤمنین علیہ السلام میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا امیر المومنینؑ! آپ کے روضہ پر تو بڑی قندیلیں آویزاں ہیں ان کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔ ایک مجھے عطا کر دیں تو میری عمر اچھی گزر جائے گی، اسی وقت ایک قندیل طلاء ٹوٹ کر گری، درویش اٹھانے لگے تو خدام نے آ کر روک دیا اور پھر قندیل وہیں آویزاں کر دی، دوسرے دن بھی یہی ہوا، تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ خدام نے سید مرتضیٰ سے پوچھا کہ قندیل درویش کو دیں یا واپس لگا دیں۔ آپ

Presented by Ziaraat.Com

نے جواب دیا: وہیں لگا دیں، رات سید نے بی بی پاک کو خواب میں دیکھا تو بی بی نے فرمایا: ہر کسی کا دیوانہ ہوتا ہے یہ درویش آل محمدؐ کا دیوانہ ہے امیر المومنینؑ نے اسے قندیل عطا کی ہے آپ اسے کیوں روکتے ہیں قندیل بھی اسے دو اور اسے راضی بھی کرو ورنہ ہم راضی نہیں ہوں گے، بی بی نے خواب میں اس درویش سے فرمایا: سید مرتضیٰ آ کر قندیل بھی دے گا اور رضایت بھی طلب کرے گا۔ کچھ لئے بغیر راضی نہ ہونا، سید مرتضیٰ درویش کے پاس آئے تو اس نے کہا: جو ہستی آپ کے خواب میں آئی میرے خواب میں بھی آئیں ہیں جب تک فلاں مقدار پیسے نہیں دیں گے میں راضی نہیں ہوں گا۔ سید نے وہ مبلغ دے دیا۔

نادرہ

حضرت نوح علیہ السلام اعقرب (بچھو) کو کشتی میں سوار نہیں کرنا چاہتے تھے، بچھو نے عہد کیا کہ جو بھی ﴿سَلَامٌ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَ سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ﴾ پڑھے گا اسے میں ڈنگ نہیں ماروں گا۔

فائدہ

بالوں کو ھلیلہ (ہریڑ) کے ساتھ دھونے سے بال سفید نہیں ہوتے۔

حکمت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿الفقر الموت الاکبر﴾ فقر بڑی موت ہے۔

لطیفہ

ایک شخص کی بیوی کا نام حور تھا وہ جہاد سے بھاگ آیا، کسی نے کہا: جہاد میں شہید ہو جاتے تو تمہیں حور العین ملتی، اس نے کہا: حور تو میرے پاس پہلے سے ہے ایک عین کی خاطر کیوں مارا جاؤں۔

فائدہ

خوف وحزن میں فرق یہ ہے کہ خوف اس شئ کے غم کا عارض ہونا ہے جو بعد میں پیش آئے گی اور حزن اس شئ کا غم ہے جو پیش آ چکی ہو۔ سورۂ قصص آیت ۶ میں خدا فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ﴾ اس آیت میں دو امر ہیں، دو نہی ہیں، دو خبر ہیں اور دو بشارت ہیں۔

نادرہ

خداوند نے چار چیزوں کو قرآن میں عظیم کہا ہے:

(۱) اپنی ذات بابرکت کو ﴿وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾۔

(۲) خلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ﴿اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) حضرت علی علیہ السلام کو ﴿عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ﴾۔

(۴) سید الشہداء علیہ السلام کو ﴿وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾۔

اور پانچویں بھی عظیم کہی ہے جو کہ عورتوں کا مکر و حیلہ ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ﴾۔

۱۵ شعبان

شب نیمہ شعبان میں تین دفعہ سورۂ یٰسین پڑھیں۔ ایک طول عمر کی نیت سے ایک وسعت رزق کی نیت سے اور ایک صحت کی نیت سے۔

عمل

قرآن میں لفظ جلالت (اللہ) دو ہزار و پانچ سو ساٹھ (۲۵۶۰) مرتبہ آیا ہے۔ اگر خلوت گاہ میں باوضوء رو بقبلہ بیٹھ کر حضورِ قلب سے یا اللہ اسی مقدار میں پڑھے تو حاجت روائی ہوگی۔

دیگر

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ شب جمعہ ثلث آخر شب میں باوضوٗ روقبلہ بیٹھ کر ایک ہزار مرتبہ پڑھیں بہت مفید ہے۔

دیگر

بعد از ہر نماز ۱۸ مرتبہ ﴿یـا حَیُّ﴾ پڑھنا طولِ عمر کے لئے اور مرگِ ناگہانی کو دور کرنے کے لئے اور وسعت رزق کے لئے مفید ہے۔

روایت

اگر کوئی کسی مومن کے بارے میں ایسی بات نقل کرے جو اس کی شرمندگی کا باعث ہو تو خداوند اس شخص کو اپنی ولایت سے نکال دیتا ہے۔

عمل وسعت رزق

تین شب جمعہ کا عمل ہے دو رکعت نماز ہے ہر رکعت میں الحمد دس مرتبہ اور سورہ توحید گیارہ مرتبہ ہے۔ سلام کے بعد صد مرتبہ صلوات ہے۔

نیز

مغرب و عشاء کی نماز کے درمیان ایک ہزار ساٹھ مرتبہ ﴿یا غَنِیُّ﴾ پڑھنا بھی مفید ہے۔

بخار کے لئے

ہزار مرتبہ سورۂ توحید پڑھ کر بی بی پاک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا خدا کو واسطہ دیں کہ خدا بخار کو دور کر دے۔

Presented by Ziaraat.Com

مسئلہ

حیوان کے بچے کو جب اس کی ماں پیدائش کے بعد چاٹتی ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے لیکن انسان کے بچے کو نہلانا ضروری ہے۔

حکمت

زیادہ سونا عمر کو کم کر دیتا ہے اور زیادہ کھانے سے انسان جلد بوڑھا ہوتا ہے۔ روٹی کم کھانے سے انسان بڑی دیر تک جوان رہتا ہے۔

عمل

کسی کو اپنے پاس سے دور کرنا ہو تو ۹ مرتبہ سورہ کوثر پڑھ کر اس کی طرف دم کریں۔ بے اختیار اٹھ کر چلا جائے گا۔

دیگر

کلمہ "عدل" کو شب جمعہ روٹی کے بیس ٹکڑوں پر لکھ کر کھائیں خلق مطیع ہوگی۔

روایت

ایک اعرابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر داخل ہوا اور عرض کی: مجھے ایسا عمل تعلیم دیں کہ خدا مجھے پسند فرمائے۔ مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے، میرا مال بھی زیادہ ہو اور میں خود صحت مند رہوں، میری عمر طولانی ہو اور موت کے بعد آپ کے ساتھ محشور ہوں۔

فرمایا: اے اعرابی تمام اطراف خیر تم نے جمع کر دیں۔ خدا سے ڈرو اور اس کی عبادت کرو، وہ تم سے محبت کرے گا، مخلوق سے طمع قطع کر لو وہ تم سے محبت کریں گے، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو تمہارا مال زیادہ ہوگا، صدقہ زیادہ دو تاکہ تمہارا بدن صحیح و سالم رہے، رشتہ داروں پر احسان و نیکی کرو تاکہ تمہاری عمر طولانی ہو اور سجدہ زیادہ کرو تاکہ میرے ساتھ محشور ہو۔

شعر

کل علم فی قرطاس ضاع   وکلّ سرّ جاوز الاثنین شاع

جو علم لکھا نہ جائے ضائع ہو جاتا ہے جو راز دو سے گزر جائے عام ہو جاتا ہے

عمل

اگر کوئی ناراض ہو تو سورہ انعام کی آیت ۱۱۵ تین بار پڑھ کر اس پر دم کریں صلح کرلے گا۔

Presented by Ziaraat.Com

دیگر

۱۱ مرتبہ سورہ والعصر بخار کے لئے مفید ہے۔

دیگر

دفع دشمن کے لئے جمعرات کے دن سے ایک ہفتہ تک ہر روز ۱۴۶ مرتبہ ﴿حَسْبِیَ اللہ﴾ پڑھے۔

فرق

سوال:۔ادب اور اخلاق میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ ادب وہ اچھی حالت ہے کہ انسان کے افعال اس کے مطابق ہونے چاہئیں دینی و شرعی ہو یا اجتماعی و عقلی، جبکہ اخلاق وہ روحی صفات راسخہ ہیں جو انسانی روح کا وصف قرار پاتے ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اخلاق آداب کا منشاء ہیں۔

دیگر

سوال:۔ عدالت فقہی و عدالت اخلاقی میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ عدالت فقہی وہ انسانی حالت ہے جو انسان کو گناہانِ کبیرہ کے ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار سے روکتی ہے جبکہ عدالت اخلاقی وہ ملکہ ہے جو نفس انسان میں راسخ ہو جو اسے اعتدال کی حالت پر باقی رکھتی ہے۔

برترین ادب اسلامی

اسلام کی نظر میں برترین ادب توحید خداوند ہے تمام شعب حیات میں۔ ادب توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہمیشہ معتقد ہو کہ اس کا پروردگار ایک ہے وہ وہی ہے جس نے اسے زندگی دی، رزق دیتا ہے، ہدایت کرتا ہے اور زندگی و موت اس کے ہاتھ میں ہے یعنی ادب اسلامی توحید افعالی ہے۔

حکمت

﴿فخر العالم بکماله و فخر الجاهل بماله﴾ عالم اپنے کمال پر فخر کرتا ہے اور جاہل اپنے مال پر۔

حکمت

حکماء کہتے ہیں: سخاوت وہ ہے جو سوال سے پہلے دیں۔ سوال کے بعد دینا حیاء ہے۔

روایت

﴿اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه﴾ جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز و شریف شخص آئے تو اس کی عزت کرو۔

Presented by Ziaraat.Com

لطیفہ

ایک انتہائی بدصورت ایک ظریف شخص کی بیوی تھی۔ اس سے پوچھنے لگی: تمہارے رشتہ دار گھر آتے ہیں کس سے پردہ کرنا ہے؟ تو اس نے کہا: مجھ سے کیا کرو باقی سے تمہاری مرضی ہے۔

حکایت

خسرو پرویز مچھلی کو بہت پسند کرتا تھا، ایک دن اپنی بیوی شیرین کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک شکاری بڑی سی مچھلی ہدیہ کے طور پر لایا، خسرو نے اسے چار ہزار درہم دیئے۔ شیرین نے کہا: آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کیونکہ اس کے بعد اگر اپنے ملازمین میں سے کسی کو آپ اتنی مقدار دیں گے تو وہ انہیں کم شمار کرے گا وہ کہے مجھے اتنی ہی دیں جتنے شکاری کو دیئے تھے۔ خسرو نے کہا: تم یہ صحیح کہہ رہی ہو لیکن بتاؤ کیسے اس سے واپس لوں، شیرین نے کہا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے واپس بلائیں اور پوچھیں نر ہے یا مادہ۔ جو وہ کہے آپ کہیں مجھے تو دوسری پسند ہے۔ بادشاہ نے بلا بھیجا۔ جب اس سے پوچھا تو وہ سمجھ گیا لہٰذا کہا: نہ نر ہے نہ مادہ بلکہ خنثیٰ ہے۔ خسرو کو جواب پسند آیا چار ہزار درہم اور دیئے۔ شکاری دراہم لے کر چلا تو ایک درہم گر گیا۔ شکاری نے اسے بھی اٹھا لیا، شیریں نے کہا: آپ دیکھیں شخص کتنا خسیس و گھٹیا ہے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا، خسرو نے اسے بلا کر کہا: تم نے میرے حضور میں ایسی گھٹیا حرکت کیوں کی؟ تو اس نے کہا: بادشاہ سلامت درہم پر آپ کا اسم گرامی لکھا تھا اس لئے اٹھایا کہ مبادا کسی کا پاؤں اس پر نہ آ جائے۔ بادشاہ کو یہ جواب بھی پسند آیا چار ہزار درہم اور دیئے اور پھر اعلان کروایا کہ عورتوں کی بات نہ ماننا ورنہ ایک کی بجائے تین درہم کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

فائدہ

کہتے ہیں فرعون نے چار سو سال عمر کی اور کبھی بیمار نہیں ہوا، اس کی غذا میں مقثہ کا استعمال بہت زیادہ تھا۔

روایت

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: لوگ چار قسم ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو جانتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ جانتا ہے یہ عالم و دانا ہے اس سے سوال کرو۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ جانتا ہے وہ خواب غفلت میں ہے، اسے بیدار کرو۔ تیسرا وہ شخص ہے جو نہیں جانتا اور یہ جانتا ہے کہ وہ نہیں جانتا یہ طالب علم ہے اسے تعلیم دو۔ چوتھا شخص وہ ہے جو نہیں جانتا اور یہ نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا یعنی اپنی جہالت سے جاہل ہے یہ جاہل و نادان ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

عجیب

گیلان میں بارش نہ ہوئی لوگوں نے نماز استسقاء بھی پڑھی پھر بھی بارش نہ ہوئی تو لوگ ایک نیک خاتون ام محمد

Presented by Ziaraat.Com

کے پاس آئے کہ آپ دعا کریں بارش آئے، اس خاتون نے باہر آ کر اپنے دروازے کے سامنے سے صفائی کی اور دعا کی خدایا صفائی میں نے کر دی ہے تر کاؤ تو کر دے، کچھ دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

موعظہ

عالم ربانی شیخ طالقانی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ تہران میں مدرسہ خان میں ساکن تھے اور بہت زیادہ تنگدست تھے جبکہ خربوز کے چھلکے سکھا کر کوٹ لیتے اور وہ کھاتے تھے۔ ایک دن سوچا ناصر الدین شاہ کو عریضہ لکھوں، پھر سوچا بادشاہ تک کیسے پہنچاؤں گا، پھر سوچا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو لکھوں۔ سوچا کون نجف لے جائے گا، بالآخر سوچا کہ خداوند کو لکھتا ہوں وہ تو خود مطلع ہے۔ خداوند کو عریضہ لکھا اس میں اچھا گھر، باغات، زمینیں، شادی جیسے مطالبے لکھے۔ لفافے میں بند کر کے مسجد شاہ کی دیوار میں جا کر سوراخ میں ڈال دیا بادشاہ شکار پر گیا صحرا میں تھا کہ تہران کی طرف سے گردباد آیا اس میں سے ایک لفافہ شاہ کے زانو پر گرا۔ شاہ سمجھ گیا کوئی خاص راز ہے، خط کھولا تو دیکھا کہ یہ خداوند کو لکھا گیا عریضہ ہے۔ فوراً شاہ سجدہ میں گر گیا اور شکر خدا بجا لایا کہ خداوند نے نظر کرم کی اور اپنے نام کا عریضہ اس بندہ ذلیل کو بھیجا ہے۔ فوراً واپسی کا حکم صادر کر دیا اور کہا: آج ہمارا شکار یہ بہت بڑا شرف ہے جو ہمیں نصیب ہوا ہے۔ اور آتے ہی حکم دیا کہ مدرسہ خان سے شیخ طالقانی کو احترام کے ساتھ لے آئیں، شہر میں داخل ہو کر امین الدولہ کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ ارکان حکومت کو حاضر کیا سب کو خط دکھایا، شیخ طالقانی کے پاس نمائندے آئے لیکن شیخ طالقانی نے کہا مجھے شاہ سے کیا کام، شاید قرض خواہوں نے شکایت کی ہوگی بہر حال ان کے ساتھ چل پڑے۔ جب وارد ہوئے تو دیکھا شاہ کے پاس ایک کرسی خالی ہے شاہ نے انہیں ساتھ بٹھایا، نام ونشان پوچھا تو وہی تھا جو خط میں لکھا، تو پوچھا آپ نے کسی کو کوئی عریضہ لکھا تھا، کہا: جی ہاں۔ خداوند کو لکھا تھا۔ بادشاہ نے خط دکھایا یہی تو نہیں تھا؟ کہا: ہاں خط تو یہی ہے۔ بادشاہ نے تفصیل پوچھی اور پوچھا: یہ کیسے تم نے خدا تک پہنچایا، عالم نے کہا: آج صبح مسجد شاہ کی دیوار میں ڈال آیا تھا۔ بادشاہ نے وہ سب کچھ دیا جو اس عالم نے عریضہ میں مطالبہ کیا تھا۔

عمل

کہتے ہیں: اگر کوئی بروز ہفتہ سورہ حشر کی آیت نمبر۲۲ کی تلاوت کرے تو بر اہل علم وقلم سر آمد ہو جائے، فتح وظفر حاصل ہو اور غنی ومکرم ہو۔

فائدہ

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں سے گزر رہے تھے آپ نے شیطان کو دیکھا جو کہ انتہائی کمزور ہے، اس سے اس کمزوری کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: آپ کی امت نے مجھے اس حال میں پہنچا دیا ہے ان میں چھ صفات ایسے ہیں جو

Presented by Ziaraat.Com

مجھے برداشت نہیں ہوتے: (۱) ایک دوسرے کو ملتے ہوئے سلام کرنا، (۲) آپس میں مصافحہ کرنا، (۳) جو کام کرنا چاہیں اس کے لئے انشاء اللہ کہنا، (۴) استغفار پڑھنا، (۵) آپ کے نام کو سن کر صلوات پڑھنا، (۶) اور ہر کام شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔

فائدہ

رکوع لمبا کرنا شیطان کی کمر توڑ دیتا ہے۔

فائدہ

نوروز کے دن تحویل آفتاب کے وقت اپنی حفظ و سلامتی کے لئے چینی کے برتن میں زعفران وگلاب سے یہ سات سلام لکھ کر آب باران سے دھو کر پئیں: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ، سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ الرَّحِيْمِ، سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ، سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ، سَلَامٌ عَلٰى اٰلِ يَاسِيْنَ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ، سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾۔

حافظہ

اگر کوئی کند فہم ہو اور چاہے جو سنے اسے یاد کر لے اور فراموش نہ کرے تو روز دوشنبہ (پیر کے دن) روٹی کے سات خشک ٹکڑوں پر یہ آیات لکھے اور ہر روز ایک کھا لے:

(۱)	پہلے دن	﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴾۔
(۲)	دوسرے دن	﴿رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا و فهمًا﴾۔
(۳)	تیسرے دن	﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾۔
(۴)	چوتھے دن	﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى﴾۔
(۵)	پانچویں دن	﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾۔
(۶)	چھٹے دن	﴿فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾۔

لطیفہ

ایک شخص نے دوسرے شخص سے قرض مانگا تو اس نے کہا: میں تو آپ کو نہیں جانتا قرض کیسے دوں؟ اس نے کہا: اسی لئے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔

عمل غلبہ

اپنے مخالف پر غلبے کے لئے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر ع س لکھیں۔

Presented by Ziaraat.Com

روایت

امام زین العابدین علیہ السلام سے کسی نے حال پوچھا کہ کیسے صبح کی آپ نے یابن رسول اللہ! فرمایا: اس حال صبح کی کہ مجھ سے آٹھ طلب کرنے والے ایک ایک چیز طلب کر رہے ہیں: (۱) خداوند مجھ سے واجبات کی ادائیگی طلب کرتا ہے، (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے سنت کی ادائیگی طلب کرتے ہیں، (۳) اہل وعیال نان ونفقہ، (۴) نفس خواہشات کی پیروی طلب کرتا ہے، (۵) شیطان معصیت و نافرمانی طلب کرتا ہے، (۶) ملک الموت روح طلب کرتا ہے۔ (۷) قبر میرا جسم طلب کرتی ہے، (۸) اور دو ملک محافظ مجھ سے اعمال صالحہ طلب کرتے ہیں۔

ایک اکیلا شخص اور اتنے طلب گار کیا کروں۔

روایات میں ہے کہ دس افراد کے بدن قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتے: (۱) نمازی، (۲) عالم، (۳) مؤذن، (۴) حافظ قرآن، (۵) نبی، (۶) شہید، (۷) جو عورت نفاس میں فوت ہو جائے، (۸) حدیث کے حافظ، (۹) جو شخص مظلوم قتل ہو، (۱۰) جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو۔

شیر کی زیادتی

عورت کے شیر میں زیادتی کے لئے سورہ نحل آیت ۶۵ لکھ کر پانی سے دھو کر پیئے۔

شیطان کی بدبختی

شیطان پانچ چیزوں سے بدبخت ہو گیا، گناہ کیا۔ اس پر پشیمان نہ ہوا۔ اپنے آپ کو ملامت نہ کی، توبہ کا ارادہ نہ کیا اور رحمت خدا سے مایوس ہوا۔ آدم پانچ چیزوں کی وجہ سے خوش بخت ہو گئے۔ گناہ کا اقرار کیا۔ پشیمان ہوئے۔ اپنے آپ کو ملامت کی، توبہ میں جلدی کی اور رحمت خدا کی امید لگائی۔

طولِ عمر

۳۰ چیزیں عمر میں زیادتی کا باعث ہیں: (۱) ماں باپ کو خوشحال کرنا، (۲) سرسبز درختوں کو کاٹنے سے پرہیز کرنا مگر مجبوری کی صورت میں، (۳) لوگوں کو اذیت و تکلیف دینے سے پرہیز کرنا، (۴) پڑوسیوں سے نیکی و بھلائی کرنا، (۵) نہار منہ سیب کھانا، (۶) بائیں پہلو پر سونا، (۷) لوگوں سے اچھے طریقے سے بولنا، (۸) لوگوں سے نیکی کرنا، (۹) بڑے بوڑھوں کا احترام کرنا، (۱۰) گھر والوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا، (۱۱) کامل وضو کرنا، (۱۲) صحت کے اصولوں پر عمل درآمد کرنا، (۱۳) نماز میں رکوع و سجود کو لمبا کرنا، (۱۴) نماز کو توجہ سے پڑھنا، (۱۵) ذکر خدا کرنا، (۱۶) دسترخوان پر زیادہ دیر بیٹھنا، (۱۷) دوسروں کو کھانا کھلانا، (۱۸) صدقہ دینا، (۱۹) زیادہ وقت باوضوء رہنا، (۲۰) زیارت امام حسینؑ، (۲۱) نماز شب پڑھنا، (۲۲) نماز صبح سے پہلے استغفار کرنا، (۲۳) باکرہ عورت سے شادی، (۲۴) قرآن کی تلاوت

Presented by Ziaraat.Com

زیادہ کرنا، (۲۵) دعا زیادہ کرنا، (۲۶) درود وصلوات زیادہ بھیجنا، (۲۷) نماز باجماعت پڑھنا، (۲۸) گرم پانی سے نہانا، (۲۹) چھوٹے لقمے لینا، (۳۰) جمعہ کے دن لباس کا شا اور صلہ رحم کرنا۔

عجیبہ

شب جمعہ روٹی کے بیس ٹکڑوں پر کلمہ ﴿اَلْعَدلُ﴾ لکھ کر کھانے سے خلائق مطیع ہوں۔

حَلَب

کہتے ہیں شام کے شہر حلب میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام رہتے تھے اور یہاں اپنی بکریوں کا دودھ جمعہ کے دن دوھ کر فقراء پر صدقہ فرماتے تھے لوگ کہتے حَلَب (آپ نے دودھ دوھ لیا) اسی وجہ سے اس شہر کا نام حلب پڑ گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حلب، حمص اور بردعہ تین بھائی تھا جن کا تعلق عملیق سے تھا ان تینوں نے اپنے اپنے نام پر ایک ایک شہر بسایا۔ (سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۳۱۰)

حسین بن منصور حلاج

اس نے بابیت کا دعویٰ کیا کہ امام زمانہ کا باب ہے۔ ابی سہل نوبختی نے کہا: تم دعا کرو میری سفید داڑھی سیاہ ہو جائے تو میں مان لوں گا۔ اسی طرح یہ قم داخل ہوا اور علی بن بابویہ (جناب شیخ صدوق کے والد گرامی) کو خط لکھا کہ میں امام زمانؑ کا وکیل ہوں، تو انہوں نے خط کو پھاڑ کر پھینک دیا اور حکم دیا اس کو دھکے دے کر ان کے گھر سے نکال دیں، یوں اسے رسوا ہو کر قم چھوڑنا پڑا۔ یہ فراڈیا شعبدہ باز تھا، علوم شریعت وعلم قرآن میں بالکل صفر تھا، معمولی سے کیمیا جانتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اسے دعوائے الوہیت پر گرفتار کیا گیا تو اسے علی بن عیسیٰ کے حوالے کیا گیا انہوں نے اس سے مناظرہ کیا تو اسے قرآن، فقہ، حدیث، شعر اور علوم عرب میں بالکل جاہل پایا۔ ۳۰۹ ہجری میں اسے گمراہ ومشرکانہ عقائد کی وجہ سے عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے حکم پر پھانسی کی سزا دی گئی۔

روایت

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے فرمایا: ﴿اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا﴾ تو دشمنوں کو اس سے آنجنابؑ سے حسد ہوا، ان میں سے دس افراد جمع ہوئے اور کہا: ہر ایک جا کر علیؑ سے ایک ہی مسئلہ پوچھے دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں اگر ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا تو معلوم ہو جائے کہ علی عالم ہیں۔

پس ایک آیا اس نے سوال کیا: یا علی علم افضل ہے یا مال؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ علم میراث انبیاء ہے اور مال قارون، شداد اور فرعون وغیرہ کی میراث ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

دوسرے نے آ کر سوال کیا: یا علی! علم افضل ہے یا مال؟

فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی تم حفاظت کرتے ہو۔

تیسرا آیا، وہی سوال کیا: یا علی! علم افضل ہے یا مال؟

فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ صاحب مال کے دشمن بہت ہوتے ہیں جبکہ صاحب علم کے دوست بہت ہوتے ہیں۔

چوتھے نے آ کر وہی سوال کیا۔

آپؑ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

پانچویں نے یہی سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ صاحب مال کو بخیل ولئیم کہا جاتا ہے جبکہ صاحبانِ علم کو کرام وعظام کہا جاتا ہے۔

چھٹے نے آ کر یہی سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ مال کو چوروں سے بچانا پڑتا ہے جبکہ علم کو چوروں سے بچانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ساتویں نے آ کر یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ قیامت کے دن صاحب مال کو مال کا حساب دینا پڑے گا جبکہ صاحب علم شفاعت کرے گا۔

آٹھویں نے آ کر یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ مال پڑا رہے تو پرانا و بوسیدہ ہو جاتا ہے جبکہ علم کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

نویں نے آ کر یہی سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ صاحب مال خدائی کا دعویٰ کر دیتا ہے جبکہ صاحب علم دعوائے عبودیت کرتا ہے۔

دسویں نے آ کر یہی سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علم مال سے افضل ہے کیونکہ مال قساوت قلبی لاتا ہے جبکہ علم قلب کو نورانیت عطا کرتا ہے۔

پھر فرمایا: اگر مجھ سے اس بارے سوال کرتے رہو جب تک میں زندہ ہوں تو میں ہر سائل کو اس سے الگ جواب دوں گا جو دوسروں کو دیا ہوگا۔

روایت

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے ہزار رکعت نماز نافلہ

Presented by Ziaraat.Com

ہے۔

حکمت

﴿فخر الجاهل بماله و فخر العاقل بكماله﴾ جاہل اپنے مال پر اتراتا ہے جبکہ عاقل اپنے کمال پر۔

خزینہ

﴿النصيب يصيب ولو كان تحت الجبلين و غير النصيب لا يصيب ولو كان بين الشفتين﴾ یعنی نصیب میں ہو تو مل جاتا ہے اگرچہ دو پہاڑوں کے نیچے ہو اور نصیب میں نہ ہو تو نہیں ملتا اگرچہ دونوں ہونٹوں کے درمیان ہو۔

حکمت

حکماء کہتے ہیں: ﴿اذا ادبر الاقبال فالحيلة وبال﴾ جب خوش بختی منہ پھیر لیتی ہے تو ہر کوشش الٹی پڑ جاتی ہے۔

روایت

﴿اذا اتاكم كريم قوم فاكرموه﴾ جب تمہارے کسی قوم کا بزرگ آئے تو اس کی عزت کرو۔

عمل

کسی بڑے آدمی سے کوئی حاجت لے کر جا رہا ہو تو ذیل کی آیت سات بار پڑھ کر ہاتھ کی ہتھیلی پر دم کرے اور اسے چہرے پر مل لے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (ممتحنہ/۷)

عمل

شیخ بہائی کے کشکول میں ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے کے لئے آیت ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ط اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (رعد/۳۱) کو حروف مقطعہ میں لکھ کر دیں عورت اسے اپنے پہلو پر باندھ لے حاملہ ہو جائے گی۔

وقت نظر

حکایت ہوا ہے کہ نزار بن محمد بن عدنان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد سے تھے۔ آپ کے تین بیٹے تھے: مضر، ربیعہ اور عیار، تینوں عقل و ذہانت اور فطانت میں یگانہ روزگار تھے۔ ایک دن باپ نے حکم دیا کہ مزید تجربہ و مہارت کے

Presented by Ziaraat.Com

لئے سفر پر جاؤ۔ تینوں باپ کے حکم سے سفر کے لئے نکل پڑے، راستے میں ایک ساربان کو دیکھا جو اپنے گمشدہ اونٹ کو تلاش کر رہا تھا، مضر نے کہا: کیا تمہارے اونٹ کی بائیں آنکھ نہیں تھی؟ کہا: ہاں ربیعہ نے کہا کیا اس کے اگلے دانت گرے ہوئے تھے، عیار نے کہا: کیا وہ ایک پاؤں سے لنگڑا ہے؟ کہا: ہاں۔ اہوں نے کہا: آگے جاؤ مل جائے گا۔ وہ چلا گیا لیکن اسے اونٹ نہ ملا۔ ان کے پاس واپس آ گیا، تو مضر نے دوبارہ پوچھا تمہارے اونٹ پر کیا روغن و شہد لدا تھا؟ کہا: ہاں۔ ربیعہ نے کہا: اس بار کے اوپر کیا عورت تو سوار نہیں تھی؟ کہا: ہاں۔ عیار نے کہا: عورت حاملہ تھی؟ کہا: ہاں، حاملہ تھی۔ تینوں نے کہا: ہم نے تو اونٹ نہیں دیکھا۔

ساربان کو یقین ہو گیا اونٹ ان لوگوں نے ہتھیا لیا ہے، لہٰذا وہ وہاں کے حاکم بحر بن افعی جھمی کے پاس چلا گیا جو کہ عرب کے ذہین و دانشمند امراء میں سے تھا اس نے اپنی شکایت بتلائی اور تینوں بھائیوں کی گفتگو بھی بتلائی۔ حاکم نے کہا: جب یہ اس شہر میں آئیں تو فوراً گرفتار کر کے حاکم کے پاس لے آئیں، ایسے ہی ہوا، جب انہیں حاکم کے پاس لایا گیا، حاکم نے کہا: اس آدمی کا اونٹ واپس کر دو۔ انہوں نے قسم کھائی لیکن سنی نہ گئی اور انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔ دو تین دن کے بعد اس آدمی کا اونٹ مل گیا۔ اس نے حاکم کے پاس آ کر اطلاع دی تو بادشاہ نے تینوں بھائیوں کو قید سے آزاد کر دیا، معذرت چاہی، حسب و نسب پوچھا، جب معلوم ہوا تو بڑا اکرام کیا۔ اپنے ساتھ ٹھہرایا، ہر روز پاس بٹھاتا ایک دن اونٹ کی بات چل نکلی تو حاکم نے پوچھا آپ لوگوں نے جب اونٹ کو دیکھا نہیں تھا تو اس کی نشانیاں کیسے صحیح بیان کیں؟ انہوں نے جواب دیا: قرائن دیکھ کر۔ مضر نے کہا: میں نے جو کہا اس کی ایک آنکھ نہیں ہے میں نے دیکھا کہ اس نے ایک طرف سے گھاس کو منہ مارا ہے گویا دوسری طرف کو وہ نہیں دیکھ رہا تھا۔

ربیعہ نے کہا: میں نے دیکھا گھاس جس طرح کھائی ہے پتہ چل گیا کہ اس کے دانت ٹوٹے ہوئے ہیں۔

عیار نے کہا: میں نے اس کے قدموں کے نشان دیکھے ایک قدم کا نشان درہم تھا پتہ چل گیا کہ لنگڑا ہے۔

پوچھا: مزید نشانیوں کے بارے کیسے پتہ چلا تو مضر نے کہا: جہاں اونٹ کو بٹھایا گیا تھا وہاں میں نے دیکھا: ایک طرف چیونٹیاں ہے اور دوسری طرف مکھیاں۔ اس سے مجھے پتہ چل گیا کہ ایک طرف روغن بار ہے اور دوسری طرف شہد۔ دوسرے نے کہا: اس پاؤں کے اثر سے پتہ چلا کہ اس پر عورت سوار ہے، تیسری نے کہا: زمین پر میں نے دیکھا دو پاؤں کے ساتھ دو ہاتھوں کے نشان ہیں میں سمجھ گیا کہ عورت حاملہ ہے جسے اٹھنے کے لئے ہاتھوں کا سہارا لینا پڑا ہے۔ یہ سن کر امیر کو بہت تعجب ہوا۔

انسانوں کی عمریں

حضرت ہارون علیہ السلام ۱۳۳ سال زندہ رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال، یوشع بن نون ۱۲۶ سال، حضرت

Presented by Ziaraat.Com

یعقوب علیہ السلام ۱۴۷ سال، حضرت اسحاق علیہ السلام ۱۶۰ سال، حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۰۰ سال، حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ۱۳۷ سال، حضرت یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے بعد ۲۳ سال زندہ رہے۔ آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام ۲۸۰ سال زندہ رہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ۴۰۰ سال زندہ رہے، لقمان بن عاد ۵۰۰ سال جیئے، حضرت مریمؑ مادر عیسیٰؑ ۵۰۰ سال زندہ رہیں، طام بن نوح جو کہ اکثر کے نزدیک نبی تھے ۶۰۰ سال زندہ رہے، حضرت ھود علیہ السلام ۶۷۰ سال زندہ رہے، حضرت سلیمان پیغمبر ۷۱۲ سال زندہ رہے، لمک بن متوشلخ بن ادریس ۷۰۰ سال زندہ رہے، حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ سال زندہ رہے۔ یہ کامل ابن اثیر میں ہے اور مستدرک الوسائل میں ایک ہزار سال وارد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام میں ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا، حضرت حواءؑ ۹۳۱ سال زندہ رہیں، حضرت سیث ۹۲۱ سال زندہ رہے، متوشلخ ابن ادریس ۹۱۸ سال زندہ رہے، بخت نصر ۱۵۰۷ سال زندہ رہا، حضرت نوح علیہ السلام کے بارے مشہور ہے کہ ۲۵۰۰ سال زندہ رہے، عناق حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی تھی ۳۰۰۰ سال زندہ رہی، اسی عناق کا بیٹا عوج ۳۶۰۰ سال زندہ رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور تک زندہ تھا۔ حضرت لقمان نے ۴۰۰۰ سال عمر کی۔

عمل

شیخ بہائی سے منقول ہے کہ اگر کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو ۷۰ بار یہ ذکر پڑھے: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِعِزَّتِكَ وَ قُدْرَتِكَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِحَقِّ حَقِّكَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَرِّجْ بِرَحْمَتِكَ﴾۔

دیگر

اگر کوئی صبح بولنے سے پہلے تین بار یہ آیت پڑھے تو اس کی روزی ایسی جگہ سے آئے گی جہاں کا اسے گمان ہی نہ ہوگا: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (مائدہ/۱۱۴)

دیگر

میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ہو تو سورہ مزمل شربت پر ۳ بار پڑھ کر انہیں پلائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے پیشے

☆ حضرت آدم علیہ السلام زراعت (کھیتی باڑی) کرتے تھے،

☆ حضرت ادریس علیہ السلام خطاط اور خیاط تھے۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام نجار تھے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام معمار تھے، حضرت لوط علیہ السلام زراعت کرتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کرتے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام گوسفند دار تھے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۲ سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کے لئے چرواہے رہے۔

☆ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ ساز تھے۔

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام سلطنت عظیم کے باوجود کھجور کے پتوں سے زنبیل بنا کر فروخت کرتے تھے۔

☆ حضرت پیغمبر اکرم روحی لہ الفداء تجارت پیشہ تھے۔

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن کوئی سایہ نہیں ہوگا لیکن تین افراد عرشِ الٰہی کے زیرِ سایہ ہوں گے: (۱) وہ جو ہمیشہ وضوء سے رہے ہوں، (۲) وہ جو رات کی تاریکی میں مسجد جاتے ہوں، (۳) وہ جو بھوکے پیٹوں کو سیر کرتے ہوں۔ (خصال)

روایت

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تھا: اعتماد نہ کرو مگر اس پر جو خدا سے ڈرے۔ (جامع الاخبار)

عمل

اگر کسی کو کوئی ایسی مشکل پیش آجائے جس میں راہ چارہ نظر نہ آئے تو شب جمعہ بارہ سو مرتبہ بعد از نماز عشاء ایک ہی مجلس میں یہ ذکر پڑھے: ﴿یا اللّٰہ یا ربّاہ یا سیّداہ﴾۔

سجدہ اذان واقامت کے درمیان

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اذان اور اقامت کے درمیان سجدہ کرے اور اس میں یہ ذکر پڑھے: ﴿سجدت لك خاضعًا خاشعًا ذليلاً﴾ تو خداوند ملائکہ سے فرماتا ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں اس کی محبت اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ڈال دوں گا اور اس کی ہیبت منافقین کے دلوں میں ڈال دوں گا۔

(وسائل، باب ۱۹، اذان واقامت)

روایت وقصہ

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر چڑھے، وہاں انہوں نے دھوپ میں ایک شخص کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا: سایہ کیوں نہیں بنا لیتے؟ تو اس نے کہا: میں نے انبیاء سے سنا ہے کہ میں سات سو سال سے زیادہ نہیں جیوں گا لہٰذا میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ کوئی عمارت بنانے میں اسے ضائع کروں آپ نے فرمایا: میں تجھے ایک عجیب بات بتلاتا ہوں، آخری زمانے کے لوگوں کی عمریں سو سال تک بھی نہیں پہنچیں گی لیکن وہ محلات،

Presented by Ziaraat.Com

بڑے بڑے گھر اور باغیچے بنائیں گے اور ان کی امیدیں ہزار سال والی ہوں گی، تو اس شخص نے کہا: خدا کی قسم اگر میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں اتنی عمر ایک سجدے میں گزار دیتا، پھر اس شخص نے کہا: اس غار میں داخل ہو جائیں آپ بڑی عجیب بات دیکھیں گے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے تو پتھر کا ایک تخت دیکھا اس پر ایک میت رکھی ہے اس کے اوپر ایک پتھر کی لوح ہے جس پر لکھا ہے میں فلاں بادشاہ ہوں جس نے ہزار سال عمر کی، ہزار لڑکیوں سے شادی کی، اور ہزار لشکروں کو شکست دی اور پھر میرا انجام یہ ہے لہٰذا عبرت حاصل کرو۔ (انوار نعمانیہ، ج ۳، ص ۱۵)

نوٹ

اس کے مشابہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حزقیل نبی علیہ السلام کا بھی ہے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام پہاڑ پر رہتے تھے اور وہیں عبادت میں مشغول رہتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اُن سے ملاقات کی خواہش کی اور پھر اس طرح کا مکالمہ ہوا۔

نسب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

روایت میں ہے کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب عدنان تک نہ جانتا ہو وہ ناقص الایمان ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُوَیّ بن غالب بن فِہر بن مالک بن نضر بن کِنانہ بن خُزیمہ بن مُدرِکہ بن الیاس بن مُضَر بن نَزار بن معد بن عدنان۔

ذوالقرنین

اکمال الدین میں شیخ صدوق روایت کرتے ہیں: ابو بصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ عبد صالح تھے وہ خدا سے محبت کرتے تھے اور خدا ان سے محبت کرتا تھا، خدا کی خاطر انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کی، قوم نے انہیں سر پر ضرب لگائی اور وہ اپنی قوم سے چلے گئے، پھر واپس آئے تو دوبارہ اس طرح سر کی دوسری طرف ضربت لگائی اور اس ملت میں بھی ذوالقرنین کی مانند موجود ہے یعنی غیبت کے لحاظ سے جو کہ امام زمانہ علیہ السلام ہیں۔

ذوالقرنین کون تھے؟

قرآن کریم نے ذوالقرنین کی داستان سورہ کہف آیت ۸۳ تا ۹۸ میں بیان کی ہے اور ان آیات میں ذوالقرنین کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ مفسرین میں بحث یہ ہے کہ یہ کون سی شخصیت تھے؟ بعض نے اسکندر مقدونی کو کہا ہے اور بعض نے شین ھوانگ ٹی کو کہا ہے لیکن علامہ طباطبائی اور آیت اللہ مکارم شیرازی کی نظر میں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہی کوروش یعنی ہخامنشی ہی تھے اور قرآن نے جو خصوصیات ذوالقرنین کی ذکر کی ہیں جیسے مشرق و مغرب میں اسے تسلط دینا، اس کا موحد و خدا شناس ہونا، مغرب زمین کی طرف لشکر کے ساتھ سفر کرنا یہ سب خصوصیات کوروش میں پائی

Presented by Ziaraat.Com

جاتی ہیں، نیز مشرق کی طرف سفر بھی اسی طرح ہے اور ذوالقرنین کا یاجوج و ماجوج سے ٹکراؤ ہوا جب وہ شمال کی سمت گئے تو یہی کوروش کو صورتحال پیش آئی۔ (تفسیر المیزان، ج ۱۳، ص ۳۵۵ و تفسیر نمونہ، ج ۱۲، ص ۱۵۰ و ص ۵۳۲)

دفع وسوسہ (وہم)

حماد بن عثمان امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: یا نبی اللہ بڑا مقروض ہوں اور وسوسۃ الصدر بھی بہت ہے کیا کروں؟ فرمایا: یہ دعا کثرت سے پڑھو: ﴿تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾، کچھ مدت کے بعد وہ دوبارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: کیا ہوا۔ عرض کیا: خداوند کے فضل سے قرضے ادا ہو گئے ہیں اور وسوسہ ختم ہو گیا ہے۔

روایت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: مال کا بدترین مصرف اسے عمارت پر خرچ کرنا ہے۔ (سفینۃ البحار)

عبادت میں میانہ روی

اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ﴿انّ ھذا الدین متین فأوغلوا فیہ برفق ولا تکرّھوا عبادۃ اللّٰہ الی عباد اللّٰہ﴾ یعنی دین میں نرمی سے داخل ہو اور عبادت خدا کو خدا کے بندوں کے لئے ناپسندیدہ نہ بناؤ۔ (بحار، ج ۱۷، ص ۲۱۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام لوگوں کے لئے اسوہ تھے ان کی عبادت بہت زیادہ اور سخت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے تو سورہ طٰہٰ میں حکم نازل ہوا کہ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں نہ ڈالو۔

ائمہ طاہرین میں سے حضرت علی علیہ السلام کی عبادت سب سے بڑھ کر تھی، اسی طرح امام حسین علیہ السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے ہزار رکعت روزانہ پڑھنے کی روایات وارد ہیں۔

یہ بھی عبادت ہے۔ عیون اخبار الرضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: ﴿منّ اصغی الی ناطق فقد عبدہ فان کان الناطق عن اللّٰہ فقد عبداللّٰہ و ان کان الناطق عن ابلیس فقد عبد ابلیس﴾ (بحار، ج ۲٦، ص ۲۳۹)

یعنی جو کسی بولنے والے کی بات پر توجہ کرے گویا اس نے اس کی عبادت کی ہے لہٰذا اگر بولنے والا خدا کی طرف سے بولے گا تو اس نے خدا کی عبادت کی ہے اگر بولنے والا شیطان کی طرف سے بولے گا تو اس نے شیطان کی عبادت کی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

عدل یا سخاوت

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے سوال ہوا: ﴿ایّما افضل العدل او الجود قالَ العدل یضع الامور مواضعها والجود یخرجها عن جهتها والعدل سائس عام والجود عارض خاص فالعدل اشرفهما و افضلهما﴾۔(روضۃ الواعظین)

سوال ہوا عدل افضل ہے یا سخاوت؟ تو فرمایا: عدل چیزوں کو ان کی جگہ پر قرار دیتا ہے جبکہ سخاوت چیزوں کو ان کی جہت سے نکال دیتی ہے عدل سب کے لئے منظم کرنے کا ذریعہ ہے جبکہ سخاوت ایک خاص عارض آنے والی حالت ہے لہٰذا عدل سخاوت سے افضل ہے۔

مسجد دمشق

اس کے صحن میں تین چھوٹے چھوٹے گنبد ہیں۔ (۱) قبۃ المال اس میں مسجد کے اموال وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ (۲) قبۃ الفوارۃ اسے قبۃ القربان بھی کہتے ہیں مشہور ہے کہ یہاں ہابیل نے اپنی قربانی رکھی تھی جو کہ ایک گوسفند تھا اور خداوند کی بارگاہ میں مورد قبول واقع ہوئی۔ اور قابیل نے حضرت ہابیل کو جبل قاسون پر لے جا کر قتل کر دیا۔ (۳) قبۃ الساعات یہ صحن میں مشرق کی طرف باب الساعات کے قریب ہے، اسی پر مسجد کی گھڑی نصب تھی۔

باب جیرون ہی باب الساعات ہے یہ باب رأس الحسین علیہ السلام کی طرف واقع ہے، منارۂ شرقی اسے منارۂ عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں یہ مشرق کی سمت میں ہے اور ماذنہ (اذان کی جگہ) ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوگا، لیکن یہ بات ہماری تحقیق کے مطابق درست نہیں ہے حضرت عیسیٰ بیت المقدس میں نازل ہو کر امام زمانہ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت فرمائیں گے وہاں عیسائی لشکر جمع ہوں گے اور ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے۔

قبر حضرت ہود علیہ السلام یہ مکان حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر کی زیارت والی طرف ہے۔

منارہ شرقی کے نزدیک مقام خضر علیہ السلام ہے جہاں وہ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے منارہ شرقی کے پاس ایک پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تھا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے۔

اس مسجد کے چار محراب ہیں، درمیانی بڑا محراب مالکیوں کا ہے بائیں طرف والا شافعیوں کا اور دائیں طرف کے دونوں محراب حنبلی و حنفی مذہب والوں کے ہیں۔

مقام امام زین العابدین علیہ السلام، آپؑ قید کے دوران یہاں عبادت کرتے تھے۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ آپ یہاں روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔

باب الفرادیس کی طرف مسجد القصب ہے اسے جامع منجک بھی کہتے ہیں یہاں مرج عذراء کے شہداء یعنی حجر بن

Presented by Ziaraat.Com

عدی اوران کے ساتھیوں کے سر مدفون ہیں۔ باب الصغیر میں راس شہداء کی زیارت ہے یہاں ۱۶ شہداء کے نام لکھے ہیں لیکن یہاں صرف تین سروں کا دفن ہونا ثابت ہے۔ سر مبارک حضرت عباس علمدار علیہ السلام، سر اقدس علی اکبر علیہ السلام اور سر حبیب بن مظاہر، سید محسن امین نے اپنی تحقیق میں یہی لکھا ہے۔

قبر حضرت بلالؓ

آپ دمشق کی بستی داریا میں رہتے تھے اور ۱۷ ہجری میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے، باب الصغیر میں حضرت بلالؓ کی قبر معروف ہے لیکن ابن کثیر کے بقول یہ بلال بن ابی درداء قاضی کی قبر ہے جو کہ زاہد و عابد شخص تھے، اور حضرت عبد اللہ بن جعفر کی قبر بھی باب الصغیر میں معروف ہے لیکن اس پر یقین مشکل ہے چونکہ آپ سنہٗ حجاف (قحط کے سال) میں مدینہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

شعر

اول مـــا را کـــربـلائـــی کـــن   بـعـد از آن هـرچـه بـامـا خـواهـی کـن

خدایا پہلے ہمیں کربلائی بنادے پھر جو چاہے ہمارے ساتھ کر۔

دنیا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿نعم العون علی الآخرۃ الدنیا و الغنیٰ﴾ مال دنیا آخرت کے لئے بہترین مددگار ہے۔

محبت حضرت علی علیہ السلام

ایک محب امام حسن علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: ﴿انـا رجـل فـقـیـر﴾ میں تنگ دست ہوں۔ فرمایا: ﴿انت غنیٌّ﴾ تم بڑے مالدار ہو۔ عرض کیا: مولا بڑا غریب ہوں، گھر میں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا: ﴿اتـحـبّ ابی علیّ﴾ کیا میرے بابا علیؑ سے محبت کرتے ہو، عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: ۱۰۰ دینار میں یہ محبت بیچو گے، کہا: نہیں۔ فرمایا: ۵۰۰ دینار میں، کہا: نہیں۔ فرمایا: ۱۰۰۰ دینار میں؟ کہا: نہیں۔ ﴿قـال اذن انـت غـنـیٌّ و انّ الفقیر الذی لا یوجد فی قلبه حبّ ابی علی بن ابی طالب﴾ تم تو بڑے غنی ہو فقیر تو وہ ہے جس کے دل میں میرے بابا علی کی محبت نہیں ہے۔

فائدہ فی طہارۃ النبیؐ

قاسم بن صیقل کہتے ہیں میں نے امام رضا علیہ السلام کو یہ سوال لکھا کہ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل میت دیا تو آپ نے غسل مس میت کیا؟ تو آپ نے جواب میں لکھا: ﴿الـنـبیُّ طاهر مطهّر و لکن امیر المؤمنین فعل و جرتِ به السنّة﴾ (تہذیب الاحکام، ج۱، ص ۱۰۷) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاک و پاکیزہ تھے غسل

Presented by Ziaraat.Com

مس میت کی ضرورت نہیں تھی لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے کیا تا کہ لوگوں کے لئے سنت وطریقہ قرار پائے۔

زیارتِ خدا

کتاب التوحید میں ہے کہ عبد السلام بن صالح الہروی نے امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اہل جنت اپنے رب کی زیارت کریں گے اپنے اپنے گھروں میں؟ فرمایا: خداوند نے اپنے نبی کو یہ فضیلت بخشی ہے کہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور ان زیارت کو دنیا و آخرت میں اپنی زیارت قرار دیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے:

﴿من زارني في حياتي او بعد موتي فقد زار الله﴾۔

''جس نے میری زیارت کی میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد اس نے خدا کی زیارت کی۔''

(وسائل، ج ۱۴، ص ۳۲۵، باب تاکید زیارۃ النبیؐ)

معنی سلام

سلام جو لوگ ایک دوسرے پر کرتے ہیں اس کے معنی اس کی سلامتی کا طلب کرنا ہے اور تحیہ کے معنی اس کی حیات کا خداوند سے مطالبہ کرنا ہے، جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ''سلام علیکم'' کہتا ہے تو وہ اس کے لئے ہر غم و مصیبت سے سلامتی کی دعا کرتا ہے، اور سلام وتحیہ کو برکت وطیب کہا گیا ہے یعنی مومن مومن کے لئے زیادتی خیر اور طیب الرزق کی دعا کرتا ہے اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ **﴿سلّم علی اهل بيتك يكثر خير بيتك﴾** اپنے گھر والوں پر سلام کرو اس سے تمہارے گھر میں خیر و برکت میں اضافہ ہوگا۔

اور مردوں پر سلام کے معنی عذاب قبر و عذاب آخرت سے سلامتی کی دعا ہے اور تحیہ کے معنی انہیں بشریٰ و رحمۃ خدا اور عالم آخرت کی نعمتوں کی دعاء دینا ہے۔

نماز جعفر طیار

جب فتح خیبر کے دن جعفر بن ابی طالب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وارد ہوئے تو آپ نے فرمایا: دونوں میں سے کس پر زیادہ خوشی کروں فتح خیبر پر یا جعفر کے آنے پر؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: آج میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے سمجھا مال دنیا دیں گے۔ تو فرمایا: میں تمہیں ایسی نماز تعلیم دیتا ہوں کہ اگر تم وہ پڑھ لو تو خداوند تمہارے گناہ بخش دے گا چاہے وہ سمندر کی جھاگ اور صحرائے عالج کی ریت کے ذروں برابر ہوں۔

(مسالک شہید ثانی)

Presented by Ziaraat.Com

طریقہ نماز

یہ نماز چار رکعت ہے دو دو رکعت کر کے پڑھنی ہے دو سلام کے ساتھ۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ زلزلہ، دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورہ والعادیات، تیسری رکعت میں الحمد کے بعد سورہ نصر اور چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ توحید ہے، ہر چار رکعت میں سورہ پڑھنے کے بعد ۱۵ مرتبہ تسبیحاتِ اربعہ یعنی ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ پڑھنی ہے اور ہر رکوع وسجود میں اور ان سے سر اٹھانے کے بعد ۱۰ مرتبہ یہی تسبیح پڑھنی ہے کہ سب مل کر تین سو مرتبہ تسبیح ہوگی۔

خلفاء بنی امیہ و بنی عباس

بنی امیہ کے خلفاء کی تعداد چودہ تھی پہلا معاویہ بن ابی سفیان اور آخری مروان جعدی تھا اور ان کی مدت حکومت ۹۰ سال کے لگ بھگ تھی اور یہ ۱۳۲ ہجری تک ہزار مہینہ بنتی ہے مروان الجعدی ۲۷ ذوالحجہ سنہ ۱۳۰ ہجری میں مارا گیا۔

۱۳۲ ہجری سے بنی عباس کی خلافت شروع ہوئی ان کے خلیفے ۳۷ افراد تھے پہلا سفاح اور آخری عبداللہ المعروف المعتصم باللہ تھا جس کی کنیت ابو احمد بن المستنصر باللہ تھا ان کی مدت سلطنت ۵۲۴ سال تھی۔

معنی الظلام

سورہ آل عمران ۱۸۲ میں ہے: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ یہاں ظلام مبالغہ کے لئے نہیں ہے بلکہ نسبت کے لئے ہے کہ خداوند قطعاً ظلم نہیں کرنے والا۔ اسے ظلم سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

استخارہ پر عمل

لوگ اکثر سوال کرتے ہیں کہ آیا استخارہ کے بعد اس مطلب کے لئے دوبارہ استخارہ کیا جا سکتا ہے؟ علامہ عبداللہ مامقانی مناہج المتقین بحث صلوٰۃ الاستخارہ میں فرماتے ہیں: دوبارہ استخارہ نہ کیا جائے مگر یہ کہ اس سابقہ صورتحال میں کوئی نہ کوئی تبدیلی واقع ہو جائے یعنی جس امر کے بارے استخارہ کروایا تھا اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہو۔

راسخون فی العلم

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ان رسول اللّٰه افضل الراسخين في العلم فقد علم جميع ما انزل اللّٰه عليه من التنزيل والتاويل وما كان اللّٰه يُنزل عليه شيئاً لم يُعلّمه تاويله و اوصيائه من بعده يعلمونه كلّه﴾۔ (مجمع البیان، سورۃ آل عمران، آیت ۷) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام کی جو خداوند نے ان پر نازل کیا تاویل وتنزیل جانتے تھے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا ان پر کچھ نازل کرے اور انہیں اس کی تاویل سے آگاہ نہ کرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے اوصیاء بھی یہ سب تاویل وتنزیل جانتے تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

عمل برائے قضاء حاجات

قضاء حوائج اور دفع بلیات کے لئے سورہ اخلاص ۷۱ مرتبہ پڑھیں اور درمیان میں کلام نہ کریں۔

چار محترم مہینے

خداوند نے چار ماہ کو ایک خاص احترام بخشا ہے جن میں جنگ وجدل کو حرام قرار دیا گیا یہ رجب، ذیقعدہ، ذی‌الحجہ اور محرم ہیں۔

ہاتھ دھونا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا غم کو دور کرتا ہے، مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا عمر میں زیادتی، کپڑوں سے میل دور کرنے اور آنکھوں کو جلاء دینے کا باعث ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے گا وہ مالی لحاظ سے وسعت میں اور جسمانی لحاظ سے عافیت میں رہے گا۔

حدیث میں ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں تو تولیے سے خشک نہ کریں تاکہ ان کی نمی باقی رہے یہ طعام میں خیر و برکت کی باعث ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئیں تو تولیے سے خشک کریں۔

قبر حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی تو ھبۃ اللہ شیث علیہ السلام نے انہیں غسل وکفن دیا جو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ نماز جنازہ کے لئے ھبۃ اللہ نے جناب جبرائیلؑ سے کہا آپ پڑھائیں تو انہوں نے کہا آپ پڑھائیں چونکہ آپ مقام خلیفہ الٰہی پر قائم ہیں۔ اس کے بعد ھبۃ اللہ نے نماز پڑھائی اور حضرت آدم علیہ السلام کو کوہ ابو قبیس پر دفن کر دیا۔ جب طوفانِ نوحؑ آیا تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ کوہ ابوقبیس سے حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت اٹھا کر کشتی میں رکھیں۔ جب کشتی کوہ جودی پر ٹھہر گئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بنائی اور ان کی تدفین کر دی، پھر اپنی قبر وہیں بنائی اور اپنے دست مبارک سے اسی مقام پر آخری رسول کے جانشین حضرت علی علیہ السلام کی قبر بھی بنائی اس مقام کا نام نجف اشرف ہے جہاں پر روضہ علی علیہ السلام میں تینوں ہستیوں کے مزار ہیں، حضرت علی علیہ السلام کا تابوت ان دونوں ہستیوں کے تابوتوں سے اوپر ہے۔

دعا برائے دفع ہم وغم اور کرب وحزن وخوف

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب کسی مسئلے میں خوف محسوس کرو تو یہ دعا پڑھو: ﴿یا كافِياً مِنْ كُلِّ شيء وَلا يَكْفِي مِنْكَ شَيْءٌ فِي السَّمٰوَاتِ وَالارضِ اِكْفِنِي ما اَهَمَّنِي مِنْ اَمْرِ الدُّنْيا وَ الآخِرَةِ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى

مُحَمَّدٍ وَ آلِہٖ﴾۔(اصول کافی، ج۲، ص۴۰۵)

شجرہ طوبیٰ

شیخ طوسی نے رسول خداﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: شجرہ طوبیٰ جنت کا وہ درخت ہے جس کی اصل و بنیاد میرے گھر میں ہوگی اور اس کی شاخیں جنت کے ہر ہر گھر میں ہوں گی۔ایک سائل نے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس کی اصل حضرت علیؑ کے گھر میں ہوگی۔فرمایا: ﴿انکم لا تدرون بانّ داری و دار علیؑ واحد﴾ تمہیں پتہ نہیں وہاں میرا اور علیؑ کا گھر ایک ہی ہوگا۔

عمل سورہ حمد

مقدس اردبیلی سے منقول ہے کہ سورہ حمد ان دو آیات کے ساتھ دس دن ہر روز ۱۱ مرتبہ پڑھیں تو ہر حاجت کلی و جزئی پوری ہوگی۔

(۱) سورہ آل عمران آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشٰى طَآئِفَةً مِنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾۔

(۲) سورہ فتح آیت ۲۹ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اس کے بعد پڑھے: ﴿رَبِّ سَهِّلْ وَلَا تُعَسِّرْ عَلَيْنَا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ﴾۔

عمل

خواجہ نصیر الدین طوسی سے منقول ہے کہ دفع دشمن اور مطالب عظیمہ کیلئے سو مرتبہ یہ ذکر پڑھیں: ﴿يَا قَاهِرَ الْعَدُوِّ وَيَا وَالِيَ الْوَلِيِّ يَا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ يَا مُرْتَضٰى عَلِيّ﴾ بزرگان اس پر مداومت کر کے مطالب و مقصود کو پاتے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

مہمان

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مہمان مومن کے گھر آتا ہے تو اس مہمان کے ساتھ ہزار رحمت و برکت اس مومن کے گھر داخل ہوتی ہے اور جب مہمان کھانا شروع کرتا ہے تو ہر لقمہ کے بدلے مومن کے لئے ایک حج وعمرہ کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

ہدیہ برائے اہل وعیال

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی سفر سے واپس آئے تو گھر والوں کے لئے کوئی نہ کوئی ہدیہ وتحفہ لے کر آئے اگرچہ پتھر ہو۔

روایت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ مظلوموں کی مدد کرنا اور غمزدہ کو خوشحال کرنا ہے۔ (نہج البلاغہ)

روایت

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں خداوند کو بہت پسند ہیں: (۱) نماز اول وقت، (۲) ماں باپ کی خدمت کرنا، (۳) اور راہ خدا میں جہاد کرنا۔

روایت

معصوم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿خیر شبابکم من تزیّا بزیّ کھولکم و شرّ کھولکم من تزیّا بزّی شبابکم﴾ آپ کے جوانوں میں سے بہترین وہ ہے جو ادھیڑ عمر لوگوں کا حلیہ بنائے اور بدترین بوڑھا وہ ہے جو جوانوں والا لباس پہنے۔ (ارشاد القلوب دیلمی)

ختم مجرب

وسعت رزق کے لئے ہر روز بعد از نماز صبح دس مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھیں اور پھر قدرت خدا کا مشاہدہ کریں۔ (منہاج العارفین)

عمل برائے حاجت

یہ عمل شب جمعہ کو کریں تو جمعرات کے دن روزہ رکھیں اور اگر شب پیر کریں تو اتوار کے دن روزہ رکھیں، روزہ حیوانی چیزوں کے بغیر افطار کریں اور ایک ایسے کمرے میں بیٹھیں جہاں آپکے علاوہ کوئی نہ ہو، اب دو رکعت نماز برائے حاجت پڑھیں پھر ۱۲۹ دانوں والی تسبیح پر ۱۲۹ مرتبہ یالطیف پڑھیں، آخر میں ﴿اَلَا مَنْ یَعْلَمُ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾

پڑھیں۔

مسئلہ

مسئلہ:۔ کیا عورت اپنے شوہر کے مال سے چوری کر سکتی ہے؟

جواب:۔ اگر شوہر اس کا خرچہ نہ دے تو نفقہ کی مقدار کے مطابق اٹھا سکتی ہے۔

مسئلہ:۔ کیا ماں باپ اپنی اولاد کے مال سے چوری کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ نہیں، اگر چہ اولاد انہیں نفقہ نہ دے، بے شک ماں باپ فقیر ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ:۔ اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر ایسے سفر پر جائے جو اس پر واجب نہیں ہے تو نماز پوری پڑھے چونکہ یہ سفر معصیت ہے۔

ختم لا الہ الاّ اللہ

جمیع مطالب و مقاصد کے لئے اتوار کے دن سے ابتداء کرے ۱۱ ہزار مرتبہ پڑھے پیر کے دن ۱۲ ہزار مرتبہ اسی طرح ہر روز ایک ہزار اضافہ کرتا جائے جمعہ تک، جمعہ کے دن ۱۶ ہزار مرتبہ پڑھے، مجموع ۸۱ ہزار مرتبہ ہو جائے گا۔

تاریخ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا۔

اختلاف امّتی رحمۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری امت کا اختلاف رحمت ہے امام صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماع امت عذاب ہے چونکہ اختلاف رحمت ہے؟ فرمایا: جو آپ نے سمجھا ہے اس کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ اس سے مرادوہ ہے جو ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ﴾ سے مراد ہے کہ لوگ مختلف شہروں سے دین تحصیل کرنے کے لئے رفت و آمد کریں یہ رحمت ہے، یہاں اختلاف در دین مراد نہیں ہے ﴿اِنَّمَا الدِّيْنُ وَاحِدٌ﴾ دین تو ایک ہے۔ (علل الشرائع، ج۱، ص ۸۵)

عمل

شہید ثانی اور بعض دوسرے بزرگوں سے حکایت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی دو ماہ مسلسل بلا ناغہ ہر روز چار سو مرتبہ یہ ذکر پڑھے تو خداوند اسے علم کثیر یا مالِ کثیر عطا کرے گا: ﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ جَمِيْعِ ظُلْمِىْ وَ جُرْمِىْ وَ اِسْرَافِىْ عَلٰى نَفْسِىْ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ﴾۔

Presented by Ziaraat.Com

حروف نورانیہ

حروف نورانیہ اوائل سور میں حروف مقطعہ کو کہتے ہیں جو کہ حذف مکررات کے بعد چودہ حروف ہیں جن کا مجموعہ ہے: ﴿صراطُ عليٍّ حقٌ نُمسِكُه﴾۔

کمال اعداد

ہر عدد کے دو کمال ہوتے ہیں: (۱) کمال شعوری اور (۲) کمال ظہوری۔ کمال شعوری وہ عدد ہے جو ایک سے اس کے ماتحت عدد کے مجموعے اور اس عدد سے ایک تک کے مجموع کا جامع ہو اور کمال ظہوری صرف پہلا مجموعہ ہے یعنی ایک ہے اس کے ماتحت عدد تک کا مجموعہ۔ جیسے عدد نو کا کمال شعوری ۸۱ ہے کیونکہ ایک سے ۹ تک کو جمع کریں تو ۴۵ ہوگا اور ۸ سے ایک تک جمع کریں تو ۳۶ ہوگا دونوں کا مجموعہ ۸۱ ہے اور ۹ کا کمال ظہوری ۴۵ ہے پہلے والا مجموعہ۔ اور کائنات میں صرف ایک نام مقدس ایسا ہے کہ جس میں ۹ دونوں قسم کے کمال کے درمیان واقع ہے اور وہ اسم مقدس فاطمہ ہے کیونکہ طا کے ۹ عدد ہیں اس سے پہلے فا ہے اور اس کے بعد مہ ہے فا کے عدد ۸۱ ہیں اور ''مہ'' کے ۴۵ ہیں۔

(خزائن نراقیؒ)

حکایت عجیبہ

بشر بن مفضل حکایت کرتے ہیں کہ ہم حج کے لئے نکلے راستے میں ایک قبیلے پر ہمارا گزر ہوا، ہمیں بتایا گیا کہ یہاں ایک عورت انتہائی حسین وجمیل ہے جو سانپ ڈسے کا علاج کرتی ہے۔ ہمارے دل میں اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اس کے لئے ہم نے اپنے ایک ساتھی کو لکڑی کی رگڑ سے زخم کیا اور کپڑے میں لپیٹ کر لے گئے کہ اسے سانپ نے ڈسا ہے جب وہ باہر آئی تو واقعاً بڑی حسین تھی اس نے زخم دیکھا اور کہا اسے سانپ نے نہیں ڈسا بلکہ لکڑی نے ڈسا ہے البتہ اس لکڑی پر سانپ کا زہر لگا تھا اور میرے پاس اس کا علاج نہیں ہے۔ جب سورج نکلے گا گرمی بڑھے گی تو اس کی موت ہو جائے گی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ (خزائن)

فائدہ

ابوجہل مخزومی کا نام عمرو تھا اور یہ حضرت عمر کے ماموں تھے، کنیت ابوالحکم تھی۔ مسلمانوں نے اسے عالمانہ انداز کی وجہ سے ''ابوجہل'' کی کنیت عطا کی جو نام سے زیادہ مشہور ہوگئی۔ ''ابولہب'' کا نام عبدالعزیٰ تھا اور والد گرامی نے اس کے گورے چٹے رنگ کی وجہ سے ابولہب کنیت عطا کی۔ مقداد بن اسود اصل میں مقداد بن عمرو بن ثعلبہ ہیں اور اسود بن عبدیغوث نے آپ کو بیٹا بنالیا تھا اور آپ ابن اسود کے عنوان سے مشہور ہوگئے۔

Presented by Ziaraat.Com

بشیر

سوال:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ لانے والا بشیر نامی شخص کون تھا؟

جواب:۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام بچے تھے تو ان کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک دایہ رکھی تھی جس کا ایک بیٹا تھا اس کا نام بشیر تھا۔ ایک دن حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ دایہ نے بشیر کو گود میں اٹھایا ہوا ہے اور یوسف کو زمین پر بٹھا رکھا ہے، حضرت غضب ناک ہوئے اور اس کو بیٹے کو چھوڑنے کا کہا اس نے بیٹا بیچ دیا جو مصر پہنچ گیا، جب حضرت یوسف علیہ السلام امیر مصر بن گئے تو یہ بشیر آپ کے خدام سے قرار پایا، ادھر اس کی ماں کنعان سے باہر ایک جھونپڑی میں رہتی تھی عبادت کرتی اور بیٹے کو یاد کرتی، بشیر جب کنعان سے باہر پہنچا اور اسے پیاس لگی تو اس جھونپڑی کی طرف گیا، عورت سے حال پوچھا اس نے جب روئیداد سنائی تو کہا وہ بشیر میں ہوں، یوسف کی خوشخبری یعقوب علیہ السلام کو ملنے سے پہلے خداوند نے بشیر کو اس کی ماں سے ملا دیا۔ (خزائن نراقی)

کلب سلوقی

یہ کتا سلوقہ کی طرف منسوب ہے جو کہ یمن میں ایک بڑا شہر تھا، یہ اخبث انواع الکلب شمار ہوتا ہے اور فارسی میں اسے سگ گیرگ کہتے ہیں یعنی جس کی شکل بھیڑیے کی طرح ہوتی ہے۔

فائدہ

قیل الأب ربّ والأخ فخ والعمّ غمٌ و الخال وبالٌ والولد كَبِدٌ والاقارب عقارب و انّما المرء بصديقه.

فائدہ

﴿لا تمازح الشريف فيحقد عليك ولا الدنيّ فيجترئ عليك﴾ کسی بڑے آدمی سے مزاح نہ کرو کہ وہ تمہارے بارے دل میں کینہ رکھ لے گا اور کسی چھوٹے سے مزاح نہ کرو کہ وہ تمہارے بارے جری ہو جائے گا۔

اسباب رزق

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ فرماتے ہیں: رزق کے قوی ترین اسباب میں سے یہ ہے کہ نمازیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے، سورہ واقعہ رات کو خصوصاً عشاء کے وقت پڑھے، سورہ یٰسین اور سورہ ملک صبح کے وقت پڑھے۔

نیز فرمایا: رزق میں اضافے کے لئے طلوع فجر کے بعد روز نماز صبح سے پہلے ایک تسبیح ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ﴾ پڑھے، صبح و شام ایک ایک تسبیح ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ﴾ پڑھے اور بعد از نماز صبح، تسبیحات اربعہ ۳۳ مرتبہ اور ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ ۳۴ مرتبہ، بعد از نماز مغرب ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ ۳۴ مرتبہ اور بعد از

Presented by Ziaraat.Com

نماز صبح ﴿اَستَغفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوبُ اِلَیهِ﴾ ۷۰ مرتبہ پڑھے اور ﴿لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ زیادہ پڑھے۔

فائدہ

تین دن بعد تسلیت کہنا مصیبت کی تجدید ہے اور تین بعد مبارک دینا مودت کی تحقیر ہے۔

وصیت و نصیحت

ایک اعرابی عورت نے شادی کے وقت اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: دیکھو بیٹی جس آشیانے میں تم پیدا ہوئی اور پلی بڑھی اسے تم چھوڑ کر ایسے گھونسلے کی طرف جا رہی ہو کہ جس کے بارے تم کچھ نہیں جانتی۔ ایسے ساتھی کی طرف جا رہی ہو کہ جس سے تم مانوس نہیں تھی، اپنے شوہر کے لئے لونڈی بن کر رہنا وہ تمہارا غلام بن جائے گا مجھ سے دس باتیں یاد رکھنا اسی میں تمہاری عزت و نیک نامی ہوگی: (۱و۲) قناعت کے ساتھ حسن صحبت اور اطاعت کے ساتھ حسن معاشرت کرنا۔ (۳و۴) شوہر کی آنکھ اور ناک کا خیال رکھنا وہ تجھے ناپسندیدہ جگہ نہ دیکھے اور تجھ سے بدبو نہ سونگھے، بہترین سرمہ مودت ہے اور بہترین خوشبو پانی ہے (صاف ستھرا رہنا)۔ (۵و۶) اس کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کے رشتہ داروں کا خیال رکھنا، مال کی حفاظت حسن التقدیر ہے اور رشتہ داروں کی رعایت احسن التدبیر ہے۔ (۷و۸) اس کے کھانے کے اوقات کا خیال رکھنا اور اس کی نیند میں مخل نہ ہونا۔ (۹و۱۰) اس کے راز برملا نہ کرنا اور اس کی باتوں کی مخالفت نہ کرنا۔

مسخرہ فرعون

کہا گیا ہے کہ دربار فرعون میں ایک مسخرہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقالی کر کے لوگوں کو ہنساتا تھا جب فرعون اپنی قوم کے ساتھ غرق ہوگیا تو وہ ایک بچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بارالٰہ مجھے سب سے زیادہ اسی نے اذیت کی یہ کیسے بچ گیا؟ ارشاد ہوا: موسیٰ یہ تیرا شبیہ بنتا تھا اور جو دوست کا شبیہ ہو اسے کیسے عذاب میں مبتلا کرتا۔

عمل

آیت نور کو سونے کے وقت ۶۶ مرتبہ پڑھیں عالم خواب میں سیر حاصل ہو۔

فائدہ شریعت

انسانی نفس میں دو صفت ذاتی ہیں باقی سب صفات ذمیمہ انہی دو سے حاصل شدہ ہیں اور وہ دونوں ہویٰ اور غضب ہیں یہ دونوں عناصر کی خاصیتیں ہیں ہویٰ (خواہشات) کا میلان پستی کی طرف ہے جو کہ آب و خاک کی خاصیت ہے اور غضب میں رفعت و بلندی کا میلان ہے اور یہ ہوا اور آگ کا اثر ہے، اور دوزخ کی اصل و بنیاد یہی دو صفات ہیں لیکن نفس میں ان کا ہونا ضروری ہے اور حکمت کا تقاضا ہے، ان سے جلب منفعت اور دفع مضرت کے جذبات پیدا ہوتے

Presented by Ziaraat.Com

ہیں۔

لیکن ان دو کو اعتدال میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر یہ غلبہ پیدا کرلیں تو بڑی قبیح صفات پیدا ہو جاتی ہیں، خواہشات حدّ سے بڑھیں تو حرص، امل، شہوت، خست، پستی، بخل اور خیانت جیسی صفات جنم لیتی ہیں اور اگر غضب حدّ سے بڑھ جائے تو بداخلاقی، تکبر، عداوت، غصہ، غیر مستقل مزاجی، عجب و خود پسندی اور غرور جیسی صفات جنم لیتی ہیں۔ اور بعض بری صفات ان دو کے ملنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر غضبیہ خواہشات کے تابع ہو جائے تو بے غیرتی، ناتوانی، عجز و ذلت جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر یہ صفاتِ نفس پر غالب آجائیں تو نفس میں فسق و فجور، قتل و غارت گری پیدا ہو جاتی ہے۔

شریعت کا کمال یہ نہیں ہے کہ ان صفات کو کلی طور پر ختم کردے ورنہ مرتبہ انسانیت میں نقص واقع ہو جائے گا، شریعت کا کمال یہ ہے کہ ان دو صفات کو حدِّ اعتدال اور کنٹرول میں کر لے، رام گھوڑے کی طرح جہاں چاہے استعمال کرے اب اگر یہ صفات حدِّ اعتدال میں آجائیں تو پھر صفاتِ حمیدہ پیدا ہو جائیں نفس کو عالم بالا کی طرف پرواز کے لئے اور ملکوت کی طرف ترقی کے لئے انہی دو پروں (خواہشات و غضب) کی ضرورت ہے، ہویٰ و خواہشات کا رخ جب اوپر کی طرف ہو تو عشق و محبت الٰہی پیدا ہو جاتے ہیں، غضبیہ جب اوپر کی طرف رخ کرلے تو غیرت، عزم و ہمت پیدا ہوتے ہیں۔ (خزائن نراقی)

حدیث

کلینیؒ روایت کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے آیت ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ کا کیا مطلب ہے؟ ﴿قال یعنی بالعلماء من صدّق فعلہٗ قولَہ ومن لم یصدق فعلہ قولہ فھو لیس بعالم﴾، علماء سے مراد وہ ہیں جن کا فعل ان کے قول کی تصدیق کرے اور جس کا فعل و عمل اس کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔

صفاءِ قلب

جناب عارف کامل محمد بیدآبادی سے یہ طریقہ منقول ہے یہ چلّہ ہے جسے شروع کرنے سے پہلے کئی دن یہ ذکر مسلسل پڑھتا رہے ﴿اللّٰہ خاطری و ناظری﴾ اور نوافل کو مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے اس کے بعد چلّہ شروع کرے حیوانیات سے پرہیز کرے نوافل خشوع و خضوع سے پڑھے نوافل شب اور نمازِ شفع کے درمیان ۶۰۶ مرتبہ ﴿یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ﴾ پڑھے اور سانس جب تک قطع نہ ہو متصلاً پڑھتا رہے جب سانس قطع ہو جائے تو کہے: ﴿برحمتك اَسْتَغِیْثُ اَللّٰہُ اَحْیِ قَلْبِیْ﴾، پھر سانس لے کر دوبارہ پڑھنا شروع کرے یہاں تک کہ تعداد مکمل ہو جائے۔ پھر آیت

Presented by Ziaraat.Com

نور کو پڑھنا شروع کرے۔ فجر کے وقت اور باقی اوقات اربعہ صلوات میں اور ہر ایک وقت میں پنجتن پاک میں سے ایک ہستی سے توسل کرے سرّا۔ یہ عمل حیات قلب کا باعث ہوگا یعنی مطالب کلیہ معلوم ہو جائیں گے۔

رؤیہ صادقہ

اگر کوئی نماز شب کے بعد کم از کم پانچ سو مرتبہ یہ شعر روزانہ پڑھے تو اسے سچے خواب اور سیر در عالم رؤیا حاصل ہوگی۔ ﴿یا علی یا ایلیا یا ابا الحسن یا ابا تراب حلّ مشکل سرورِ دین شافع یوم الحساب﴾۔

انجیل

انجیل کے معنی بشارت کے ہیں جس کے پانچ سفر ہے۔

حجاز

حجاز کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حاجز ورکاوٹ ہے شام اور یمن کے درمیان۔

جُعِلت فِداك

ابوهلال عسکری الاوائل میں لکھتے ہیں: یہ جملہ ﴿جُعِلْتُ فداك﴾ سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے استعمال کیا جب خندق کی جنگ میں عمر بن عبدوڈ نے مبارز طلب کیا تو علیؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ﴿جُعِلْتُ فداك یا رسول الله اتاذن لی﴾۔ میں آپ پر قربان جاؤں اے رسول خدا کیا مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس کے مقابل جاؤں۔

چار عالم

عالم چار ہیں: عالم جبروت، عالم ملکوت، عالم غیب، عالم شہادت (عالم ناسوت)۔ عالم جبروت عالم ذاتِ حضرت حق ہے، عالم ملکوت عالم صفات حضرت حق ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں: ملکوتِ اعلیٰ کہ جس کا تعلق مخلوقات سے نہ ہو جیسے علم، حیات اور قدرت۔ اور ملکوتِ ادنیٰ کہ جس کا تعلق مخلوقات سے ہو جیسے خالقیت و رازقیت، عالم غیب جو ہمارے حواس سے غائب ہو جیسے ملائکہ اور روحانیات کے عالم۔ اور عالم شہادت اس عالم محسوس کو کہتے ہیں۔

ختم مجرب

جسے کوئی حاجت درپیش ہو تو صحرا کی طرف نکل جائے اور تنہائی میں ایک مربع زمین پر کھینچے اس کے درمیان ایک مربع بنائے پھر درمیان میں ایک لکیر کھینچے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر تصور کرے اور ہزار مرتبہ کہے: ﴿صلی الله علیك یا رسول الله﴾ پھر اپنی حاجت طلب کرے انشاء اللہ پوری ہوگی۔

Presented by Ziaraat.Com

آبِ نیسان

نیسان رومی مہینے کا نام ہے جو کہ نوروز سے ۲۳ دن بعد یعنی ۱۴ اپریل کو شروع ہوتا ہے اور ۳۰ دن تک رہتا ہے یعنی ۱۴ مئی تک۔

رسول خداﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے کہ جو بھی ماہِ نیسان میں بارش کا پانی لے کر اس پر یہ عمل کرے:

- ۷۰ مرتبہ سورہ فاتحہ
- ۷۰ مرتبہ آیت الکرسی
- ۷۰ مرتبہ سورہ سورہ کافرون
- ۷۰ مرتبہ سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ
- ۷۰ مرتبہ سورہ فلق
- ۷۰ مرتبہ سورہ ناس
- ۷۰ مرتبہ سورہ توحید
- ۷۰ مرتبہ سورہ لا الٰہ الا اللہ
- ۷۰ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
- ۷۰ مرتبہ سورہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ.

۷۰ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور سات دن (ایک روایت کے مطابق ۴۰ دن) تک اس پانی کو صبح وشام پیئے خداوند اس کے بدن سے ہر درد ختم کر دے گا، اسے شفاء دے گا، خداوند کے حق کی قسم اگر اولاد نہ رکھتا ہو تو آبِ نیسان اس کی نیت سے پیئے خداوند بیٹا عطا فرمائے گا اور عورت اگر بانجھ ہو تو خدا اسے بھی اولاد دے گا۔

اگر کسی کو سر درد ہو تو اس پانی سے اس درد کے لئے پیئے تو درد ختم ہو جائے گا۔ آنکھ کا مرض ہو تو اس پانی کا قطرہ آنکھوں میں ٹپکائے اور پھر آنکھوں کو اس پانی سے دھولے خدا شفاء دے گا۔ منہ اور دانتوں کی بیماریوں سے شفاء ہوتی ہے پیٹ کی گیس کی تکلیف نہیں رہے گی، بواسیر سے آرام ہو۔

اس کے علاوہ معنوی فوائد بھی کثرت سے ذکر ہوئے ہیں جیسے دل میں نور وروشنی اور الہام ہونا، زبان پر حکمت کا جاری ہونا، فہم وبینائی عطا ہونا۔ ہزار رحمت وہزار مغفرت کا نازل کرنا، لوگوں کی دشمنی وبدگوئی سے نجات ہو۔

آبِ باران مطلق چاہے نیسان ہو یا نہ ہو مبارک اور منفعت بخش ہے حضرت امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آب آسمان پیو کہ یہ تمہارے بدن کو پاک اور درد کو دفع کرتا ہے چونکہ خداوند کا ارشاد ہے: ﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ یعنی خداوند آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے وسوسہ شیطان دور کرے، تمہارے دلوں کو محکم کر دے تمہارے قدم ثابت کر دے۔

Presented by Ziaraat.Com

(نوٹ) آب نیسان پر اذکار سابقہ کئی افراد مل کر پڑھیں اور ہر فرد پوری تعداد پڑھے تو اس کا فائدہ اور بڑھ جاتا ہے۔

فشارِ قبر کیوں؟

دعا میں وارد ہے ﴿اللّٰھم انی اعوذ بك من عذاب القبر و من ضیق القبر و من ضغطة القبر﴾ خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے، تنگی قبر سے اور فشارِ قبر سے۔ فشارِ قبر سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ان عوامل کا سدباب کریں جن سے فشارِ قبر ہوتا ہے۔

امالی صدوق، صفحہ ۵۴۰ پر روایت ہے: ﴿قال رسول اللّٰه (ص) ضغطة القبر للمؤمن کفّارة لِما کان فیه من تضییع النعم﴾ یعنی مومن کو فشارِ قبر اس لئے ہوگا جو دنیا میں اس نے نعمتوں کو پامال کیا۔

سکونی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لئے فشارِ قبر اور تنگی قبر کی وجہ دنیا میں اس کا نعمتوں کا ضائع کرنا ہوتا ہے اور یہ فشار اس کا کفارہ ہے، نعمتوں کا ضیاع مختلف مصداق رکھتا ہے بعض موارد میں چھوٹی سی بات بھی نعمت کا ضیاع کہلاتا ہے اور اسراف اس کا مصداق روشن ہے، حیات نعمت ہے اسے بیہودہ گوئی اور بے مقصد آوارگی میں ضائع کرنا ایک اور روشن مصداق ہے۔

نیز نعمت کو حرام راہ میں استعمال کرنا بھی ضیاع ہے نعمت کا۔ جیسا کہ شکر کی تعریف میں کہا گیا ہے شکر نعمت یہ ہے کہ وہ نعمت اسی راستے میں استعمال ہو جس کا خداوند نے حکم دیا ہے۔

ابوبصیر نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: ﴿أیفلت من ضغطة القبر احد؟﴾ کیا فشار سے کوئی بچ پائے گا؟ فرمایا: ﴿نعوذ باللّٰه منها ما اقل من یفلت منها﴾ خدا کی پناہ اس سے کم لوگ بچ پائیں گے۔

(بحار، ج ۶، ص ۲۶۰)

فشارِ قبر کیا ہے؟

یہ عذاب زیادہ تر افراد کو سہنا پڑے گا حتیٰ مومن کو بھی، اور یہ خاص نہیں ہے ان کے ساتھ جو زمین میں دفن ہوں گے۔ بلکہ ہر کسی کو ہوگا چاہے دفن ہو یا نہ ہو، امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا جو پھانسی پر لٹکا ہوا ہے اسے فشارِ قبر کیسے ہوگا تو فرمایا: جو زمین کا خدا ہے وہ ہوا کا بھی خدا ہے خداوند ہوا کو حکم دے گا اور ہوا قبر سے زیادہ سخت اور شدید فشار (دباؤ) ڈالے گی۔ (من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۱)

اب یہ کہ یہ عذاب کیسے ہوگا علامہ مجلسی و علامہ حلی جیسے علماء قائل ہیں کہ اسی بدن کو ہوگا جب روح اس بدن میں داخل کی جائے گی۔

Presented by Ziaraat.Com

نہج البلاغہ میں ہے: ﴿و روعات الفزع و اختلاف الاضلاع و استکاك الاسماع و ظلمة اللحد﴾ پے درپے خوفناک حالات، فشارِ قبر سے پسلیوں کا اُدھر سے اِدھر ہو جانا، کانوں کا بہرا ہو جانا اور قبر کی تاریکی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مومن کو رعایت ہوگی اس حوالے سے۔ امالی شیخ صدوق میں اس بارے روایت سے پتہ چلتا ہے کہ زمین مومن کو خوش آمدید کہے گی اور تاحدِ نظر وسیع ہو جائے گی۔

وہ اعمال جن سے فشارِ قبر میں کمی ہوگی

(۱) بعض سورے پڑھنا۔ مثلاً جو روز جمعہ سورہ نساء پڑھے وہ فشارِ قبر سے امان پائے گا۔ (ثواب الاعمال و عقاب الاعمال شیخ صدوق)

ابوبصیر سے منقول ہے کہ ہر شیٔ کا قلب ہے اور قلب قرآن سورہ یٰسین ہے جو دن یا رات میں یہ سورہ پڑھے اسے فشارِ قبر سے امان ہوگی اور قبر وسیع ہو جائے گی۔ سورہ نون والقلم کسی واجب یا مستحب نماز میں پڑھنا موجب نجات از فشارِ قبر ہے۔ (ثواب الاعمال وعقاب الاعمال شیخ صدوق)

جو سورہ زخرف ہمیشہ پڑھتا ہو قبر میں اس کا بدن کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ رہے گا اور فشارِ قبر سے امان میں ہوگا۔ (ثواب الاعمال وعقاب الاعمال شیخ صدوق)

(۲) پس ماندگان کی طرف سے امداد ہو:۔ حذیفہ یمانی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شب اول قبر سے زیادہ سخت چیز میت پر نہیں ہے لہٰذا مُردوں کے لئے صدقہ دے کر ان پر مہربانی کرو، اگر نہ دے سکو تو یہ عمل کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو پہلی رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیت الکرسی، دو بار سورہ قل ھو اللہ احد اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد دس بار سورہ الہاکم التکاثر پڑھو اور نماز کے بعد یہ دعا کرو: ﴿اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَابْعَثْ ثَوَابَهُمَا اِلٰى قَبْرِ فُلَانَ بْنِ فُلَانَ﴾ خداوند اسی وقت ہزار فرشتے بھیج کر اس کی قبر کو وسیع کرتا ہے اور رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (ادب حضور، صفحہ ۱۶۷)

۳۔ حج:۔ منصور بن حازم امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے منصور جو چار حج کر لے خداوند اسے ہرگز فشارِ قبر نہیں کرے گا۔

۴۔ شب جمعہ مرنا:۔ ابان بن تغلب نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو جمعرات کی ظہر سے جمعہ کی ظہر کے درمیان فوت ہو خداوند اسے فشارِ قبر سے محفوظ فرماتا ہے۔ (ثواب الاعمال)

۵۔ ولایت امیر المومنین علیہ السلام اور محبت اہل بیت علیہم السلام:۔ اس بارے روایات بحار جلد ۲۶ صفحہ ۲۳۷ پر ملاحظہ کریں۔

Presented by Ziaraat.Com

ذوالفقار

حضرت امیر المومنین علیؑ کی مشہور و معروف تلوار کا نام ہے۔ امام صادقؑ سے سوال ہوا: ﴿لم سُمِّی ذالفقار؟﴾ کیوں اس تلوار کو ذوالفقار کہا گیا تو فرمایا: ﴿لانّہ ما ضرب بہ امیر المؤمنین احداً الاّ افتقر فی الدنیا من الحیلۃ وفی الآخرۃ من الجنۃ...... سمّی سیف امیر المؤمنین ذالفقار لانّہ کان فی وسطہ خطّۃ فی طول مشبّۃ بفقار الاظہر﴾ (بحار، ج ۴۲، ص ۵۸)

فرمایا: اس کے نام کی دو وجہیں ہیں: معنوی اور ظاہری۔ معنوی تو یہ کہ حضرت امیرؑ نے اس تلوار سے کبھی کسی کو نہیں مارا مگر یہ کہ اسے دنیا میں زندگی سے اور آخرت میں جنت سے محروم کر دیا۔ اور ظاہری وجہ یہ کہ اس کی لمبائی میں ایک خط بنا ہوا تھا جو انسانی کمر کے مہروں کے مشابہ تھا۔

امام رضاؑ سے سوال ہوا: ﴿عن ذی الفقار سیف رسول اللّٰہ من این ھو؟﴾ کہ یہ رسول خدا ﷺ کی تلوار کہاں سے آئی؟ فرمایا: ﴿ھبط بہ جبرئیل من السماء و کان حلیتہ من فضۃ وھو عندی﴾ (بحار، ج ۴۲، ص ۶۵)

یہ تلوار جبرئیلؑ آسمان سے لے کر آئے۔ اس کی نیام چاندی کی تھی اور اب یہ میرے پاس ہے۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ﴾ کی تفسیر میں ابن عباس سے وارد ہے کہ یہ انبیاءؑ کے پاس رہی ہے ان کے اوصیاء کے پاس رہی ہے ﴿حتّٰی یرثہ امیر المؤمنین﴾ یہاں تک کہ اس کے وارث حضرت علیؑ قرار پائے۔

جنگ احد میں جب حضور اکرم ﷺ کا دفاع حضرت علیؑ تنہا کر رہے تھے اور جبرئیل نے تعجب سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اسے ایثار کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ﴿انہ منّی و انا منہ﴾ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، جبرئیلؑ نے کہا میں آپ دونوں سے ہوں اور پھر بلند آواز سے کہا: ﴿لا سیف الاّ ذوالفقار لا فتٰی الاّ علی﴾ (بحار ۴۲) کوئی تلوار ذوالفقار جیسی نہیں اور کوئی جوانمرد علی جیسا نہیں۔

تاریخ میں وارد ہے کہ جب مولا جنگ اُحد سے واپس آئے تو بی بی پاک کو تلوار دی کہ اسے دھو دیں اور یہ شعر پڑھا: اے فاطمہ یہ بہترین تلوار ہے میں نے رسول خدا ﷺ کی محبت اور خدا کی اطاعت میں جنگ کی میری تلوار میرے ہاتھوں میں شعلہ جوالہ کی طرح رقص کر رہی تھی اور میں دشمنوں کو کاٹ اور توڑ رہا تھا یہاں تک کہ سب متفرق ہو گئے اور دل ٹھنڈے ہو گئے۔ (بحار)

شکل

قدیم تلواروں کی طرح دو منہ ہونا تو ثابت ہے لیکن دو تیغہ ہونا ثابت نہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

پانی پینے کے آداب

۱۔ دن میں کھڑے ہو کر پیئے اور رات کو بیٹھ کر:۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: دن کو کھڑے ہو کر پانی پینا بدن کی قدرت وصحت کا باعث ہے(کافی ج۶،ص۳۸۳) لیکن رات کو کھڑے ہو کر پینا زرد آب کا باعث ہے۔

(مکارم الاخلاق، ج۱،ص۷۶)

۲۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پینے کے دوران سانس لیتے تو برتن منہ سے دور کر لیتے۔

۳۔ دستے اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے پانی نہ پیئے اسے شیطان کے پینے کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔(مکارم الاخلاق، ج۱)

۴۔ پانی پیتے وقت امام حسین علیہ السلام کی پیاس کو یاد کرے اور آپؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔ جو ایسا کرے گا خداوند ایک لاکھ نیکی اس کے لئے لکھے گا اور ایک لاکھ گناہ اس کے معاف فرمائے گا اور ایک لاکھ درجہ اسے عطا کرے گا۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کبھی خداوند ایک دفعہ پانی پینے سے کسی کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اس طرح کہ انسان پانی شروع کرے سیرابی سے پہلے منہ ہٹالے اور حمد خدا کرے پھر پیئے پھر سیر ہونے سے پہلے ہٹا کر حمد خدا کرے پھر پیئے تو خداوند اس کام کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرے گا۔

۵۔ مستحب ہے انسان تھوڑا سا پانی پی کر بسم اللہ کہے پھر تھوڑا سا پی کر بسم اللہ کہے پھر تھوڑا سا پی کر الحمد للہ کہے پھر تھوڑا سا پی کر بسم اللہ کہے پھر تھوڑا سا پی کر الحمد للہ کہے۔ یہ پانی جب تک پیٹ میں رہے گا تسبیح خدا کرتا ہے اور اس کا ثواب انسان کے لئے لکھا جاتا ہے۔

۶۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی ٹھہر ٹھہر کر چوس کر پیئے ایک دم نہ پیئے یہ جگر کے درد کا باعث بنتا ہے۔

۷۔ رات کو پانی پئیں تو مستحب ہے تین دفعہ کہے: ﴿علیك السلام من ماء زمزم و ماء الفرات﴾۔

(حلیۃ المتقین)

۸۔ زیادہ پانی نہ پئیں خصوصاً کھانے کے ساتھ۔

ابن سینا

حجۃ الحق، شیخ الرئیس، امام الحکماء ابوعلی حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی المعروف ابن سینا ۳۷۰ ہجری میں افشنہ یا خرمشین میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بلخ کے رہنے والے تھے اور سامانی بادشاہ نوح بن منصور کے دور میں خرمشین دیہات کے نمبردار تھے، آپ کی والدہ کا تعلق افشنہ سے تھا، چند سال بعد آپ کا خاندان بخارا منتقل ہو گیا لہٰذا ابن سینا نے وہاں ابوعبداللہ ناتلی کے پاس منطق اور مقدمات ریاضی پڑھے، البتہ علوم طبیعی وطب میں آپ کا کوئی استاد نہیں تھا بلکہ خود مطالعہ کے ذریعے یہ علم تحصیل کئے اور کچھ ہی عرصے میں طب میں اتنے مشہور ہوئے کہ بڑے بڑے طبیب آپ کی

Presented by Ziaraat.Com

شاگردی کرتے۔ آپ دس سال کی عمر میں حافظ قرآن کریم ہوگئے، آپ سترہ سال کی عمر میں نوح بن منصور کے علاج کے لئے بلائے گئے اور ان کا علاج کیا جس کے انعام کے طور پر آپ کو سلطنتی کتابخانے سے استفادہ کی اجازت دی گئی۔

آپ ۲۲ سال کے تھے جب آپ کے والد کی وفات ہوئی اور اس دور میں سامانی حکومت کمزور ہو چکی تھی جس کی وجہ سے بخارا کے حالات خاصے خراب ہوگئے اس لئے ابن سینا خوارزم چلے گئے جو کہ علماء و محققین کا مرکز تھا، وہاں مامونیوں کی حکومت تھی جنہوں نے ابن سینا کا خوب احترام کیا، کچھ عرصہ بعد محمود غزنوی نے وہاں قبضہ کرلیا تو وہاں سے دانشمندوں نے نقل مکانی کرلی، کچھ تو محمود کی دعوت پر غزنی چلے گئے لیکن ابن سینا محمود کی مذہب و سیاست میں سختی کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس کی دعوت رد کر کے خوارزم سے چلے گئے اور مختلف شہروں میں مختصر قیام کرتے ہوئے جرجان چلے گئے اور یہاں آپ نے اپنی مشہور کتاب القانون کی تالیف شروع کی، ایک سال بعد ری اور قزوین چلے گئے، پھر سیف الدولہ دیلمی حاکم ہمدان کے پاس چلے گئے، شمس الدولہ کی قولنج کی بیماری کا علاج کیا اور اس کی وزارت قبول کرلی، اسی دور میں جب آپ سیاست و وزارت کے کاموں میں مشغول تھے آپ نے اپنی کتاب الشفاء کی تالیف شروع کی جب شمس الدولہ کی وفات ہوئی تو اس کے جانشین نے آپ کو زندان میں ڈال دیا جہاں آپ چار ماہ تک قید رہے، اسی جیل میں آپ نے اپنے عرفانی رسالہ "حی بن یقظان" "قولنج" اور چند دوسرے رسالوں کی تصنیف کی، یہاں سے آزادی کے بعد کچھ دوستوں کے گھروں میں قیام کیا پھر چھپ چھپا کر اپنے شاگرد ابو عبید جوزجانی اور بھائی کے ہمراہ اصفہان کی طرف چلے گئے۔ وہاں کے حاکم علاء الدولہ نے آپ کا بڑا احترام کیا اور آپ چودہ سال وہاں آرام خاطر کے ساتھ رہے۔ اسی دور میں آپ نے اپنی کتب کی تکمیل کی اور فلسفہ و موسیقی میں مزید کتب لکھیں۔ محمود غزنوی نے جب اصفہان پر حملہ کیا تو ابن سینا کا گھر بھی تباہ ہوگیا اور آپ کی بعض تالیفات ضائع ہوگئیں، لیکن ابن سینا آخر تک علاء الدولہ کے پاس رہے اور ۴۲۸ میں علاء الدولہ نے ہمدان کا سفر کیا جس میں ابن سینا ساتھ تھے وہاں بیمار ہوئے اور وہیں آپ کی وفات ہوگئی، آپ کا مزار ہمدان میں مرکز زیارت عام و خاص ہے، وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھاون سال تھی۔

ابن سینا نے فلسفہ میں ارسطو کے نظریات کی پیروی کی جو کہ فلسفہ مشاء کہلاتا ہے، ارسطو قائل تھے کہ استدلال و عقل کے ذریعے حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے، ابن سینا نے اسی روش کی پیروی کرتے ہوئے اپنے فلسفہ کے پے ریزی کی، البتہ آپ کے نظریات میں بعض نظریات ارسطو کے برخلاف بھی تھے۔

آپ علوم طبیعی، ریاضیات، فزکس، کیمیا، نجوم، موسیقی جیسے علوم میں مسلم استاد تھے آپ نے بڑے پائے کے شاگرد تربیت کیئے جیسے ابو عبید جوزجانی، ابوالحسن بھمنیار، ابو منصور طاہر اصفہانی اور محمد بن احمد المعصومی، اور آپ کے شاگرد جوزجانی نے آپ کا زندگینامہ مرتب کیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

سبب علم

سورہ بقرہ نمبر۲۸۲ میں ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ. وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ﴾ تقویٰ اختیار کرو خدا تمہیں علم دے گا۔ جو افراد آلودہ از گناہ ہوں وہ بہت سے حقائق کے ادراک سے محروم رہتے ہیں جو کسی طرح کا تعصب زدہ ہو وہ حق کو دیکھ نہیں پاتا، معارف کے ادراک کے لئے آئینۂ دل کا صاف ہونا ضروری ہے تاکہ حقائق جیسے ہیں ویسے ہی دکھلا سکے اس لئے حکم ہوا: تقویٰ اختیار کرو ایسی صورت میں خداوند تمہیں حقائق دکھلائے گا تمہارا معلم پھر خدا ہوگا۔ تقویٰ یہ ہے: ﴿لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ﴾ (حدید/۲۳) اگر کچھ ہاتھ سے دے بیٹھو تو افسوس نہ کرو اور کچھ مل جائے تو مغرور نہ ہو جاؤ، یہ انسان حقیقی تعادل رکھتا ہے۔

اوزان ومقادیر شرعیہ

دانق، درہم اِستار، اُوقیہ شرعیہ، برید، حبّہ، قیراط، فرسخ، مد،

دانق (نون کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں) سدس الدرہم یعنی درہم کا چھٹا حصہ ہے، نیز دانق آٹھ دانہ جو کے برابر ہے جو کہ متوسط ہوں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ ایک روایت سلیمان بن حفص ہے جس میں دانق کو ۱۲ جو کے برابر کہا گیا ہے لیکن یہ روایت مرسلہ ہے اور قابل عمل نہیں ہے۔

قاموس میں ہے: (مادہ مُلک) **الدانق قیر اطان و القیراط طسوجان و الطسوج جستان، والدانق سدس الدرهم الشرعي۔**

درہم شرعی ۶ دانق ہے بلاخلاف جو کہ ۲/۵-۵۰ دانہ گندم کے برابر ہے۔ درہم شرعی یعنی جو مقدار زکوۃ، جزیہ، دیات۔ نصاب قطع ید سارق اور اعلان لقطہ میں معتبر ہے۔ یہ بالاتفاق ۶ دانق ہے اور ۱۰ درہم (دس درہم) ۷ مثقال ذھب کے برابر ہیں۔ لہٰذا درہم شرعی ۴۸ جو کے برابر ہے۔ اور ۳/۷-۱ درہم ایک مثقال شرعی کے برابر ہوتا ہے۔

۲/۷-۲۸ درہم شرعی ۲۰ مثقال شرعی ہیں جو کہ زکات کا پہلا نصاب ہے۔ درہم شرعی ۱۲ قیراط کے برابر ہے اور قیراط ۳/۷-۳ جو کے برابر ہے۔

درہم بغلی (ذکریٰ، دروس، جامع المقاصد، روض الجنان وغیرہ میں اسے غین کے سکون کے ساتھ لکھا ہے اور مدارک نے کہا متاخرین اسے غین کے فتحہ اور لام پر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں) بغل ایک بستی کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہے۔ یہ ۸ دانق ہے بالاتفاق۔ عبدالمالک بن مروان کے دور میں امام زین العابدین علیہ السلام کی رہنمائی سے درہم بغلی و درہم طبری کو جمع کر کے ان کی نصف مقدار کے برابر درہم شرعی تیار کیا گیا۔

رسالہ عدنان شبر میں درہم بغلی کو ۴۸ جو کے برابر لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے چونکہ دانق ۸ جو کے برابر ہے لہٰذا

Presented by Ziaraat.Com

درہم بغلی ۶۴ (چونسٹھ) دانہ جو کے برابر ہوگا درہم شرعی ۴۸ جو کے برابر ہے اور درہم بغلی ۲/۳-۱۸ قیراط شرعی ہے اور قیراط شرعی ۳/۷-۳ جو کے برابر ہے۔

درہم صیرفی، یہ درہم عثمانی حکومت نے بنایا تھا اور آج کل سوریہ و ترکیہ میں رائج ہے اس کی نسبت مثقال صیرفی کے ساتھ دو سوم کی ہے جیسا کہ علامہ امین نے درّہ نجفیہ میں کہا ہے یعنی درہم صیرفی ۲/۳ ہے مثقال صیرفی کے۔

قیراط یہ ۱/۵ گرام کے برابر ہے اور درہم صیرفی ۱۶ قیراط صیرفی ہے پس درہم صیرفی ۱/۵-۳ گرام ہوگا۔

نیز درہم شرعی ۲۴/۱۰۰-۳ گرام کے برابر ہوتا ہے دس درہم ۳۲ گرام کے برابر ہیں۔ ۱۰۰ درہم ۳۲۰ گرام ہیں اور ۳۰۰ درہم ۹۶۰ گرام ہیں۔

اوقیہ شرعی یہ ۷ مثقال کے برابر ہے۔ اوقیہ شرعیہ ۲۴ درہم شرعی کے برابر ہے یہ آج کل کے لحاظ سے ہے ورنہ روایات میں اوقیہ کو ۴۰ درہم قرار دیا گیا ہے۔

اوزان کی وضاحت

درہم شرعی، یہ بالاتفاق ۶ دانق ہے، دس درہم ۷ مثقال ذھب ہے اور درنتیجہ ایک درہم شرعی ۴۸ جو کے برابر ہے، ۳/۷-۱ درہم ایک مثقال شرعی کے برابر ہے۔ ۴/۷-۲۸ درہم شرعی، ۲۰ مثقال شرعی کے برابر ہے جو کہ زکوٰۃ کا پہلا نصاب ہے۔

دانق جو کے متوسط دانوں کے لحاظ سے ۸ جو کے برابر ہوتا ہے بالاتفاق۔

درہم اور دینار کرنسی کا نام بھی تھا اور ایک وزن کا نام بھی تھا۔ چاندی کے سکے کو درہم اور سونے کے سکے کو دینار کہتے ہیں۔ سونے کا سکہ جو دینار کہلاتا تھا یہ ایک مثقال شرعی کے برابر تھا۔ اور وزن کا نام بھی درہم و دینار تھا اور زکوٰۃ وغیرہ میں یہی مراد ہوتا ہے۔ درہم شرعی ۴۰،۲ گرام چاندی ہے اور دینار شرعی ۴،۳۶ گرام سونا ہے۔

برید شرعی:۔ یہ ۴ فرسخ کے برابر ہوتا ہے جو کہ ۱۲ میل ہے۔ یا اور ۴۸ ہزار ذراع اور یہ نصف مسافت قصر ہے۔

قیراط شرعی ۳/۷-۳ جو کے برابر ہوتا ہے۔ سات قیراط تین دانق کے برابر ہیں جو کہ نصف درہم شرعی ہے پس ایک درہم شرعی ۱۴ قیراط کے برابر ہوگا۔ فرسخ، آٹھ فرسخ سفر کریں تو نماز قصر ہوتی ہے۔ یہ بالاجماع تین میل کے برابر ہوتا ہے۔ چار فرسخ بالاجماع ایک برید ہے، فرسخ ۱۲ ہزار ذراع کے برابر ہوتا ہے اور ذراع ۱/۲-۴۶ سینٹی میٹر کے برابر ہوتا ہے پس میل ۱۸۶۰ میٹر[1] ہوگا جو کہ انگریزی میل سے ۲۵۱ میٹر زائد ہے، انگریزی میل ۱/۲-۱۶۰۹ میٹر ہوتا ہے اور زیادہ

---

[1] مقدار قصر ۲۴ میل ہے جو کہ ۹۶ ہزار ذراع ہے اور ہر ذراع ۱/۲-۴۶ سینٹی میٹر ہے۔ بناء بریں یہ مسافت یعنی ۲۴ میل ۱/۲-۴۴ کلومیٹر اور ۱۴۰ میٹر بنتی ہے۔ انگلش میں Kilo ہزار کو کہتے ہیں اور ایک کلومیٹر ایک ہزار میٹر ہے جو کہ ۳۲۸۰ فٹ ہے اور گز کے لحاظ سے ۱۱۰۰ گز کے برابر ہے اور میل (MILE) ۱۷۶۰ گز ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

وقت کے مطابق میل ۱۶.۹ میٹر اور ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اور گز کے لحاظ سے میل ۱۷۶۰ گز کے برابر ہوتا ہے۔[1]

مُد شرعی :۔ یہ صاع شرعی کا چوتھائی ہے یعنی ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔ ایک صاع ۹ رطل عراقی کے برابر ہوتا ہے۔ رطل عراقی ۱۳۰ درہم شرعی ہے اسی پر اجماع ہے (رطل مکی دوگنا ہوتا ہے رطل عراقی کے اور رطل مدنی دونوں کے درمیان ہے)۔

مزاح

حضور پاک ﷺ ہلکے پھلکے مزاح کو پسند فرماتے تھے اور ایسا مزاح فرماتے بھی تھے لیکن وہ حقیقت کے مطابق ہوتا ہے، جیسے ایک عورت اپنے شوہر کے بارے پوچھنے آئی تو فرمایا: وہ جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔

صہیب رومی کی آنکھ کو درد تھا تو خرما زیادہ کھا رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: صہیب! تمہاری آنکھ کو درد ہے اور کھجوریں کھا رہے ہو، عرض کیا: حضور ﷺ میں اس طرف سے کھا رہا ہوں جدھر درد نہیں ہے۔

ایک دن حضرت علی علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے ایک لمبے قد والا صحابی آیا اس نے مزاح کے طور پر آپ کے جوتے اٹھا کر بلند جگہ پر رکھ دیئے اور ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ وہ جب تشہد میں بیٹھ چکا تو حضرت علی علیہ السلام نے مسجد کے ستون کو بلند کیا اور اس کے کرتے کا دامن ستون کے نیچے رکھ دیا اور ہاتھ بلند کر کے اپنے جوتے اٹھا لئے، اب وہ شخص لگا منتیں کرنے، مولا مجھے نجات دیں بالآخر حضرتؑ نے اسے آزاد کروایا۔

عمل

کسی جابر یا سلطان پر وارد ہوں تو پہلے ۷۰ مرتبہ استغفار پڑھیں اور جب اس پر نظر پڑے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہیں اور پھر پڑھیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ تو وہ مہربان ہوگا۔

فارسی

ابن مُقلہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے فارسی سیکھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں ایک کلمہ مجھے فارسی کا آتا ہے اور وہ ہے: ''شاموخ''۔ وہ خاموش کو شاموخ بول رہا تھا۔

مجسمہ آزادی

امریکہ میں آزادی کا سمبل آزادی کا مجسمہ نہ امریکیوں کا بنایا ہوا ہے اور نہ ہی امریکہ میں نصب کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

۱۸۶۸ء میں فرانس کے معروف مجسمہ ساز فریڈرک بارتولڈی نے اس مجسمہ کی ابتدائی تشکیل دی کہ ایک عورت

---

[1] معجم لغۃ الفقہاء (محمد قلعجی) میں کہا ہے میل یعنی میل شرعی ہاشمی ہزار باع ہے جو کہ ۱۸۴۸ میٹر ہے۔

جس کے ہاتھ میں مشعل ہے اور اسے ۱۸۶۹ میں جس سال نہر سویز کا افتتاح ہوا "خدیو اسماعیل" کو یہ مجسمہ پیش کیا تا کہ وہ اسے نہر سویز کے دہانے پر نصب کروائے تا کہ دنیا میں دریائی آزادی کا سمبل رہے لیکن چونکہ اس مجسمہ کے بنانے اور لگانے میں زیادہ خرچہ آرہا تھا جس کا مصر میں یارا نہیں تھا اس نے معذرت کر لی۔ جب فرانس نے دیکھا کہ مصر نے اس گران قدر ہدیہ کو قبول نہیں کیا تو انہوں نے سوچا امریکہ کی آزادی کی سوویں سالگرہ پر امریکہ کو تحفہ کے طور پر دیا جائے، اسی خاطر ۴ جولائی ۱۸۷۶ء کے دن یہ مجسمہ امریکہ کو ہدیہ کر دیا گیا اور امریکہ نے صرف اس کا کالم بنایا، فرانس نے اپنے لوگوں پر مالیات اور ٹیکس میں اضافہ کر کے اس مجسمہ کا خرچہ پورا کیا جو کہ 2,250,000 فرانک بنتا تھا اور اس کا کالم تیار کرنے کے لئے امریکہ نے بھی یہی انداز اپنایا، اور قرار پایا کہ یہ مجسمہ نیویارک کے جزیرہ آزادی میں نصب کیا جائے، ۱۸۸۵ء اگست میں اس کا پایہ تیار ہوا۔

ابتداء میں مجسمہ سازی کا کام یوجینی لوڈوک فرانسوی نے انجام دیا اس کی وفات کے بعد ایفل نے یہ دھاتی مجسمہ بنایا، یہ مجسمہ ۴۹ ہزار مربع میٹر پر نصب ہے۔ نیوجرسی سے اس کا فاصلہ ۶۰۰ میٹر اور مین ہٹن سے اس کا فاصلہ 2.6 کلومیٹر ہے۔ اس مجسمہ پر اس کا نام لکھا ہے "آزادی اس کائنات کیلئے روشنی بخش ہے"۔

یہ عورت کا مجسمہ ہے جس کے دائیں ہاتھ میں مشعل اور بائیں ہاتھ میں کتاب ہے اس کتاب پر رومی زبان میں 4 جولائی 1876ء لکھا ہے۔ جو کہ امریکہ کا یوم آزادی ہے اس مجسمہ کے سر پر تاج کے سات کنگرے ہیں جو کہ دنیا کے سات اوقیانوس کا نشان ہے، اس مجسمہ کی چوڑائی 47 میٹر اور لمبائی 46 میٹر ہے۔

ابتداء میں اس مجسمہ کے تاج تک چڑھا جا سکتا ہے ۱۹۱۶ء تک ایسا ہی رہا، بعد میں مجسمہ کی حفاظت کی خاطر اوپر چڑھنا روک دیا گیا اور 168 سیڑھیاں چڑھنے کی اجازت دی گئی۔

حدیث

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿اکرم نفسك عن كلّ دنيّة و ان ساقتك الى الرغائب فانك لنّ تعتاض بما تبذل من نفسك عوضًا﴾۔ (نہج البلاغہ) اپنے آپ کو ہر پستی سے بچا کے رکھو اگرچہ اس سے آپ کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے گی لیکن اس کے بدلے جو اپنی روح سے گراں قیمت گوہر تم نے ضائع کر دیا اس کا تدارک نہیں کر سکو گے کبھی بھی۔

یعنی جو نقصان تمہاری روح کا اس پست عمل سے ہوگا وہ کبھی پورا نہیں ہوگا یعنی جو آنکھ حرام کی طرف اٹھتی ہے اس کے حقائق عالم وملکوت کو دیکھنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا: دروازۂ مسجد نبیؐ پر میں کھڑا ہو جاتا ہوں ہر آنے والے سے میرے

Presented by Ziaraat.Com

بارے سوال کرو۔ ابوبصیر پوچھتے رہے۔ ہر ایک نے کہا: آج ہم نے انہیں نہیں دیکھا! جب مولاؑ کا نابینا صحابی ابو ہارون مکفوف آیا تو اس سے بھی یہی سوال کیا تو اس نے کہا: وہ آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ابوبصیر نے سوال کیا: اے ابو ہارون! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ امامؑ یہاں تشریف فرما ہیں؟ تو انہوں نے کہا: کیسے پتہ نہ چلے جہاں امامؑ ہوتے ہیں وہاں نور ہی نور ہوتا ہے۔ یہ بصیرت ہر کسی میں نہیں ہوتی، گناہ سے چھن جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے گناہوں کے آثار بھی انسان پر مترتب ہوتے ہیں۔

خزینہ

براء بن عازب نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا: اے امیر المؤمنینؑ آپ کو خدا و رسول کا واسطہ برترین چیز جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لئے خاص کی ہے مجھے عطا کریں۔ آپ نے فرمایا: جب خدا کو اسم اعظم کے ساتھ پکارنا چاہو تو پہلے سورہ حدید کی ابتدائی چھ آیات تا علیم بذات الصدور پڑھو، پھر سورہ حشر کی آخری چار آیات پڑھو پھر اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھاؤ اور کہو ﴿یا مَنْ هُوَ كَذٰلِكَ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَسْمَاءِ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ و اَنْ تَفْعَلَ بِيْ كَذَا وَ كَذَا﴾۔ (تفسیر در المنثور، ج ۶، ص ۱۷۱)

دعاء برائے والدین

ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: مولا روزی میں بہت تنگی ہے۔ امامؑ نے فرمایا: کیا گرہ دار قلم سے لکھتے ہو؟ عرض کیا: نہیں۔ پوچھا: ٹوٹے ہوئے کنگھے سے کنگھی کرتے ہو؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: اپنے سے بڑی عمر والے شخص کے آگے چلتے ہو؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا نمازِ فجر کے بعد سوتے ہو؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: اس کا مطلب ہے ماں باپ کے لئے دعا نہیں کرے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی مولاؑ۔ فرمایا: ماں باپ کے لئے دعا کرو چونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے: ﴿ترك الدعاء للوالدين يقطع الرزق﴾ (المخازن، ج ۱، ص ۲۸۸) والدین کے لئے دعا نہ کرنا رزق کو کاٹ دیتا ہے۔

حقیقت شکر

شکر کی حقیقت اظہار نعمت ہے یعنی اس نعمت کو اس کے مناسب محل میں استعمال کرنا اور ساتھ خداوند کا نام لینا ہے یہ شکر شمار ہوگا اس نعمت کا۔ اور شکر مطلق یہ ہوگا کہ ہمیشہ یادِ خدا میں رہیں اس کی اطاعت کریں اور معصیت نہ کریں۔ اس صورت میں اخلاص حاصل ہو جائے گا کہ شاکرین مخلصین ہوتے ہیں۔ سورہ آل عمران آیت ۱۲۳ میں ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تقویٰ کے ذریعے شکر ممکن ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

حقیقت عصمت

عصمت کی حقیقت کیا ہے؟ عصمت ایک طرح کا علم ہے جو صاحب علم کو گناہوں کے ارتکاب سے روکتا ہے۔
یہ علم اس طرح واضح، شفاف، قوی اور مستحکم ہے کہ دنیاوی حوادث، خواہشاتِ نفسانی اور مصائب و مشکلات میں بھی مورد غفلت واقع نہیں ہوتا نہ ہی کسی شیٔ سے مغلوب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے دوسرے علوم سے فرق رکھتا ہے اور عام طریقوں کے ذریعے قابل حصول نہیں ہے بلکہ خداوند جسے منتخب فرمالیتا ہے اسے یہ علم عطا کر دیتا ہے۔ خداوند نے رسول خداﷺ کے لئے فرمایا: ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ خداوند نے تم پر کتاب وحکمت نازل کی اور تجھے وہ علم عطا کیا جسے خود آپ تحصیل نہیں کر سکتے تھے۔ اس آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قابل تحصیل نہیں ہے علم لدنی ہے جو خداوند عطا کرتا ہے۔

حکومت کیا ہے اور کیوں ہے؟

حکومت کی سادہ ترین تعریف یہ ہے کہ ایک سسٹم تشکیل دیا جائے جو لوگوں کے اجتماعی رفتار و کردار پر نظر رکھے اور کوشش کرے کہ ان کے اجتماعی کردار و رفتار کو جہت دے، اگر لوگ خود اس نظارت کو قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ حکومت طاقت کے ساتھ ان اہداف و مقاصد عالیہ کے حصول کی کوشش کرے، اگر حکومت مشروعیت رکھتی ہو یعنی جو لوگ برسر اقتدار ہیں وہ لوگوں پر حکومت کا حق رکھتے ہوں چاہے لوگ یہ حق عطا کریں کہ اسے جمہوری سسٹم کہتے ہیں کہ جس کا وجود موجودہ دور میں بہت مشکل ہے حاصل ہو (دھاندلی)، ایک مقتدر گروہ کی دخالت اور اس کی مرضی کا انتخاب، مثلاً ہمارے پاکستان میں ساڑھے تین کروڑ جعلی ووٹ مندرج ہیں جیسا کہ الیکشن کمیشن نے اعلان کیا ہے۔ اس انتخاب کے نتیجے میں جو حکومت برسر اقتدار آئی وہ مشروعیت نہیں رکھتی چونکہ یہ انتخاب لوگوں کا نہیں، امریکہ میں یہودی لابی مقتدر ہے جسے وہ چاہیں وہ صدر منتخب ہو سکتا ہے۔ ایسے حاکموں کو حق حکومت ہی نہیں کہ عوام پر ان کی اطاعت لازم ہو، پس اگر حکومت مشروع ہو یعنی حاکموں کو حق حکومت حاصل ہو تو عوام پر ان کی اطاعت ان اہداف عالیہ کے حصول میں لازم ہے جن کی خاطر حکومت تشکیل دی گئی ہے۔

اور اصل مشروعیت حکومت الٰہی کو حاصل ہے یعنی ایک حکومت کی مشروعیت کا معیار حق الٰہی اور امر الٰہی ہے اور دینی حکومت اسی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور صرف لوگوں کی رضایت کسی حکومت کی مشروعیت کے لئے کافی نہیں ہے اور نہ ہی صرف ان کی ناراضگی کسی حکومت کی نامشروعیت کے لئے کافی ہے لہٰذا حکومت رسول خداﷺ اور ائمہ معصومینؑ خود خداوند کی طرف سے منصوب ہے۔ یہ اصل حکومت ہے جس کو حق حکومت ہے اور زمانہ غیبت میں ولی فقیہ کی حکومت اس طرح سے ہے چونکہ یہ معصوم کی جانب سے نصب عمومی رکھتا ہے۔ خداوند مالک مطلق ہے اس کائنات کا، کوئی بھی کسی

Presented by Ziaraat.Com

چیز میں تصرف نہیں کر سکتا اس کی اجازت کے بغیر، اور لوگوں پر حکومت کا اصل حق خداوند کا ہے اور اس کی ربوبیت کا شعبہ ہے، اور غیر خدا بھی کسی پر حکومت کا حق نہیں رکھتا مگر جب خدا کی طرف سے اسے اذن حکومت ہو، اور رسول خداؐ کی حکومت اس کا بہترین نمونہ ہے۔ شیعہ و سنی دونوں اسے قبول کرتے ہیں، خداوند کی طرف سے منصوب ہونے کی وجہ سے یہ مکمل مشروع حکومت تھی، اس کے بعد سنی کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے کسی کو حکومت کے لئے منصوب نہیں فرمایا، جبکہ شیعہ معتقد ہیں کہ رسول خداؐ نے ائمہ معصومینؑ کو اس منصب کے لئے بحکم خدا معیّن فرما دیا۔ گویا حضرت علیؑ کا حکومت کے لئے رسول خداؐ کی طرف سے منصوب ہونا نصب رسول خداؐ نہیں ہے بلکہ نصب خداوند ہے رسول تو صرف حکم خدا کو لوگوں تک پہنچانے والے تھے ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (مائدہ) اب جب معصوم پردہ غیبت میں چلے گئے تو ان کی طرف سے بھی کسی کو حکومت کے لئے نصب کیا جانا ضروری تھا چونکہ حکومت لوگوں کی ضرورت ہے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ اور بغیر بیان نائب کے چھوڑا بھی نہیں جا سکتا لہٰذا ضروری تھا کہ معصوم اپنے جانشین کے طور پر کسی کو ضرور معیّن فرماتے لہٰذا معصوم نے ولی فقیہ کو اپنا نائب بنایا یہ کسی کا نام لے کر نہیں کہہ سکتے کہ یہ سلسلہ طویل تھا لہٰذا اوصاف کے ذریعے تعیین فرمائی۔

حکومت الٰہی جہانی

قرآن نے اس دنیا کے آخر میں ایک حکومت الٰہی جہانی کی بشارت دی ہے۔ قرآن میں تین آیات اس حوالے سے غور کے قابل ہے:

۱۔ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (سورہ انبیاء، آیت:۱۰۵) ہم نے زبور میں ذکر کے بعد (تورات کے بعد) لکھ دیا ہے کہ ہمارے صالح و شائستہ بندے اس زمین کے وارث (حاکم) ہوں گے۔

۲۔ ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (قصص، آیت:۵) ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ان پر احسان کریں جنہیں زمین میں کمزور کر دیا گیا اور انہیں امام بنائیں اور زمین کا وارث بنائیں۔

۳۔ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (نور، آیت:۵۵) خداوند نے وعدہ کیا ہے ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے کہ انہیں زمین میں حاکم بنائے جیسے ان سے پہلے والوں کو زمین میں خلافت عطا کی۔

Presented by Ziaraat.Com

ابلیس لعین کی گفتگو

روایات میں بعض انبیاءؑ کے ساتھ ابلیس کی گفتگو کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک تیس سال ہوئی تو خداوند نے انہیں بنی اسرائیل پر مبعوث فرمایا۔ ابلیس نے انہیں فریب دینے کے بارے سوچا کہ خداوند نے عیسیٰ بن مریم کو بن باپ کے پیدا کیا ہے، اسے مُردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا ہے اور معجزات بھی دیئے ہیں۔ یہ بہترین طریقہ ہے انہیں فریب دینے کا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کریں۔ اسی نیت سے بیت المقدس گیا اور تل افیق پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور کہا اے عیسیٰ آپ وہی ہیں کہ جو اپنی عظمت ربوبیت کی وجہ سے بغیر باپ کے دنیا میں آئے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں میں عیسیٰ ہوں لیکن عظمت و بزرگی اس کے لئے ہے جس نے مجھے خلق کیا اور مجھ سے پہلے آدم وحوا کو بغیر ماں باپ کے خلق کیا۔ ابلیس نے کہا: آپ وہی ہیں کہ اپنی عظمت ربوبیت کے ذریعے گہوارے میں گفتگو کر چکے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عظمت و بزرگی اس کے لئے ہے جس نے مجھے گہوارے میں بولنے کی قوت عطا کی، اگر وہ چاہتا تو مجھے گونگا بنا دیتا۔ ابلیس نے کہا: آپ وہی ہیں کہ جو اپنی ربوبی قدرت سے مٹی سے پرندہ بنا کر اسے قدرت پرواز دیتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ عزت وعظمت اس کے لئے جس نے مجھے اور دوسرے تمام موجودات کو خلق کیا اور اپنی مصلحت کے ساتھ انہیں میرے لئے تسخیر فرما دیا۔ ابلیس ابھی بھی مایوس نہیں ہوا، کہنے لگا: (سر جھکاتے ہوئے) لیکن یہ تو آپ کی عظیم ربوبیت کا کمال ہے کہ بیماروں کو شفا دیتے ہو؟ فرمایا: نہیں ایسا نہیں وہ خداوند صاحب عظمت حقیقی ہے کہ جس نے مجھے اذن دیا ہے کہ میں بیماروں کو شفا دوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھے بھی بیمار کر سکتا ہے اور میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ابلیس کہنے لگا: لیکن یہ تو آپ کی عظیم ربوبیت کا مظاہرہ ہے کہ جو آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہ، ایسا نہیں ہے۔ عظمت ربوبیت تو اس کے لئے ہے کہ جس نے مجھے یہ قدرت دی کہ اس کے مقدس ناموں کے ساتھ میں مُردے زندہ کروں یا انہیں موت دوں۔ میں خود سے کچھ نہیں رکھتا۔ اور جب وہ میری موت کا ارادہ فرمائے گا تو میں بھی دوسری مخلوقات کی طرح مر جاؤں گا۔ پھر ابلیس نے کہا: یہ تو آپ ہی کی ربوبیت کا کمال ہے کہ پانی پر چلتے ہوئے آپ کے پاؤں تک گیلے نہیں ہوتے۔ روح خدا نے فرمایا: نہ، برعکس یہ تو خداوند کی عظمت ربوبیت جو دریا کو میرے پاؤں کے نیچے زمین کی طرح سخت کر دیتا ہے وہ چاہے تو مجھے غرق بھی کر سکتا ہے۔ ابلیس بھی چھوڑنے والا نہیں، دوسری طرف سے پھر کر سامنے آیا اور کہنے لگا: لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن آئے گا جب آپ سب سے بلند ہوں گے، اور لوگ آپ کے قدموں میں ہوں گے آپ سب کی تدبیر کریں گے اور انہیں رزق دیں گے؟ ابلیس لعین کی اس گستاخی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو اذیت دی۔ آپؑ نے بے اختیار کہا: ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ سَمَاوَاتِهٖ وَ اَرْضِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ رِضٰی

نَفۡسِہٖ ﴾۔ ابلیس نے جب یہ تسبیح سنی تو اب مایوس ہوا۔ دوڑ کر دریا میں چھلانگ لگادی شاید پانی کی ٹھنڈک اس کی تپش کو کم کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وسوسہ ربوبیت میں مبتلا کرنے میں ناکام ہوگیا لیکن اُمت عیسیٰ کے سلسلہ میں ناکام نہ ہوا۔ انہیں تو باور کروالیا کہ عیسیٰ جزء خداوند ہے۔ (امالی شیخ صدوق، مجلس نمبر ۴۸)

مطالبہ شیطان از خداوند عالم

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا راندہ درگاہ ہوا۔ خداوند سے اپنی عبادت کے بدلے کچھ چیزیں مانگ لیں، یہ اہم تھیں:

(۱) سَلِّطۡنِیۡ عَلٰی وُلۡدِ آدَمَ ۔ خدایا مجھے اولادِ آدم پر مسلط فرما کہ باطنی وسوسے ان کے دلوں میں ڈال سکوں۔

(۲) لا یولد لهم الا ولی اثنان ۔ بنی آدم کا ایک بچہ پیدا ہو تو شیطان کے دو پیدا ہوں۔ گویا ہر ایک انسان کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور دو فرشتے بھی ہوتے ہیں، پس انسان اکیلا نہیں ہوتا بلکہ پانچ افراد ہوتے ہیں۔

(۳) اراهم ولا یَرَوۡنی ۔ میں انہیں دیکھوں اور وہ مجھے دیکھ نہ سکیں۔

(۴) اتصوّر لهم فی کلِّ صورة شئت ۔ میں ان کے سامنے جس شکل میں جانا چاہوں جا سکوں (ہر روپ دھار سکوں)۔

(۵) قال یا ربِّ زِدۡنی ۔ خدایا کچھ مزید دے، خطاب ہوا: میں بعض بنی آدم کے دل میں تمہارے لئے گھونسلہ بنا دوں گا۔ جب یہ سب منظور ہوگیا تو کہا: ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ﴾ تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

احترام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدینہ میں ایک یہودی کی انگوٹھی گم ہوگئی جو ایک تنگ دست مسلمان کو ملی۔ مسلمان کو پتہ تھا یہ فلاں یہودی کی ہے لہٰذا لے کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس یہودی نے کہا: تمہیں اس انگوٹھی کی قیمت معلوم ہے؟ کہا: ہاں معلوم ہے۔ اس نے کہا: تم لگتے بھی غریب ہو، کیا ضرورت تھی میرے پاس لانے کی جبکہ میں یہودی ہوں تمہاری نظر میں میرا مال تمہارے لئے مباح ہے۔

مسلمان نے عجیب جواب دیا: کہا یہ سب درست ہے لیکن کل قیامت کے دن ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت

Presented by Ziaraat.Com

موسیٰ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوں گے اور تم انگوٹھی کی شکایت ان سے آ کر کرو گے اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے رسولؐ سے یہ کہیں گے کہ آپ کے صحابی نے یہ کام کیا تو ہمارے رسول کیا جواب دیں گے، میں احترام رسول خداؐ کی وجہ سے آج یہ انگوٹھی واپس کرنے آیا ہوں۔ (الدین فی قصص)

لطف خداوند متعال

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب بندہ نماز کے بعد سجدۂ شکر بجالاتا ہے تو خداوند اس کے اور ملائکہ کے درمیان تمام حجابوں کو اٹھا دیتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے دیکھو اس میرے بندے نے واجب انجام دیا ہے اور اب میری نعمتوں کے شکر کے طور پر سجدہ شکر انجام دے رہا ہے اے میرے ملائکہ بتاؤ اس کو کیا اجر دوں جو اس کے لائق ہو۔ عرض کیا: خدایا تیری رحمت اس کے لائق ہے۔ خداوند پوچھتا ہے: اس کے علاوہ؟ عرض کیا: خدایا تیری بہشت۔ فرمایا: اس کے علاوہ؟ عرض کیا: خدایا اس کی جملہ حاجات پوری کرنا۔ خدا نے فرمایا: مزید اور کیا؟ عرض کیا: جو اس کے لئے بہتر ہے وہ کیا جائے۔ پھر خدا فرمائے گا: اور کیا؟ عرض کرتے ہیں۔ خدایا ہم اس عظیم اجر سے آگاہ نہیں ہیں۔ خدا فرماتا ہے: ﴿**لاشکرنہ کما شکرنی و اقبل علیہ بفضلی و اریہ رحمتی**﴾ جیسے اس نے میرا شکر کیا ہے میں اسی طرح اس کا شکر ادا کروں گا۔ اپنے فضل و کرم کے ساتھ اس کا سامنا کروں گا۔ اور اسے اپنی رحمت دکھاؤں گا۔ (مصابیح الجنان، از سید عباس کاشانی، ص ۴۳۶)

ازلی وابدی یعنی سرمدی

خداوند کو کبھی ازلی، کبھی ابدی اور کبھی سرمدی وجود کہتے ہیں۔

اگر ایک موجود کسی دور میں معدوم ہو تو وہ ممکن الوجود ہوگا اور واجب الوجود صرف خدوند ہے واجب الوجود یعنی جس کے لئے وجود لازم ہو اور کسی علت کا محتاج نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ میں وہ کبھی معدوم نہیں رہا اس لحاظ سے وہ ازلی ہے اور آئندہ بھی کبھی وہ معدوم نہیں ہوگا اس لحاظ سے وہ ابدی ہے ان دونوں کے مجموعے کو سرمدی کہتے ہیں۔ سرمدی وہ موجود ہے جو گزشتہ میں کبھی معدوم نہ ہو اور آئندہ بھی قابل زوال نہ ہو۔

سات آسمان

سماء لغت کے لحاظ سے سَمُو سے نکلا ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں۔

قرآن میں دو مفہوم میں استعمال ہوا ہے: (۱) مادی آسمان، (۲) اور معنوی آسمان۔

(۱) **مادی آسمان**:۔ اس لحاظ سے تین معنوں میں آیا ہے

الف: جہت بالا یعنی اوپر کی طرف جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿**اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی**

السَّمَآءِ﴾ (ابراہیم، آیت:۲۴)

ب: اطراف زمین کی فضا جیسے: ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا﴾ (ق، آیت:۹)

ج: ستاروں کا مقام جیسے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا﴾ (فرقان، آیت:۶۱)

(۲) معنوی آسمان:۔

معنوی لحاظ سے دو معنوں میں استعمال ہوا ہے:

الف: مقام قرب و مقام حضور جو کہ تدبیر امور عالم کا مقام ہے جیسے: ﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ﴾ (سجدہ، آیت:۵) خداوند امر عالم کی تدبیر فرماتا ہے از آسمان تا زمین۔

ب: موجود عالی حقیقی جیسے ﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ (ذاریات، آیت:۲۲)

قرآن میں سات مقامات پر سات آسمان کہا گیا ہے اور ایک مورد میں سات زمین کہا گیا ہے۔ زمین کا ذکر بطور مفرد قرآن میں ۴۶۱ بار آیا ہے، صرف ایک مورد میں سات زمین کا تذکرہ ہے کہ سورہ طلاق آیت ۱۲ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ یعنی جیسے آسمان سات ہیں اس طرح زمین بھی سات ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ سات آسمان اور سات زمین سے مراد کیا ہے؟ سب سے پہلے تو سات میں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے مراد عدد سات ہو اور ہو سکتا ہے مراد کثرت ہو۔

سات آسمان:۔ اس بارے مفسرین نے مختلف احتمالات دیئے ہیں، (۱) مراد سات آسمان ہوں ستارہ و سیارہ سے پُر در مقابل زمین یعنی کرہ خاکی کے۔ (۲) سات مقام قرب و حضور مراد ہوں یہ معنوی آسمان ہوگا اس کے مقابل سات زمینوں سے مراد بھی معنوی ہوگی یعنی سات مقام پست طبیعت۔ (مرکز مطالعات حوزہ علمیہ قم)

شراب کیوں حرام ہے؟

﴿سئل زندیق ابا عبد اللّٰہ لم حرّم اللّٰہ الخمر و لا لذۃ افضل منھا؟ قال حرّمھا لانّھا امّ الخبائث و راس کلّ شرّ یاتی علی شاربھا ساعۃ یسلب لبّہ فلا یعرف ربّہ و لا ترک معصیۃ الّا رکبھا و لا یترک حرمۃ الّا انتھکھا و لا رحما ماسۃ الّا قطعھا و لا فاحشۃ الّا اتاھا و السکران زمامہ بید الشیطان ان امرہ ان یسجد الاوثان سجد و ینقاد حیثما قادہ﴾۔ (بحار، ج۴، ص۶۱۳)

ایک زندیق نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ خدا نے شراب کیوں حرام کی جبکہ اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ یہ ہر برائی کی ماں ہے اور ہر برائی کی ابتداء اس سے ہے۔ شراب خور پر ایسا وقت آتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ جب وہ عقل ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے جس کے بعد نہ وہ خدا کو پہچانتا ہے اور نہ کوئی گناہ چھوڑتا ہے، نہ کسی شئ کا احترام کرتا ہے، نہ رشتہ داری کی پرواہ کرتا ہے نشے مین مدہوش شخص کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اگر وہ اسے بتوں کے سجدے کا حکم دے تو وہ یہ بھی کر گزرے گا، شیطان اسے جدھر لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے۔

کسی ملت کی نابودی

دو اہم سبب ایسے ہیں جن سے قومیں نابود ہو جاتی ہیں:

(۱) آپس میں تفرقہ پڑ جائے اور ایک دوسرے کے قتل پر تل جائیں اور ایک دوسرے کے حقوق ہڑپ کرنے شروع کر دیں۔

(۲) قانون میں مساوات نہ رہے، بعض قانون سے ماوراء ہو جائیں اور قانون سب کے لئے برابر نہ رہے، یہ دو سبب جب کسی ملت میں پیدا ہو جائیں تو وہ جلد یا بہ دیر نابود و تباہ ہو جاتی ہے، اور ہمارے معاشرے میں یہی دو سبب پوری آب و تاب کے ساتھ پیدا ہو چکے ہیں۔ خداوند پاکستان کی حفاظت فرمائے۔

اُف وہ ملک جو نرغے میں ہو نادانوں کے

(علامہ مصطفیٰ جوہر رحمہ اللہ سے معذرت کے ساتھ، یہ شعر ان کا ہے جس میں انہوں نے کہا

اُف وہ عقل جو نرغے میں ہو نادانوں کے

پورا شعر کچھ یوں ہے:

اندازۂ درد درماں سے سوا ہوتا ہے
اُف وہ عقل جو نرغے میں ہو نادانوں کے
پردۂ رونقِ بازار الٹ کر دیکھو
حسرتیں دوڑتی ہیں بھیس میں انسانوں کے

(علامہ مصطفیٰ جوہر والد ہیں جناب علامہ طالب جوہری مدظلہ کے)۔

تغییر قبلہ

حضور ﷺ مکی زندگی میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور مدینہ میں ہجرت کے بعد ۱۶ ماہ تک اسی طرح قبلہ پر رہے، پھر یہود کی طعنہ زنی سے دل میں یہ بات خلش بن گئی تو خدا نے فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ سترہویں ماہ حکم تغییر قبلہ ہوا جب آپ نماز ظہر ادا فرما رہے تھے یہ مسلمانوں کا امتحان بھی تھا دورانِ نماز جب دو رکعت پڑھی جا چکی تھیں تو حضور ﷺ نے رخ کعبہ کی طرف پھیر لیا، کچھ

Presented by Ziaraat.Com

نے پیروی کی اور کچھ کھڑے رہے۔

محبت سادات

حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿من لا یحبّ اولادی فهو ملعون﴾ جو میری اولاد سے محبت نہیں کرتا وہ ملعون ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: ﴿من احتقر اولادی اذهب الله عنه السمع و البصر﴾ جو میری اولاد کی تحقیر کرے خداوند اس کے کان و آنکھ کی قوت ختم کر دیتا ہے۔ (جامع الاخبار)

استاد کا احترام

استاد کا احترام تقاضا کرتا ہے کہ اس کی اولاد اور دوسرے متعلقہ افراد کا بھی احترام کیا جائے۔

شفاء

سورہ حشر کی آخری چار آیات میں ہر درد سے شفا ہیں، درد شقیقہ و سر درد کے لئے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ آیات پڑھیں۔ حضور پاک ﷺ نے بھی کیا ہے (گوہر شب چراغ)

وسوسہ کیلئے

جب کسی کو یہ بیماری لاحق ہو تو ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ زیادہ پڑھے۔ (مفاتیح الجنان)

تنگدستی و وسوسہ

کسی نے رسول خدا ﷺ سے تنگدستی اور وسوسہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: یہ ذکر ہمیشہ پڑھا کرو ﴿تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا﴾۔ (مفاتیح الجنان)

جفری فائدہ

جفری اصطلاح میں ملفوظی حروف وہ تین حرفی ہیں کہ جن کا آخر اول جیسا نہ ہو، یہ ۱۳ حروف ہیں۔ الف: جیم، دال، ذال، سین، شین، صاد، ضاد، عین، غین، قاف، کاف اور لام، اور مکتوبی ان تین حرفی کو کہتے ہیں جن کا آخر اول جیسا ہو۔ یہ تین حروف ہیں "میم، نون، واؤ"۔

مسروری دو حرفی کو کہتے ہیں یہ ۱۲ ہیں "با تا ثا حا خا را زا طا ظا فا ھا یا"۔ پہلے حرف کو زُبُر کہتے ہیں اور باقی کو بیّنات۔ اور ملفوظی میں دو حرف بیّنات ہوتے ہیں۔ مسروری کے بیّنات کوئی خاص اعتبار نہیں رکھتے۔

جفری طریقہ اعراب: سات حرف مفتوح ہوتے ہیں۔ "او ی ل م ن ع" سات حرف مکسور "ہ ز ش

Presented by Ziaraat.Com

ت ذ ص ط" سات حرف مضموم ہوتے ہیں "ز ک س ن ت ح" اور سات حرف مجزوم یعنی ساکن ہوتے ہیں خ د ر ا غ ض ق ب"۔

عدالت

عدل کے دو معنی ہیں: خاص اور عام۔ معنی خاص یعنی دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا ﴿اعطاء کل ذی حق حقه﴾ (ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا) اور عدل کا معنی عام ﴿وضع کل شیءٍ فی موضعه﴾ (ہر شئ کو اس کی جگہ پر رکھنا)۔

عدالت فقہی و عدالت اخلاقی میں فرق ہے۔ فقہی عدالت یعنی وہ نفسانی حالت جو انسان کو کبائر کے ارتکاب اور صغائر کے اصرار سے روکے۔ اور عدالت اخلاقی ملکۃ راسخه نفسانیه ہے یعنی ایسی نفسانی راسخ حالت جو انسان کو تمام صفات کے لحاظ سے حالت اعتدال پر رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ولادت باسعادت ۸۳ ہجری ۱۷ ربیع الاول ہوئی۔ حکومت بنی امیہ ۱۳۲ ہجری میں ختم ہوئی، امام علیہ السلام نے بنی عباس کے دو خلفاء ابوالعباس سفاح اور منصور دوانقی کا دور دیکھا۔

مدینہ سے باہر "عین زیاد" کے نام سے آپ کی زرعی زمینیں تھیں جن کی آمدن ۴ ہزار دینار سالانہ تھی اس میں سے ۳ ہزار دینار آپ انفاق فرماتے تھے۔ آپ نے سلونی کا دعویٰ بھی فرمایا۔ فرماتے ہیں: ﴿سلونی قبل ان تفقدونی فانّه لا یحدّث احدٌ بعدی بمثل حدیثی﴾ (تاریخ اسلام ذھبی، ج ۶، ص ۴۵ اور تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۵۷)

آپؑ نے فرمایا: ﴿والله لانّی اعلم کتاب الله من اوّله ای آخره کانّه فی کفی فیه خبر السماء و خبر الارض و خبر ما کان و خبر ما هو کائن قال الله عزوجل فیه تبیان کل شیء﴾۔ (اصول کافی، ج ۱، ص ۲۲۹) آپ نے فرمایا: میں کتاب اللہ کو اول سے آخر تک ایسے جانتا ہوں جیسے وہ میری ہتھیلی میں ہے۔ قرآن میں آسمانوں کی خبریں، زمین کی خبریں، ماضی و مستقبل کی خبریں ہیں خود خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے۔

فلسفہ و عرفان

دو علم موضوع یا غرض کے لحاظ سے الگ الگ شمار ہوتے ہیں، فلسفہ کا موضوع مطلق وجود ہے وجود واجب ہو یا ممکن اور وہ عوارض وجود سے بحث کرتا ہے جبکہ عرفان کا موضوع حقیقت حق (خدا) ہے اور اس کی تجلیات و تعینات سے

Presented by Ziaraat.Com

بحث کرتا ہے، اور وجود اصیل میں ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے فیلسوف کی نظر میں وجود ایک وسیع حقیقت ہے جس کے مراتب مختلف ہیں جیسے نور کے مراتب مختلف ہیں اور ہر وجود چاہے واجب ہو یا ممکن وجود سے متصف ہے لیکن عارف کی نظر مین حقیقت وجود ایک واحد شخص ہے جو کہ واجب میں منحصر ہے اور ممکنات مجازاً موجود ہیں نہ کہ حقیقتاً۔ مظہر الوجود واجب ہیں نہ کہ مستقل در وجود یہ وحدۃ الوجود کا معنی ہے، نہ کہ وحدۃ الوجود کا مطلب ہے کہ خدا سب چیزوں کے ساتھ ایک ہے اور سب چیزیں خدا ہیں، یہ شرک ہے اور نافہمی ہے۔

انبیاءؑ وائمہؑ میں عصمت کا منشاء

عصمت یعنی گناہ، غلطی، اشتباہ اور سہو ونسیان سے بچنا، انبیاء وائمہ علیہم السلام سب عصمت رکھتے تھے اور معصوم تھے البتہ عصمت کے مراتب مختلف ہیں اعلیٰ ترین مرتبہ عصمت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کو حاصل ہے۔ عصمت کا منشاء ان کا روحی ومعنوی کمال ہے انسان کے روحانی حالات جیسے پلیدی، جہالت، مبدء ومعاد کا انکار یہ سب انسان کے طغیان وگمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ اور علم وایمان اور قوت تقویٰ اسے گناہ سے بچانے کا باعث بنتے ہیں اور اعمال صالحہ کے انجام کا باعث بنتے ہیں۔ انبیاءؑ وائمہؑ کے علم، ایمان اور تقویٰ کے پہلو بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ یہ روحانی عوامل انہیں گناہ وخطاء سے روکتے ہیں۔ جب ایک شخص گناہ کی قباحت سے مکمل آگاہ ہے اس کے خطرناک نتائج اس کی آنکھوں کے اندرونی و بیرونی عوامل اس پر اثر انداز نہ ہوسکیں تو ایسا شخص عمل میں قطعاً گناہ وخطاء کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔

اب یہ سوال کہ معصوم میں یہ روحانی کمالات کہاں سے آتے ہیں اور کیسے حاصل ہوتے ہیں؟

جواب:۔ چند اہم عامل پر توجہ ضروری ہے:

(۱) مسئلہ وراثت ہے :۔ علم الحیات میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان میں کسب فضائل وکمالات کی روحانی آمادگی وراثت کے ذیل حاصل ہوتی ہے۔ خداوند نے سلسلہ ہدایت ونبوت، رسالت اور امامت کو ایک ہی خاندان میں ہمیشہ باقی رکھا اور اسے ذریت انبیاء، نسل انبیاء کہا گیا چونکہ یہ اثر نسلوں میں باقی رہتا ہے۔ ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ﴾ وہ سب ایک دوسرے کی نسل وذریت سے تعلق رکھتے تھے، سورہ انعام آیت ۸۶ تا ۸۸ میں تفصیل سے انبیاء کے نام لئے اور کہا ان کی ہدایت سے تم رہنمائی حاصل کرلو کہ یہ سب ایک دوسرے کے آباء، بھائی اور ذریت ہیں۔

(۲) عامل تربیت :۔ پاک ہستی جب تربیت کرے گی تو اپنے کمالات تربیت کے ذریعے اگلی نسل تک منتقل کرے گی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت کی تربیت خود کی۔ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کی تربیت بھی خود کی۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲ میں حضرت علی علیہ السلام نے اس کی تفصیل خود بیان فرمائی ہے کہ کیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز اپنے اخلاق کے علم میرے لئے بلند فرماتے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے۔

Presented by Ziaraat.Com

(۳) **خداوند کی خاص عنایت ہے** :۔یہی اصل چیز ہے عصمت میں کہ خداوند کا خاص فیض و عنایت ہے انبیاءؑ وائمہؑ کے حق میں اور چونکہ ہادی وہ ہوتا ہے جو ہدایت یافتہ ہو اور خود محتاج ہدایت نہ ہو جیسا کہ سورہ یونس آیت ۲۹ میں آیا ہے اور ہادی کے لئے معصوم ہونا شرط ہے پس عصمت وھبی ہوگی نہ کہ کسبی، یعنی وہ معصوم پیدا ہوتے ہیں نہ کہ اس دنیا میں تقویٰ و پرہیز کے ذریعے عصمت حاصل کرتے ہیں۔

موی مبارک رسول خدا ﷺ

ایک انصاری امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک چاندی کی ڈبیا پیش کی۔عرض کی: مولاؑ آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں اور ایسا ہدیہ نہ کوئی لایا ہوگا اور نہ لائے گا۔ڈبیا کھول کر دیکھا تو اس میں چند بال تھے جن کی تعداد سات تھی۔عرض کی: مولا یہ حضور پاک ﷺ کے موی مبارک ہیں جو اجداد سے ہمیں ورثے میں ملے ہیں۔مولا نے ہاتھ بڑھا کر چار بال اٹھا لئے اور فرمایا: یہ ہمارے جد کے ہیں باقی تین ہمارے جد سے متعلق نہیں ہیں۔

اس انصاری نے تعجب کیا لیکن مطمئن نہ ہوا۔آپؑ نے فرمایا: جاننا چاہتے ہو آگ جلاؤ اور ان کو آزمالو۔اس نے وہ تینوں بال آگ میں رکھے تو وہ جل گئے لیکن دوسرے چار جب آگ پر رکھے تو روشنی پھیل گئی اور بال محفوظ رہے۔

رسول خدا ﷺ

ولادت باسعادت ۱۷ ربیع الاول بروز جمعہ شیعہ کے نزدیک ہے اور ۱۲ ربیع الاول بروز پیر اہل سنت کے نزدیک ہے۔موسم بہار کا تھا اور وقت بین الطلوعین، ابتداء ہی سے تنہا، پھر دور رسالت شروع ہوا تو تنہا تر ہوگئے، صرف ایک بچہ ساتھ ہوتا، جبال مکہ، صحرائے مکہ ان کی تنہائیوں کے شاہد تھے وہ بچہ مسلسل ساتھ رہتا، پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔وہ علی بن ابی طالبؑ تھے۔خود کہتے ہیں: ﴿**کنت اتّبعه اتباع الفصيل اِثر امّه**﴾ میں ہمیشہ حضورؐ کے پیچھے قدم پر قدم رکھتے ہوئے ایسے چلتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے۔

جب حضور ﷺ غار حرا میں رمضان کا پورا مہینہ خلوت میں عبادت فرماتے تھے تو تب بھی علی ساتھ ہوتے۔خود علیؑ فرماتے ہیں: ﴿**ولقد جاورت رسول الله بحراء حين نزل الوحي**﴾ جب حضورؐ پر حراء میں پہلی وحی نازل ہوئی تب بھی میں ساتھ تھا، وہاں کیا ہوا پوری کائنات اپنی تمام عقل کے ساتھ وہاں جمع ہوتی تب بھی نہ سمجھ سکتی کہ وہاں کیا ہوا لیکن علیؑ کی سیج وہی حقیقت رسول خدا سے تھی وہ پورے ماجرا کے شاہد تھے، فرماتے ہیں: ﴿**كنت ارى نور الوحي و الرسالة و اشمّ ريح النبوة و سمعت رنّة الشيطان حين نزل الوحي**﴾ میں نور رسالت کو دیکھ رہا تھا، خوشبوئے نبوت سونگھ رہا تھا اور شیطان کی چیخیں سن رہا تھا۔حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿**يا علی انك تسمع ما اسمع و ترى ما ارى ولكنّك لست بنبيّ**﴾ اے علی جو میں سنتا ہوں تو سنتا ہے اور جو میں دیکھتا ہوں تو دیکھتا ہے لیکن تو نبی

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہے۔

صف انبیاءؑ میں سے آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسی ہستیاں موجود ہیں ان کی عظمت کا کون تصور کر سکتا ہے۔ قرآن نے ان کی عظمت بڑے بھرپور انداز سے ذکر کی ہے، لیکن جب نام گرامی محمد ﷺ آتا ہے تو پھر سب بھول جاتا ہے عظمت نظر آتی ہے تو صرف اسی ہستی کی سب سے عظیم ترین، خلیق ترین، متواضع ترین یہی ہستی ہے **روحی و ارواح العالمین بتراب مقدمه الفداء۔**

امام صادق علیہ السلام کے سامنے حضور پاک ﷺ کا اسم گرامی لیا گیا تو آپ تین دفعہ اتنے جھکے کہ قریب تھا پیشانی زمین پر لگ جائے اور فرمایا: میری جان، میرے ماں باپ اور پوری کائنات اس نامِ مقدس پر قربان ہو۔

حقیقت محمدیہ

یہ کلمہ ابتداء سے معروف نہیں تھا۔ سب سے پہلے ابن فارض مصری نے عرفانِ اسلامی میں یہ عنوان ذکر کیا اور پھر محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیۃ میں اس کی تبیین کی، وہ کہتے ہیں: ﴿**الحمد لله منزل الحكم على قلوب الكلم**﴾ (کلم سے مراد کلمات تامّہ الٰہی ہیں)۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿**نحن كلمات الله التامّات**﴾ (خدا کا کلمہ تامہ ہم ہیں)۔ ﴿**باحدية الطريق الآمم من المقام الاقلم...... و صلّى الله على ممدّ الهمم من خزائن الجود والكرم بالقيل الاقوم محمد (صلى الله عليه وآله) و على آله وسلم**﴾۔

بیان:۔ حِکَم حکمت کی جمع ہے، ابن عربی کے نزدیک حکمۃ سے مراد حقیقت موجودات کا علم ہے ہِمَم ھمّت کی جمع ہے، ابن عربی کے نزدیک مراد وہ ارادہ ہے جو ارادۂ الٰہی جیسا ہو یہ اولیاء خدا میں موجود ہوتا ہے، ایسی ہمت کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان برپا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو شگافتہ کیا، سلیمان نے تمام مخلوقات پر حکومت کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کیا اور شاگرد سلیمان نے تخت بلقیس کو سباء سے چشم زدن میں حضرت سلیمان کے پاس حاضر کیا جبکہ بیچ میں 2500 کلومیٹر کا فاصلہ تھا، وقت کی قید سے آزاد یہ فاصلہ طے ہوا، ارتد ادطرف کنایہ ہے اِعدام وقت سے۔

ابن عربی فصِ سلیمانی میں بیان کرتے ہیں کہ انسان کامل چونکہ مظہر صفاتِ الٰہی ہوتا ہے آصف بن برخیا **مظهر ماحى و مظهر محى** تھے۔ (ماحی یعنی ایک وجود کو محو کرنے والا، مٹا دینے والا، اور محی یعنی وجود دینے والا) تخت بلقیس کا اعدام وایجاد ہوا اُدھر اس کے وجود کو محو کر دیا اور اِدھر اس کے وجود کو موجود کر دیا۔ یہ ہمت ہے، ابن عربی کہتے ہیں: تمام ھِمَم حقیقت محمدیہ کی ہمت سے ہیں کیونکہ وہ ممدّ ھِمَم ہیں اور آپؐ نے اسے خزانہ جود و کرم (حضرت احدیت) سے اخذ کیا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

ابن عربی فص محمد یہ میں کہتے ہیں: عنوان یہ ہے ﴿فَصٌّ فی حکمة فردیة فی کلمة محمدیة﴾ حکمت معارف غیبیہ کو کہتے ہیں اور فردیہ کے معنی یکتا و بے نظیر کے ہیں جیسے خداوند یکتا و بے نظیر ہے اسی طرح حضرت محمد ﷺ بھی یکتا و بے نظیر ہیں۔

خداوند کی تجلی اول حقیقت محمد یہ ہے۔ وہ نبی تکوین بھی ہیں اور نبی تشریع بھی۔ نبی تکوین کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات کا وجود ان کے وجود سے ہے (جیسا کہ زیارت جامعہ میں ہے: ﴿بکم فتح اللّٰہ و بکم یختم وبکم یمسك السماء ان تقع علی الارض﴾ یہ کائنات آپ کی وجہ سے ہے اور آپ پر ختم ہوگی، آسمان آپ کی وجہ سے قائم ہے یہ نبوت وولایۃ تکوینی ہے)۔

شیخ محمود شبستری نے کہا۔

ز احمد تا احد یك میم فرق است   جهان اندر این یك میم غرق است

احمد سے احد تک ایک میم کا فرق ہے۔   اور پوری کائنات اسی ایک میم میں غرق ہے۔

اس شعر کا عرفانی بیان یہ ہے کہ احمد احد کی تجلی ہے اور پوری کائنات احمد کی تجلی ہے۔

قرآن تجلی خداوند ہے تمام اسماء وصفات کے ساتھ اور قلب مطہر رسول خدا ﷺ وہ قلب مبارک ہے جس پر حقیقت قرآن کا نزول ہوا۔

عرفانی فائدہ (مظہریت اسماءِ الٰہی)

اس کائنات کو عالم اس لئے کہتے ہیں چونکہ یہ کائنات اپنے ہر ہر فرد کے ساتھ اسماء الٰہی کی علامت ونشانی ہے۔

تمام اسماء وصفات کا جامع اسم "اللہ" ہے، اللہ اسم ذات ہے جو کہ جامع ہے تمام اسماء وصفات کو، باقی جو بھی اسم تصور کرلیں وہ کسی نہ کسی صفت کے لحاظ سے ہے جیسے علیم باعتبار علم ہے، قدیر باعتبار قدرت ہے۔ وھکذا۔ لیکن اسم جلالت یعنی اللہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس سے ذات مراد ہے تمام صفات کے ساتھ اور اللہ اکبر کے یہی معنی ہیں۔

(مفاتیح الاعجاز، لاہیجی)

تمام اسماء کی طرح اسم اعظم کو بھی مظہر کی ضرورت ہے، جیسے یہ اسم مبارک تمام صفات واسماء پر محیط ہے اسی طرح اس کا مظہر بھی سعۂ وجودی میں تمام مظاہر پر محیط ہوگا اور حقیقتِ مقدس محمدیؐ مظہر جامع ہے اسم مبارک اللہ کا۔ جیسے اسم مبارک اللہ در حقیقت مقدم ہے تمام اسماء وصفات پر اور سب پر تجلی رکھتا ہے اسی طرح اس اسم اعظم کا مظہر حقیقت محمدیؐ بھی دوسرے تمام مظاہر پر مقدم ہے اور بطور کامل آئینہ حق نما ہے اور واسطہ ہے تمام خیرات وبرکات کے ظہور کا۔ تمام عوالم پر وہ عالم جبروت ہو یا ملکوت یا شہادت۔ انبیاء میں کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظہر ہیں تجلیات اسماء وصفات

Presented by Ziaraat.Com

کے جبکہ مقام رسول خداؐ مقام ولایۃ مطلقہ ہے جس کو تمام اشیاء پر احاطہ حاصل ہے، ظہور حق کا اولین جلوہ آپ سے شروع ہوا اور آپ پر ہی ختم ہوگا، ﴿بکم فتح اللّٰہ و بکم یختم﴾

اور حضور ﷺ نے فرمایا: جو کچھ مجھے حاصل ہے سوائے نبوت و رسالت کے باقی سب کچھ علی کو حاصل ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿کنت نبیًا و آدم بین الماء والطین﴾ اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿کنت ولیًا و آدم بین الماء والطین﴾۔

حکماء کے اقوال

حکیم نے کہا: عزلت یعنی گوشہ نشینی علم کی عین کے بغیر زلّت (لغزش) ہے اور زھد کی زاء کے بغیر علت (بیماری) ہے۔

بزرگ مھر نے کہا: بڑے بڑے دشمن تھے جنہوں نے مجھ سے دشمنی کی لیکن اپنے نفس سے بڑا میں نے اپنا کوئی دشمن نہیں دیکھا۔

میں نے درندوں اور بڑے بڑے دلیروں سے مقابلہ کیا کوئی بھی مجھ پر غالب نہ آسکا سوائے میرے اپنے برے دوست کے۔

میں نے ہر طرح کا لذیذ کھانا کھایا، باقی بھی ہر نعمت چکھ دیکھی لیکن تندرستی سے زیادہ لذیذ کوئی نعمت نہیں پائی۔

بڑی بڑی تلخیاں جھیلی لیکن محتاجی سے بڑی کوئی تلخی نہیں دیکھی۔

مجھ پر پتھر پھینکے گئے، تیر مارے گئے لیکن اس بدگوئی سے سخت کوئی بھی نہ تھا جو اپنوں نے کی۔

ایک بزرگ نے فرمایا: جب تمہارا نفس تمہاری پیروی نہ کرے تو جو کچھ نفس چاہتا ہے تم اس کی پیروی مت کرو۔

شعر مولانا روم

جان زھجر عرش اندر فاقہ ای — تن زعشقِ خارِ بُن چون ناقہ ای

جان گشاید سوی بالا بال ھا — تن زدہ اندر زمین چنگال ھا

این دو ھمرہ یك دیگر را راھزن — گمرہ آن جان کاو فرو ماند زتن

حکمت افلاطون

افلاطون نے کہا: عشق وہ قوت ہے جو انسان کی حریص طبیعت کے وسوسوں اور خیالوں سے جنم لیتا ہے، دلیر کو بزدل بنادیتا ہے اور بزدل کو دلیر۔

مامون نے یحییٰ بن اکثم سے پوچھا: عشق کیا ہے؟ اس نے کہا ایسے حالات جو انسان کو دربدر کردیتے ہیں اور

جسم وتن کو تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ثمانہ نامی خاتون وہاں بیٹھی تھی اس نے کہا: اے یحییٰ! تم فقہی مسائل پر ہی صرف بولو تو بہتر ہے۔ میں بتلاتی ہوں عشق کیا ہے۔ عشق وہ ساتھی ہے جو اپنے ساتھی کو روک لیتا ہے ایسا دوست ہے جو غالب ہے اور اس کا حکم چلتا ہے، جسم وجان کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے۔ خاطر قلب پر تصرف کرتا ہے اور عقل کو اپنے پیچھے لگا لیتا ہے، پھر عقل کچھ نہیں کر سکتی۔

شعر مولانا روم

مومنان بیحد ولی ایمان یکی	جسمشان معدود لیکن جان یکی
جان گرگان وسگان ازهم جداست	متحد جان های شیران خداست
همچون آن یك نور خورشید سمات	صد بُود نسبت به صحن خانه ها
لیك یك باشد همه انوارشان	چون كه بر گیری تو دیوار از میان
چون نه ماند خانه ما را قاعده	مومنان باشد نفس واحده

صفت علماء زمان

یحییٰ بن معاذ کہا کرتا تھا: اے علماء آپ کے محل قیصری ہیں، گھر خسروی ہیں سواریاں قارونی ہیں، برتن فرعونی ہیں، عادات نمرودی ہیں، دسترخوان جاہلی ہیں، مذہب بادشاہی (حکومتی) ہیں پس محمدی طریقہ کہاں ہے۔

حکمت

غزالی نے احیاء علوم الدین میں امام صادق علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ایک دن کی دوستی تعلق ہے دو ماہ کی دوستی رشتہ داری ہے اور ایک سال کی دوستی صلہ رحم ہے جو کوئی تکبر کرتے ہوئے اسے ختم کرے خدا اسے اپنے سے ناامید کر دیتا ہے۔

سیانے نے کہا: رشتہ داری کو محبت کی ضرورت ہے لیکن محبت کو رشتہ داری کی ضرورت نہیں ہے۔

حکایت

خسرو (ایرانی ظالم بادشاہ) کے سامنے دسترخوان لگایا گیا تو ایک خادم سے برتن سے تھوڑی سی غذا دسترخوان پر گر گئی۔ خسرو نے غصے کی نظر سے اسے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اس غلطی پر قتل ہو جاؤں گا۔ اس نے پورا برتن دسترخوان پر انڈیل دیا۔ خسرو نے پوچھا: پورا کیوں انڈیلا؟ تو اس نے کہا: میں جانتا تھا آپ مجھے قتل کر دیں گے میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ آپ کو سرزنش کریں کہ چھوٹی سی غلطی پر خادم خاص کو مار دیا لہٰذا میں نے غلطی کو بڑا کر دیا اب لوگ آپ کو سرزنش

Presented by Ziaraat.Com

نہیں کر سکیں گے۔ خسرو بڑا متاثر ہوا اور اسے اپنا نزدیکی ساتھی بنالیا۔

بیضاوی

قاضی عبداللہ ناصرالدین عمر بن محمد بن علی بیضاوی تھے۔ بیضا شیراز کے علاقے میں ایک بستی تھی اور آپ شیراز کے قاضی تھے۔ بیضاوی ۶۸۵ ہجری میں تبریز میں فوت ہوئے اور وہیں آپ کی قبر ہے۔ اور ان کی مشہور ترین کتاب انوار التنزیل کے نام سے تفسیر ہے جو کہ تفسیر بیضاوی کے نام سے معروف ہے۔

حکایت مجنون

مجنون کا نجد میں لیلیٰ کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو وہ وہاں کے پتھر اٹھا اٹھا کر چومتا کبھی اس دیوار کو چومتا کبھی اُس دیوار کو۔ اس پر اس کی سرزنش کی گئی تو اس نے کہا خدا کی قسم مجھے اس سب میں لیلیٰ نظر آ رہی ہے میں تو اسے چوم رہا ہوں پھر اسے دیکھا گیا دوسری جگہ بھی ایسا ہی کر رہا ہے۔ اس سے کہا گیا یہاں تو لیلیٰ کا گھر نہیں ہے وہ نجد کے مشرق میں ہے یہاں کیوں چوم رہے ہو؟ تو اس نے کہا: نجد کی ہر جگہ لیلیٰ کا گھر ہے مجھے تو ہر جگہ وہی نظر آتی ہے۔

مولانا روم نے اسے شعر میں یوں کہا

من ندیدم درمیان کوی او　　در در و دیوار الاّ روی اُو

بوسہ گر بر درهم لیلی بود　　خاک بر سر گر نهم لیلی بود

یحییٰ ابن عربی نے کہا: جب دوست نظر آ جائے تو اسے اسی کی آنکھ سے دیکھو نہ کہ اپنی آنکھ سے تاکہ اس کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آئے۔

حکمت

توبہ گناہ کو نابود کر دیتی ہے اور فقر زیرک وہوشیار شخص کو بھی چپ کرا دیتا ہے انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے عیوب سے آگاہ ہو۔

مرض = جسم کا قید خانہ، غم = روح کا قید خانہ

شعری حکمت

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا　　زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں　　راز کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی　　زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا

(فانی بدایونی)

Presented by Ziaraat.Com

غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پاتے ہیں　　دم وہ مشکل ہے کہ موت آئے تو آسان ہو جائے
ذرہ وہ راز بیاباں کہ جو افشا نہ ہوا　　دشتِ وحشت ہے وہ ذرہ جو بیاباں ہو جائے
موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانی　　زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن　　آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے
ٹوکا جو بزمِ غیر سے آتے ہوئے انہیں　　کہتے بنا نہ کچھ وہ قسم کھا کے رہ گئے

(مولانا حسرت موہانی)

خندۂ اہل جہاں کی مجھے پروا کیا تھی　　تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

(مولانا حسرت موہانی)

نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیت صہبا افسانے　　شراب بے خودیٔ کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی　　مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

(مولانا حسرت موہانی)

نگہ یار جسے آشنائے راز کرے　　وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکر دوعالم سے کر دیا آزاد　　ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے
امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ　　تری نگاہ کو اللہ دلنواز کرے

(مولانا حسرت موہانی)

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب　　موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں ہونا
دفترِ حسن پہ مہرِ یدِ قدرت سمجھو　　پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں ہونا
گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک　　ہے اسے طرۂ دستار غریباں ہونا

(پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی)

علم الٰہی

نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۶۴:

﴿الحمد لله الذی لم یسبق له حالٌ عن حال فیکون اوّلاً قبل ان یکون آخراً و یکون ظاهراً قبل ان

یکون باطنا کلّ مسمّی بالوحدة غیره قلیل و کلّ عزیز غیره ذلیل و کل قویّ غیره ضعیف و کلّ مالك غیره مملوك و کلّ عالم غیره متعلم و کلّ قادر غیره یقدر و یعجز و کلّ سمیع غیره یصَمّ عن لطیف الاصوات و لیصِمّ کبیرها و یذهب ما بعد منها و کل بصیر غیره یعمٰی عن خفیّ الالوان و لطیف الاجسام و کلّ ظاهر غیره غیر باطن و کل باطن غیره غیر ظاهر﴾۔

مصلحت کے تقاضے

صفوان بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ہم امام رضاؑ کے ہمراہ جارہے تھے کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے، اس شخص نے امام کی طرف اشارہ کیا اور قصد اہانت کے ساتھ کہا: یہ رافضیوں کے امام ہیں۔ امامؑ سے عرض کیا گیا کہ مولا آپ نے سنا وہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ہاں وہ مومن ہے راہ تکمیل میں قدم رکھ رہا ہے رات کو امامؑ نے اس کی اصلاح کی دعا کی۔ کچھ دنوں بعد اس کی دکان کو آگ لگ گئی کافی سامان جل گیا جو باقی بچا وہ چور لے گئے، اگلے دن وہ شخص سر جھکا کر امام کے حضور پہنچ گیا۔ مولاؑ نے فرمایا: اس کی مدد کرو۔ اس کے بعد مولا نے صفوان سے فرمایا: یہ مومن تھا جو تکمیل ایمان کی راہ میں آگے بڑھ رہا تھا جو کچھ ہوا اس کی مصلحت یہی تھی۔ (اس کو کتنا فائدہ ہوا معمولی سے دنیاوی مال کے بدلے خداوند نین ولاءِ محمدؐ و آل محمدؐ سے سرافراز فرمادیا)۔

قرآنی نکتہ

خداوند نے قرآن میں ۲۵ انبیاء کرامؑ کے نام ذکر کیے ہیں:

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۲۔ آدم علیہ السلام
۳۔ ادریس علیہ السلام	۴۔ نوح علیہ السلام
۵۔ ھود علیہ السلام	۶۔ صالح علیہ السلام
۷۔ ابراہیم علیہ السلام	۸۔ لوط علیہ السلام
۹۔ اسماعیل علیہ السلام	۱۰۔ اسحاق علیہ السلام
۱۱۔ یعقوب علیہ السلام	۱۲۔ یوسف علیہ السلام
۱۳۔ ایوب علیہ السلام	۱۴۔ شعیب علیہ السلام
۱۵۔ موسیٰ علیہ السلام	۱۶۔ ہارون علیہ السلام
۱۷۔ یونس علیہ السلام	۱۸۔ داؤد علیہ السلام
۱۹۔ سلیمان علیہ السلام	۲۰۔ الیاس علیہ السلام

Presented by Ziaraat.Com

۲۱۔ الیسع علیہ السلام ۲۲۔ زکریا علیہ السلام

۲۳۔ یحییٰ علیہ السلام ۲۴۔ عیسیٰ علیہ السلام

۲۵۔ ذوالکفل علیہ السلام۔

عورتوں میں ۱۲ یا ۱۳ عورتوں کو کنایہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اوران کے نام نہیں لئے جو کہ درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت حواءؑ ﴿وَيَادَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (اعراف:۱۹)

۲۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ﴾ (تحریم:۱۰)

۳۔ آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾ (تحریم:۱۱)

۴۔ سارہ زوجہ حضرت ابراہیمؑ ﴿وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاِسْحَاقَ﴾ (ھود:۷۱)

۵۔ زوجہ حضرت زکریاؑ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ﴾ (انبیاء:۹۰)

۶۔ زوجہ عزیز مصر (زلیخا) ﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ (یوسف:۵۱)

۷۔ زوجہ حضرت ایوب ﴿وَ اٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ﴾ (انبیاء:۸۴)

۸۔ بلقیس ملکہ سباء ﴿اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ﴾ (نمل:۲۳)

۹۔ صفوراء زوجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ﴿اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ﴾ (قصص:۲۷)

۱۰۔ زوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ﴾ (تحریم:۳)

۱۱۔ خدیجہ کبریٰؑ ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾ (ضحیٰ:۸)

۱۲۔ بتول عذرا فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (رحمٰن:۱۹) ﴿وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ﴾ (آل عمران:۶۱)

۱۳۔ ام شریک جس نے خود کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ھبہ کیا۔

﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ (احزاب:۵۰)

خواتین کا نام نہ لینا اور کنایہ کے ساتھ ذکر کرنا ادب حجاب کی خاطر ہے اور سب کے لئے درس ہے۔

لیکن خداوند نے قرآن کے ۱۲ سوروں میں ایک ہستی کا تیس مرتبہ نام لیا ہے اور وہ مریم مقدس سلام اللہ علیہا ہیں۔

سورہ بقرہ، آل عمران، مائدہ، نساء، توبہ، مومنین، احزاب، زخرف، حدید، صف، تحریم اور مریم۔

Presented by Ziaraat.Com

چونکہ بی بی پر تہمت لگائی گئی خداوند نے ان کے نام کو تقدیس دینے کے لئے بار بار ان کا نام ذکر کیا اور فرمایا:
﴿وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً﴾ (مومنون:۵۰)

ام شریک

ام شریک مومنہ خاتون تھی جب حضور پاک ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہ مکہ میں تھیں چند دن کے بعد یہ تن تنہا پیدل مدینہ کی طرف چل پڑیں۔ راستے میں ایک یہودی بھی ہمراہ ہو گیا اور پوچھا: کہاں جا رہی ہو؟ کہا: رسول خدا ﷺ کی زیارت کو جا رہی ہوں۔ یہودی کو یہ بات بہت گراں گزری لیکن خاموش رہا۔ اس نے ماہی شور (نمکین مچھلی) کا ایک حصہ انہیں کھانے کے لئے دیا۔ جب ام شریک نے کھا لیا تو تھوڑی دیر کے بعد انہیں شدید پیاس کا احساس ہوا۔ تو انہوں نے یہودی سے پانی مانگا۔ یہودی نے کہا: محمد کا انکار کرو تو پانی دوں گا۔ ام شریک نے کہا: معاذ اللہ یہ قطعاً نہیں ہو سکتا، یہودی یہ کہہ کر پانی کا ظرف سر کے نیچے رکھ کر سو گیا۔ ام شریک دوسری طرف بیٹھی تھی کہ دیکھا فضا سے ایک ظرف پانی کا بھرا ہوا نازل ہوا۔ آپ نے اس سے پانی پیا اور باقی پاس ہی رکھ دیا۔ یہودی نے بیدار ہو کر پوچھا: پانی چاہتی ہو تو رسول کا انکار کرو۔ ام شریک نے کہا: مجھے نہ تمہاری ضرورت ہے نہ تمہارے پانی کی۔ میرے لئے پانی بھیج دیا گیا ہے۔ یہودی نے جب پانی کا ظرف دیکھا ام شریک نے کہا جو رسول خدا ﷺ کی زیارت کے لئے جائے اس کے لئے اس طرح کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ یہ دین بھی حق ہے اور رسول بھی حق ہے۔ یہودی نے یہ دیکھا تو کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ام شریک چلتی ہوئی مدینہ کے قریب پہنچی تو جبرئیل نازل ہوئے۔ رسول خدا ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ خداوند فرماتا ہے ام شریک آپ کی خدمت میں پہنچنے والی ہے۔ اس کا استقبال کرو۔ آپ اس کے استقبال کے لئے نکلے، جب ام شریک کی نظر جمال رسول خدا ﷺ پر پڑی تو دوڑ کر حضورؐ کے قدموں میں گر گئی اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ اگر پوری دنیا میری ملکیت ہوتی تو سب آپ کے ایک خادم پر نثار کر دیتی لیکن میرے پاس اپنی جان کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔ اسے قبول فرمایئے۔ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا: خدا فرماتا ہے اسے قبول کر لیں یہ آپ سے خاص ہے کہ کوئی عورت بغیر مہر کے اپنے آپ کو ہبہ کرے اور آپ کے لئے حلال ہو جائے۔ قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾۔ (مصابیح القلوب)

حرمت شراب

شراب ہر شریعت میں حرام تھی۔ بحار الانوار میں امام صادقؑ سے روایت ہے کہ ﴿ما بعث الله نبیا الا بتحریم الخمر﴾ کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا مگر یہ کہ حرمت شراب اس کی شریعت کا حکم تھی۔

Presented by Ziaraat.Com

آدابِ نامہ نگاری

خزائن نراقی میں ہے کہ خط لکھنے میں چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ خداوند کے نام سے ابتداء کرے۔

۲۔ کوشش کرے چند سطر کے آخر کو اوپر کی طرف لے جائے یا برابر رکھے۔ یہودی و عیسائی نیچے کی طرف موڑتے ہیں۔

۳۔ دعا کا زیادہ تکرار نہ کرے۔

۴۔ الفاظ کے تکرار سے بچے۔

۵۔ مدح و مذمت کے درمیان مشترک الفاظ استعمال نہ کرے۔

۶۔ بہت زیادہ نقطے نہ لگائے کہ مکتوب الیہ کی جہالت کی علامت شمار ہوتا ہے۔

۷۔ پشت خط پر اپنے نام سے بڑی کوئی چیز نہ لکھے۔

۸۔ جب خط دور بھیجنا ہے تو تاریخ لکھے۔

۹۔ خط لکھ کر اسے بڑے غور سے مکمل پڑھے تاکہ غلطی کا ازالہ ہو سکے۔

۱۰۔ اصلاح کے وقت قلم دانتوں میں یا منہ میں نہ لے۔

۱۱۔ اگر خط میں کسی بڑی شخصیت کا ذکر ہو تو سطر پر نہ لکھے کچھ جگہ خالی چھوڑ کر صفحہ کے اوپر دائیں طرف لکھے۔

۱۲۔ کبھی خط میں گالی نہ لکھے اور کوشش کرے ایسی چیز نہ لکھے کہ بعد میں اس کا انکار کرنا پڑے۔

۱۳۔ جب خط مکمل ہو جائے تو تھوڑی سی مٹی اس پر ڈالے حدیث میں ہے ﴿**اذا کتب احدکم کتابا فلیتربه فانه انجح للحاجة**﴾ جب تم میں سے کوئی خط لکھے تو اس پر کچھ مٹی ڈال دے کیونکہ یہ حاجت روائی میں زیادہ مؤثر ہے۔

۱۴۔ خط زمین پر گرا دے تاکہ قاصد زمین سے اٹھائے، قاصد کے ہاتھ میں نہ دے۔ حضور ﷺ نے نجاشی کا زمین پر گرایا تھا اور خسرو پرویز کا خط قاصد کے ہاتھ میں دیا تھا جسے اس نے پھاڑ دیا۔

۱۵۔ خط کو مربع شکل نہ دیں کہ تربیع نظر عداوت ہے۔

توکل

امالی شیخ طوسی میں عمرو بن سیف امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں: ﴿**قال لا تدع طلب الرزق من حِلّه فانّه عون لك علی دینك و اعقل راحلتك و توکّل**﴾، فرمایا: راہ حلال سے طلب رزق کو مت چھوڑو کہ

Presented by Ziaraat.Com

یہ تمہارے دین پر بہترین مددگار ہے اور اپنی سواری کے پاؤں میں رسی باندھ دو اور توکل کرو۔

معانی اخبار میں مرفوعہ روایت رسول خدا ﷺ سے ہے کہ جبرائیل سے حضور ﷺ نے توکل کے بارے سوال کیا تو انہوں نے کہا: ﴿التوکل علی اللہ عزوجل العلم بانّ المخلوق لا یضرّ ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع واستعمال الیاس من الخلق فاذا کان العبد کذلک لم یعمل لاحد سوی اللہ ولم یطمع فی احد سوی اللہ فھذا ھو التوکل﴾۔ یعنی خدا پر توکل یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ مخلوق اسے نہ فائدہ دے سکتی ہے نہ نقصان، نہ عطا کرسکتی ہے نہ روک سکتی ہے، جب عبد اس طرح ہوگا تو سوائے خدا کے کسی کے لئے عمل نہیں کرے گا اور خدا کے علاوہ کسی سے طمع نہیں رکھے گا یہ توکل ہے۔

نور وجہ خدا

دعائے کمیل میں ہے: ﴿وَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَضَاءَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ﴾ میں تجھ سے تیرے نور وجہ کے ذریعے سوال کرتا ہوں وہ نور جس سے تمام اشیاء کو روشنی ونورانیت حاصل ہے اور موجودات کو ظہور و وجود حاصل ہے۔

یہ نور نہ حسی نور ہے نہ اس نور جیسا ہے نہ شمس وقمر کے نور جیسا ہے نہ ان انوار جیسا کہ جو ہمارے اذہان میں موجود ہے یہ سب تو خود جلوۂ نور الٰہی ہیں۔ بلکہ یہ نور وہی ہے جس کے لئے ارشاد ہے: ﴿فَتَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ نور خدا نے کوہ سینا پر تجلی کی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا، دعاء سمات میں ہے: ﴿وبنور وجھك الذی تجلیت بہ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ یعنی تجھے تیرے اس نور وجہ کا واسطہ ہے جس کے ذریعے تو نے پہاڑ پر تجلی فرمائی کہ اسے ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے، اسی نور وجہ کے صدقے موسیٰ کسوت خلقی کو چھوڑ کر وجہ حق میں فانی ہوگئے اور بقاء بعد الفناء کی منزل پر فائز ہوئے۔

شرائط خلافت

﴿قال ابراھیم بن رباح تستحق الخلافۃ لخمسۃ اشیاء باالقرب عن رسول اللہ والسبق الی الاسلام والزھد فی الدنیا والنکایۃ فی العدو فلم تر ھذہ الخمسۃ الاشیاء الّا فی علیّ بن ابی طالب﴾۔ (معجم ابن مقری، حدیث ۱۳۰۷) ترجمہ: ابراہیم بن رباح نے کہا: خلافت کا مستحق وہ ہے جس میں پانچ چیزیں موجود ہوں، رسول خدا ﷺ کا قریبی ہو، اسلام میں سب پر سابق ہو، دنیا سے زاہد ہو اور دشمن پر غالب آتا ہو، اور پانچوں چیزیں سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے کسی میں دیکھی نہیں جاسکتی۔

البیرونی

محمد بن احمد بیرونی خوارزمی ۳۶۲ ہجری مطابق با ۹۳۷ عیسوی خوارزم میں متولد ہوئے اور یاقوت حموی کے

Presented by Ziaraat.Com

مطابق ۴۴۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

بیرونی علوم نجوم، طب، جغرافیہ، تاریخ، ادب، شعر اور لغت میں مہارت رکھتے تھے۔ صفدی کے بقول فلسفہ و ریاضی میں یگانہ روزگار تھے اور طب و نجوم میں انتھک محنت کے بعد بہت مہارت حاصل کر چکے تھے۔

سخاؤ (Sachau) جرمن مستشرق لکھتے ہیں: بیرونی بزرگ ترین عقلی شخصیت تھی کہ تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

زندگی

ابوریحان بیرونی کی زندگی کے بارے زیادہ تفصیلات مہیا نہیں ہیں۔ بیرون خوارزم کے اطراف کی ایک بستی کا نام ہے جہاں آپ پیدا ہوئے، کچھ وقت آپ کی رہائش خوارزم میں تھی اور وہیں تحصیلات کیں اور ابونصر منصور بن علی بن عراق سے کسب علم کیا اور کسی اہم حادثے کی وجہ سے انہیں خوارزم چھوڑنا پڑا اور اس کے شمال کی طرف گرگنج چلے گئے، کچھ مدت کے بعد آپ وہاں سے جرجان چلے گئے اور جرجان وطبرستان کے حاکم شمس المعالی قابوس کے پاس قیام پذیر ہوئے، الآثار الباقیہ اس دوران میں لکھی اور یہ اہم ترین کتاب حاکم طبرستان کو پیش کی یہ کتاب ۳۹۰ ہجری میں مکمل کی۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال بھی نہیں ہوئی تھی، امیر نے خواہش کی کہ البیرونی ان کے خواص سے بن جائیں اور حکومتی معاملات میں دخل اندازی کریں لیکن بیرونی نے قبول نہ کیا اور قابوس کی نظر میں آپ کا رتبہ بہت بلند تھا جس کی وجہ سے آپ بلاٹوک روک اس کے دربار میں آجا سکتے تھے۔

بیرونی دوبارہ گرگنج واپس آ گئے اور خوارزم کے مامونی بادشاہوں کے نزدیک بہت بلند مرتبہ کسب کر لیا، جب سلطان محمود غزنوی خوارزم پر مسلط ہو گیا تو اس نے علماء کو اپنے دربار سے وابستہ کر لیا۔ بیرونی بھی اس کے ساتھ رہے اور اس کے ساتھ ہندوستان گئے اور بہت لمبی مدت وہاں رہے۔ کہتے ہیں چالیس سال وہاں رہے اس مدت میں وہاں مختلف شہروں میں گئے اور علمی مباحثوں میں شرکت کی، سنسکرت سیکھی اور ہندوستان کے بارے ایسی عظیم معلومات جمع کیں کہ آج ہزار سال گزرنے کے بعد بھی ان کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور آثار ماللھند لکھی۔ اس کے بعد واپس غزنہ آئے اور ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

بیرونی علم و معرفت کی تحصیل میں بہت سخت حریص تھے مسلسل فکر و مطالعہ میں مشغول رہتے صرف دو دن عید نوروز و مہرگان کو چھٹی کرتے۔

قاضی علی بن عیسیٰ بیرونی پر وارد ہوئے جب وہ سخت بیمار تھے، بیرونی نے فقہی سوال کیا۔ قاضی نے کہا: اب اس سوال کا کیا وقت ہے؟ بیرونی نے کہا: اگر میں مر جاؤں اور اس مسئلہ کو جانتا ہوں یہ بہتر ہے یا جاہل ہونا بہتر ہے۔ قاضی

Presented by Ziaraat.Com

نے مسئلہ کہا اور وہاں سے نکلے ابھی گھر نہیں پہنچے تھے کہ بیرونی کے گھر سے ان کی وفات کی آواز گریہ بلند ہوگئی۔

ایک دن سلطان محمود باغ ہزار درخت میں بیٹھا تھا جس کے چار دروازے تھے، اس نے البیرونی سے کہا حساب لگا کر بتلاؤ میں کس دروازے سے نکلوں گا۔ حکیم نے اصطرلاب منگوا کر طالع نکالا، نتیجہ کاغذ پر لکھ کر زمین میں دبا دیا۔ محمود نے مزدور منگوائے اور مشرقی دیوار میں نیا دروازہ نکلوایا اور وہاں سے نکلا، کاغذ کھول کر پڑھا اس میں لکھا تھا تم ان چاروں دروازوں میں سے کسی سے نہیں نکلو گے۔ مشرقی دیوار میں نیا دروازہ بنوا کر وہاں سے نکلو گے۔ سلطان نے یہ درست جواب پسند نہ کیا اور آپ کو اس سے باندھ کر لٹکا دیا۔ بیرونی نے دانتوں سے رسی کاٹی اور زمین پر گرے۔ حاکم نے کہا: تم نے اس کا حساب نہیں لگایا تھا۔ کہا: لگایا تھا غلام سے تقویم منگوائی اس میں اس دن کی تاریخ میں لکھا تھا میں زمین پر گروں گا لیکن چوٹ سے محفوظ رہوں گا۔ محمود نے اسے اور ناپسند کیا اور آپ کو قلعہ میں قید کر دیا چھ ماہ تک آپ وہاں قید رہے۔

پھر خواجہ احمد حسن میمندی کی سفارش پر آزاد ہوئے۔

آپ کی تالیفات

آپ نے بہت کتابیں لکھی۔ ۴۷۰ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ کی کتب ایک کتاب خانہ تشکیل دے سکتی ہیں۔ ۱۲۰ موضوعات پر۔

ان میں سے مفید ترین الآثار الباقیہ ہے۔ اس میں روز، ماہ، سال کے بارے مختلف اقوام کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ تقویموں میں تعدیل وتغییر کے حوالے سے بحث کی، فارسی، عربی، رومی، ہندی اور ترکی مہینوں کے جدول سے بحث کی ہے اور بھی بہت اہم بحثیں ہیں۔

تاریخ الهند:۔ اس میں ہندوستان کی زبان، عادات وثقافت پر گفتگو کی ہے۔

كتاب تحقيق ماللهند من مقولة مقبولة او مرذولة :۔ اس کتاب میں ہندوستان کے فلسفے، ادب، عادات، قوانین اور دوسرے معارف سے بحث کی ہے۔ یہ کتاب ۴۲۳ ہجری میں سلطان محمود کے وفات کے بعد مکمل کی، اس کتاب میں زیادہ گفتگو ریاضیات وفلکیات کے بارے ہے۔

مقاليد الهيئة :۔ اس کتاب میں شکل سایہ کے بارے مفید بحث کی ہے اور کہا ہے کہ شکل ظلی کے استنباط میں جو مقام ابوالعرفاء بوزجانی کو ہے کسی کو نہیں ہے۔

قانون مسعودي :۔ اس کتاب میں فلک کے تمام مسائل ومشکلات سے بحث کی ہے اور اس فن میں یہ مفصل ترین کتاب ہے۔

التفهيم لاوائل التنجيم یہ کتاب مقدمات ہیئت ونجوم کے بارے ہے سوال وجواب کی صورت میں۔

Presented by Ziaraat.Com

اور بھی متعدد کتب ہیں جو بیرونی نے لکھی۔

البیرونی فلسفہ کے بارے بہت دقیق وعمیق نظر رکھتے تھے لیکن انہیں صاحب نظر فلسفی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب میں باقاعدہ طور پر فلسفہ کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔ البیرونی ابن سینا کے ہم عصر تھے اور ان دونوں کے درمیان خط وکتابت رہتی تھی اور بیرونی نے ارسطو پر دس اشکالات کیے۔ اور ابن سینا سے آٹھ سوال کئے اس بابت کہ ابن سینا نے ارسطو کا دفاع کرنا چاہا۔

نماز

نماز معراج مومن ہے، دین کا ستون ہے، قبول اعمال کی شرط ہے، اثنی عشریہ میں رسول خدا ﷺ سے روایت ہے کہ جو بھی نماز کو سبک شمار کرے یا اس کی توہین کرے خداوند اسے ۱۸ قسم کی عقوبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ چھ دنیا میں، تین موت کے وقت، ۳ قبر میں، تین محشر میں اور ۳ صراط پر۔

دنیاوی عقوبتیں :۔ (۱) رزق کی تنگی، (۲) عمر کی کمی، (۳) نور وجہ (چہرے پر نورانیت) کی کمی، (۴) اسلام سے بے بہرہ ہونا، (۵) صالحین کی دعاء میں شرکت سے محرومی، (۶) اور اس کی دعاء کا مستجاب نہ ہونا۔

موت کے وقت کی عقوبتیں :۔ (۱) دنیا سے ذلیل جانا، (۲) پیاسا مرنا اگرچہ دنیا سے پانی پی لے۔ (۳) بھوکا مرنا اگرچہ دنیا کے تمام کھانے اسے مہیا کر دیں۔

قبر کی عقوبتیں :۔ (۱) انتہائی مغموم ہوگا اور قبر تاریک ہوگی۔ (۲) قبر تنگ ہوگی اور اس میں تا قیامت عذاب میں رہے گا۔ (۳) ملائکہ رحمت اسے بشارت نہیں دیں گے۔

محشر کی عقوبتیں :۔ (۱) گدھے کی صورت میں محشور ہوگا۔ (۲) اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ (۳) اس سے حساب میں سختی کی جائے گی۔

صراط کی عقوبتیں :۔ (۱) خداوند اس پر نظر رحمت نہیں کرے گا۔ (۲) اس کا کوئی نافلہ و فریضہ قبول نہیں ہوگا۔ (۳) پل صراط پر ہزار سال تک روکا جائے گا پھر خدا اسے جہنم میں ڈال دے گا۔

لئالی الاخبار میں رسول خدا ﷺ سے مروی ہے کہ جو نماز پنجگانہ کو حفظ کرے خداوند اسے ۱۵ خصلتیں عطا فرماتا ہے ۳ دنیا میں، ۳ موت کے وقت، ۳ قبر میں، ۳ محشر میں اور ۳ پل صراط پر۔

دنیاوی خصائل :۔ (۱) عمر طولانی ہوگی، (۲) مال میں برکت ہوگی، (۳) اولاد زیادہ ہوگی۔

موت کے وقت کی خصلتیں :۔ (۱) خوف و ڈر سے امن میں ہوگا، (۲) موت کے احوال سے نجات ہوگی، (۳) بہشت میں داخل ہوگا۔

Presented by Ziaraat.Com

قبر کی خصلتیں :۔(۱) منکر ونکیر کے سوال آسان ہوں گے۔(۲) قبر وسیع ہوگی، (۳) بہشت کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے۔

محشر کی خصائل :۔(۱) جب قبر سے نکلے گا تو اس کا چہرہ چاند جیسا ہوگا۔(۲) نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔(۳) حساب آسان ہوگا۔

صراط کی خصائل :۔(۱) خداوند اس پر راضی ہوگا۔(۲) اور سلام پہنچائے گا۔(۳) اور نظر رحمت کرے گا۔ دعبل خزاعی کو امام رضاؑ نے اپنا پیراہن مبارک عطا فرمایا اور فرمایا: ﴿**احتفظ هذا القميص قد صليت فيه الف ليلةٍ وفي كل ليلة الف ركعة و ختمت فيه القرآن الف ختمة**﴾ (بحار الانوار، ج ا، صفحہ ۵۳) کہ اس قمیص کو حفاظت سے رکھنا کہ میں نے اس میں ہزار رات نماز پڑھی ہے ہر رات ہزار رکعت اور اس میں نے ہزار قرآن ختم کیا ہے۔

هفت اطوار دِل

مولانا روم کہتے ہیں ؎

هفت شهر عشق را عطار گشت　　ما هنوز اندر خم یك كوچه ایم

کہ عطار نیشاپوری سات شہر عشق کی سیر کر چکے ہیں اور ہم ابھی ایک گلی کے موڑ پر ہی پہنچے ہیں یہ علم عرفان کی سات منزلیں ہیں جو عارف اپنے سیر وسلوک میں طے کرتا ہے۔

دل کے بھی سات مرتبے ہیں:

(۱) **صدر** :۔ یہ معدن گوہر اسلام ہے ﴿**اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ**﴾ جس کے صدر کو خداوند شرح دے اسلام کے لئے وہ اپنے رب سے صاحب نور ہے۔ شیطان کے وسوسے بھی اسی میں پیدا ہوتے ہیں۔

صدر دل کیلئے پوست کی مانند ہے یعنی جیسے شیٔ کا چھلکا ہوتا ہے گویا شیطان کے وسوسے دل کے اندر راہ نہیں پاتے اسکے چھلکے تک ہی محدود رہتے ہیں۔ دل تو خداوند کا حریم خاص ہے۔ ﴿**وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ**﴾ آسمان جو حریم ملائکہ جب شیطان وہاں راہ نہیں پا سکتا تو دل تو حریم خداوند ہے ﴿**قلب المؤمن عرش الرحمٰن**﴾۔

(۲) **قلب** :۔ یہ معدن ایمان ہے ﴿**اولئك الذين كَتَبَ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ**﴾ کہ خداوند نے ان کے دل میں ایمان لکھ دیا ہے۔

(۳) **شغاف** :۔ یہ خلق پر محبت وشفقت کا محل ومعدن ہے، محبت خلق اس سے تجاوز نہیں کرتی۔ ﴿**قَدْ شَغَفَهَا**

حُبًّا﴾ زلیخا کی محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے کتنی شدید تھی لیکن شغاف قلب سے تجاوز نہ کر سکی۔

(۴) **فواد** :۔ یہ معدن مشاہدہ و رؤیت ہے۔ یہ قلب میں ایسے ہی ہے جیسے آنکھ بدن کے لئے ہوتی ہے۔ ﴿مَا کَذَبَ الْفُؤادُ مَا رَاٰی﴾ جس کا مشاہدہ حضور کے فواد نے کیا اس نے حق و حقیقت ہی کا مشاہدہ کیا۔

(۵) **حبّة القلب** :۔ یہ معدن محبت حق و الوہیت ہے۔ یہ خاصان کا دل ہے اور اس میں مخلوق کی محبت داخل نہیں ہو سکتی۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کی ایک تفسیر اسی محبت کی طلب سے کی گئی ہے۔ اسی آیت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مروی ہے: ﴿**ای ارشدنا للزوم الطريق المؤدّی الی محبتك و المبلّغ الی جنتك و المانع من ان نتبع اهوائنا ان نعطب او ناخذ بآرائنا فنهلك**﴾ خداوند ہمیں اس راہ کی رہنمائی فرما جو تیری محبت تک پہنچائے، اور تیری جنت تک لے جائے اور ہمیں اپنی خواہشات و آراء کی پیروی سے روک دے مبادا ہم ہلاک و گمراہ ہو جائیں۔

جب سلطان محبت دل میں نزول اجلال فرمائے تو پھر دوسروں کی محبت کی وہاں کہاں گنجائش رہتی ہے کیونکہ تو آگ ہے جو اپنے غیر کو جلا دیتی ہے۔ اور اس آیت کی تاویل بھی یہی ہے جس میں فرمایا گیا ہے ﴿**انّ الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها و جعلوا اعزّة اهلها اذلة**﴾ کہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ حب اللہ سلطان ہے باقی محبتیں اس بستی کے باسیوں کی طرح ہیں، نہ صرف دنیاوی محبتیں بلکہ اخروی محبتیں بھی اٹھ جاتی ہیں اور رضوان اللہ اکبر ہی سب پر غالب آ جاتا ہے اس حالت کو حکماء جنون کہتے ہیں۔

(۶) **سویداء** :۔ یہ معدن ہے غیبی مکاشفوں اور علوم لدنیہ کے لئے یہ منبع حکمت اور گنجینۂ اسرار الٰہی ہے۔

(۷) **مُهجة القلب** :۔ یہ محل تجلیات ہے انوار فیوضات، اشراقات عنایات اور عطوفات حضرت حق کے لئے اور یہی وہ قلب سلیم ہے کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطاء فرمایا گیا۔

حدیث

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ﴿**خير من شاورت ذوو النُهٰی و العلم و اولو التجارب و الحزم**﴾ (غرر الحکم، صفحہ ۴۹۹۰) مشورہ کرنے کے لئے بہترین لوگ صاحبانِ عقل و علم اور صاحبانِ تجربہ و دور اندیشی ہیں۔

مجنون نے کہا۔

امرّ الديار ديار ليلٰی	**اقبّل ذا الجدار و ذا الجدار**
ما حبّ الديار شغفن قلبی	**و لكن حبّ من سكن الديار**

Presented by Ziaraat.Com

میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اُس دیوار کو یہ گھروں کی محبت میرے دل کو نہیں پکڑے ہوئے بلکہ یہ اس کی محبت ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا۔

شعر

این مُطرب از کجاست که بر گفت نام دوست | تا مال و جان بذل کنم در پیام دوست

دل زنده می شود به امیدِ وصلِ یار | جان رقص می کند ز سماعِ کلام دوست

عبدِ حقیقی

کشکول شیخ بہائی میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ﴿فی صفة العبد الحقیقی ان یکون طاعة الله حلاوته و حبّ الله لذته و مع الله حکایته و علی الله اعتماده و حسن الخُلق عادته والسخاوة حرفته والقناعة ماله والعبادة کسبه والتقوی زاده والقرآن حدیثه و ذکر الله جلیسه والفقر لباسه والجوع طعامه والظماء شرابه والحیاء قمیصه والدنیا سجنه والشیطان عدوّه والحق حارسه والموت راحته والقناعة نزهته والفردوس ملکه﴾

ارشاد القلوب میں حضرت امیر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: میں نے شب معراج خداوند سے سوال کیا: ﴿یا ربّ ما اوّل العبادة؟ قال اول العبادة الصمت والصوم، قلت وما میراث الصوم؟ قال یورث الحکمة والحکمة تورث المعرفة والمعرفة تورث الیقین فاذا تیقن العبد لا یبالی کیف اصبح بعسرٍ او یسرٍ﴾ میں نے عرض کیا: خدایا! اولین عبادت کیا ہے؟ فرمایا: خاموشی اور روزہ ہے۔ میں نے پوچھا: روزے کی میراث کیا ہے؟ فرمایا: روزہ حکمت عطا کرتا ہے اور حکمت معرفت عطا کرتی ہے اور معرفت یقین عطا کرتی ہے اور عبد جب یقین کو پالے تو اسے پروا نہیں رہتی کہ اس نے کیسے صبح کی تنگی میں یا تونگری میں۔

شعر

ز پیر عقل جوانی سال کرد و چه گفت | که ای ز نورِ تو روشن چراغ انسانی

بغیر حبّ علی طاعتی تواند بود | که خلق را برهاند ز قید نیرانی

جواب داد که لا والله این سخن غلط است | دو بیت بشنو زمن اگر سخنرانی

به حق قادری چون خدای سبحان | بحق جمله کروبیانِ روحانی

که دشمنان علی را نماز نیستِ درست | ارچه سینه اشتر کند پیشانی

خلاصہ یہ ہے کہ کسی جوان نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ کیا حب علیؑ کے بغیر اطاعت خدا جہنم سے چھٹکارا دلا

Presented by Ziaraat.Com

سکتی ہے تو اس نے جواب دیا: خداوند کی قسم! جملہ کروبیان کی قسم! دشمن علیؑ کی کثرت نماز سے پیشانی اگر سینہ شتر کی طرح ہو جائے تو بھی خداوند کے نزدیک یہ نماز نماز ہی نہیں ہے۔

ذوالقرنین کون تھے؟

یہودیوں کے کہنے پر مشرکین نے حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے سوال کیا اور خداوند نے سورہ کہف کی ۱۵ آیات ۸۵ تا ۹۸ کے ذریعے اجمالاً اس کی داستان بیان کی ہے اور اس کے تین سفروں کا ان آیات میں ذکر کیا ہے۔

بعض نے کہا: یہ چین کا حکمران "تسن شی هوانگ لی" ہے جس نے دیوار چین بنائی اور یہی دیوار ہی وہ "سدّ" ہے جس کا ذکر اس واقعے میں خداوند نے کیا ہے۔

یہ بات مانی نہیں جا سکتی۔ یہ شخص مشرک وظالم تھا جبکہ ذوالقرنین کو قرآن کریم موحّد اور نیک عبد خدا کے طور پر ذکر کر رہا ہے اور دیوار چین مٹی گارے کی بنی ہے جبکہ سدّ ذوالقرنین لوہے کے ٹکڑوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے بنائی گئی۔

بعض نے کہا: یہ اذواء یمن میں سے تھے یعنی یمن کے وہ بادشاہ جن کے نام ذو سے شروع ہوتے تھے جیسے ذی یزن۔ انہوں نے کہا: یہ یمنی بادشاہ شمر یرعش تھے، اس نے فتوحات کیں اور چین تک پہنچا اور اس نے شہر "سمرقند" کی بنیاد رکھی لیکن اس نے کوئی سدِ تعمیر نہیں کی تھی جبکہ قرآن نے ذوالقرنین کا کارنامہ سدّ کی تعمیر ذکر کیا ہے جو یاجوج ماجوج کے مقابلے کے لئے بنائی گئی۔ اور یمن کی سدّ مارب قطعاً یہ سدّ نہیں ہے اور نہ ہی تبابعہ یمن کے لئے اتنی وسیع مملکت ثابت ہے۔

بعض نے کہا: ذوالقرنین وہی سکندر رومی ہے، یہ قول مفسرین میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔ فخر رازی نے اسکندر کی فتوحات کے لحاظ سے کہا: یقیناً یہ وہی ذوالقرنین ہے، جبکہ قرآن ذوالقرنین کو موحّد و مؤمن بیان کرتا ہے اور اسکندر مقدونی ارسطو کا شاگرد و پیروکار تھا۔ سکندر ظالم بت پرست اور جلاد صفت شخص تھا کیسے ذوالقرنین ہو سکتا ہے۔ رسول خدا ﷺ سے روایت ہے: ﴿انّ ذاالقرنین کان عبداً صالحاً جعله الله حجة علی عباده فدعا قومه الی الله وامرهم بتقوی الله﴾۔ (علل الشرائع، ج۱، ص۴۰) کہ ذوالقرنین خداوند کا صالح بندہ تھا جسے خدا نے لوگوں پر حجت قرار دیا اور اس نے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی اور تقویٰ الٰہی کا امر دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: ﴿انّ ذا القرنین کان عبداً احبّ الله فاحبّه الله و نصح لله فنصح الله﴾ (علل الشرائع، ج۱، ص۳۹۳) امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ذوالقرنین نبی نہیں تھے بلکہ خدا کے عبد صالح تھے۔

بعض نے کہا: ذوالقرنین کوروش ھخامنشی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک مقالے میں یہ نظریہ ثابت کیا ہے، اس نظریے کی تائید کی جا سکتی ہے کہ یہ سوال یہودیوں کی شہ پر اہل مکہ نے کیا جب وہ مدینہ گئے حضور کے بارے

Presented by Ziaraat.Com

تحقیق کے لئے اور یہودی کوروش کبیر کے لئے بڑی تقدیس کے قائل تھے کیونکہ انہوں نے یہودیوں کو بابلیوں کی قید سے نجات دلا کر دوبارہ بیت المقدس میں آباد کیا تھا اور یہودی تعلیمات میں کوروش کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ اور کوروش مومن وموحد تھا بطور مسلّم، علامہ طباطبائی نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی ہے اور تفسیر کوثر، جلد ۶ میں شیخ یعقوب جعفری نے بھی یہی نظریہ قبول کیا ہے۔

سدِّ ذوالقرنین قفقاز کے پہاڑوں میں ہے کہ جہاں کیسپین سی اور بلیک سی کے درمیان پہاڑ موجود ہیں اور آہنی دیوار کے بقایا آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں وہاں تنگہ داریال معروف ہے اور کوروش کا وہاں آہنی دیوار بنانا مولانا ابوالکلام آزاد نے ثابت کیا ہے۔ اور یاجوج ماجوج ظاہراً منگولی تھے جو دریائے خزر (بحیرہ کیسپین) کے شمال میں رہتے تھے اور قفقاز کی طرف سے آذربائیجان وایران پر حملہ آور ہوتے تھے انہی کے روکنے کے لئے ذوالقرنین نے یہ سدّ تعمیر کی تھی۔

یاجوج ماجوج کی خصوصیات کے حوالے سے بعض روایات وارد ہیں کہ یہ بنی آدم نہیں تھے ان میں انسانی خصائل کے بجائے حیوانی خصائل زیادہ تھے۔ قد کے چھوٹے تھے، شکلیں سب کی ایک جیسی تھیں ننگے رہتے تھے، کان ان کے بڑے تھے، ظاہراً یہ منگولوں کے رہن سہن، ان کی شکلوں کی ترجمانی ہے اور احتمال کی حد تک انہیں قبول کیا جاسکتا ہے کہ ایسی روایات کوئی زیادہ قابل بھروسہ نہیں ہوتیں، ضعف سندی بھی رکھتی ہیں۔

سدرۃ المنتھیٰ

سورہ نجم میں اس کا ذکر آیا ہے ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ اس کی حقیقت کیا ہے، کیا وہاں کوئی بیری کا درخت ہے؟ ان سوالات کے یقینی جوابات تو روشن نہیں ہیں۔ البتہ یہ بہت بعید ہے کہ اس مقام پر کوئی درخت ہو۔ امام محمد باقرؑ سے سوال ہوا: ﴿لم سميت سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، قال انّما سميت سدرة المنتهٰى لانّ اعمال اهل الارض تصعد بها الملائكة الحفظة الى محلّ السدرة قال والحفظة الكرام دون السدرة يكتبون ما يرفعه اليهم الملائكة من اعمال العباد في الارض فينتهي بها الى محلّ السدرة﴾ (علل الشرائع) سوال ہوا کہ اسے سدرۃ المنتھیٰ کیوں کہا گیا؟ فرمایا: چونکہ بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے وہ اعمال یہاں تک لاتے ہیں اس سے آگے یہ اعمال نہیں جاتے۔ اور دعائیں بھی بندوں کی اسی جگہ پر آتی ہیں یہ چونکہ آخری نقطہ ہے عالم امکان کا اس لئے یہ تعبیر کی گئی جیسا کہ مرحوم ڈاکٹر علی شریعتی نے لکھا ہے کہ عرب کے اس علاقہ میں چرواہے بکریاں چرانے کے لئے پہاڑ پر لے جاتے تھے اور پہاڑ کی مختلف بلندیوں پر بیری کے درخت ہوتے وہ اپنی بلندی بتلانے کے لئے اسی لفظ کا سہارا لیتے کہ میں پہلی بیری تک گیا ہوں یا دوسری بیری تک اور جو

Presented by Ziaraat.Com

سب سے بلند بیری ہوتی اس کے لئے کہتے عند سدرۃ المنتھٰی یعنی میں آخری بلندی تک گیا ہوں، یہی بات درست ہے اور روایت میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ آخری نقطہ بلندی کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اب وہاں کیا ہے جسے آخری بلندی کہا گیا ہے اور قرآن فرماتا ہے: اسی سدرہ کے پاس جنۃ الماوٰی ہے اس حقیقت سے پردہ نہیں اٹھایا گیا اور نہ اس بارے کچھ کہا جاسکتا ہے جبرئیل آگے نہ جاسکے۔ اور کہا ﴿دونك مقام لم یطئه قبلك ملك مقرب ولا نبیّ مرسل﴾ یارسول اللہ اس سے آگے جو مقام ہے آپ سے پہلے اس پر نہ کوئی ملک مقرب جاسکا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

اسی مقام سدرۃ المنتھٰی کو فرشتوں کے عروج کا آخری نقطہ، ارواح شہداء کے عروج کا محل اور انبیاء و رسل کے علوم کا منتھٰی قرار دیا گیا ہے، نہ ملائکہ اس سے آگے جاسکتے ہیں اور نہ جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ، شب معراج جبرئیل یہیں پر رک گئے تھے، یہاں یقیناً کوئی سائبان طرح کی چیز ہوگی کہ روایت میں وارد ہے: حضور ﷺ نے فرمایا میں نے اس کے ہر پتے پر ملک (فرشتہ) دیکھا خداوند کی تسبیح کرتا ہوا اور امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس درخت کا ایک پتہ اتنا بڑا ہے کہ ایک پوری امت کو سایہ فراہم کرسکتا ہے لیکن واضح ہے کہ یہ ہمارے درختوں کی طرح کا درخت مراد نہیں ہے۔

امید بہ خدا

قرآن فرماتا ہے: ﴿وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ (سورہ نساء ۴:۱۰۴) آپ مؤمن جو خداوند سے امید رکھتے ہو غیر مؤمن اس سے محروم ہیں۔ ترقی و تکامل کے لئے امید و رجاء بہت ضروری ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جہاں تمہیں امید نہیں ہے وہیں زیادہ امید رکھو۔ (نہج الفصاحۃ)

خود فراموشی

خود فراموشی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان کی فطرت توحیدی بالکل ختم ہو جائے، یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ فطرت الٰہی ناقابل تغییر ہے۔ خود فراموشی کا مطلب یہ ہے کہ یہ فطرت توحیدی کمزور ہو جائے اور چھپ جائے۔ کافر کی فطرت تبدیل نہیں ہوتی بلکہ فطرت پس پردہ چلی جاتی ہے قیامت کے دن یہ پردے ہٹ جاتے ہیں اور وہ اس فطرت توحیدی کا مشاہدہ کرے گا لیکن وہاں ایمان لانے کا مقام نہیں ہوگا کیونکہ قیامت ظرف شہود ہے نہ کہ ظرف عمل۔ اور اس فطرت توحیدی میں تنہا توحید داخل نہیں ہے بلکہ رسالت رسول خدا ﷺ اور ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام بھی اسی کا حصہ ہیں۔ قیامت اور دنیا میں فرق یہ ہے کہ وہاں حق کو مشاہدہ کریں گے لیکن قبول نہیں کرسکیں گے، اور دنیا میں اگر تحقیق و تفکر سے حق کو پا لیتے ہیں تو اسے قبول کرسکتے ہیں، قیامت میں صرف دنیاوی عمل کا نتیجہ وصول کرنا ہے۔ ایمان لانا، نیک اعمال کرنا یہ باب وہاں بند ہوگا۔ لہٰذا کافروں کا یہ جملہ قرآن نقل کرتا ہے ﴿فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا﴾ (سجدہ: ۱۲) ہمیں واپس دنیا میں

Presented by Ziaraat.Com

بھیج دے اب ہم نیک عمل انجام دیں گے۔

خدا فراموشی

کچھ چیزیں انسان کو خدا فراموش بنا دیتی ہیں: (۱) شیطان :۔ خداوند سورہ مجادلہ میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ شیطان ان پر مسلط ہو گیا اور اس نے انہیں خدا بھلا دیا۔ یادِ خدا انسان کی سعادت اور انسانی حیات کے لئے اصل سرمایہ ہے۔ شیطان انسان سے یہ لے لیتا ہے کتنا بڑا گھاٹا ہے۔

(۲) دنیا سے تعلق اور دنیا کا شکار ہونا انسان کو خدا فراموش بنا دیتا ہے کیونکہ تمام عوالم سے پست ترین عالم دنیا ہے اگر انسان اس کا شکار ہو جائے تو اپنے آپ کو پستی میں گرا دے گا اور مقام بلند انسانی کو ہاتھ سے دے بیٹھے گا۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں: ﴿من هوان الدنيا على الله انه لا يعصى الاّ فيها﴾ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۸۵) دنیا کی یہ پستی ہی تو ہے کہ کسی اور عالم میں نہ نشاۂ دنیا سے پہلے اور نہ اس کے بعد کہیں بھی خداوند کی معصیت نہیں ہوتی سوائے دنیا کے۔

اور مولاؑ نے فرمایا: ﴿لا ينال ما عنده الاّ بتركها﴾ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۸۵) جو کچھ خداوند کے پاس ہے اسے نہیں پایا جا سکتا مگر ترکِ دنیا کے ساتھ۔

دنیا کیا ہے؟

دنیا سے مراد یہ موجودات نہیں ہیں جیسے آسمان، زمین، صحرا، حیوانات چاند ستارے یہ تو آیاتِ الٰہی ہیں۔ بلکہ دنیا سے مراد وہ اعتباری عنوان ہیں جنہیں انسان اپنے لئے مایۂ عزت و افتخار اور تکبر و نخوت بنا لیتا ہے جیسے یہ فخر کرنا کہ میرے پاس مال بہت زیادہ ہے میں فلاں مقام و مرتبہ رکھتا ہوں۔ یہ سب چیزیں اگر انسان کو اپنے آپ سے مشغول کر لیں اور یادِ خدا سے غافل کر دیں تو یہ سب مذموم ہیں اور اگر انہیں خدا تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنا لے تو یہ پرہیز از دنیا ہے اور بہترین مددگار برائے سعادت ہیں۔

(۳) تیسرا عامل خدا فراموشی کا گناہ ہے:۔ گناہ پردہ و حجاب ظلمانی ہے جس کی وجہ سے انسان خداوند کو بھلا دیتا ہے، کسی نے امام رضاؑ سے سوال کیا: کیوں خداوند محجوب ہے؟ آپ نے فرمایا: خداوند محجوب نہیں ہے، آپ گناہوں کی وجہ سے اس کے مشاہدے سے محروم ہو ﴿انّ الاحتجاب عن الخلق لكثرة ذنوبهم﴾ (توحید صدوق، صفحہ ۲۵۲)

دین کیا ہے؟

تین چیزوں کا مجموعہ دین ہے۔ عقائد، اخلاق اور احکام، یہ معارف علمی و عملی ہیں ہست و نیست کے اعتقادات اور باید و نباید یہ دین ہے، ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ان سب کا مجموعہ اسلام کہلاتا ہے جس کے معنی تسلیم محض در

Presented by Ziaraat.Com

مقابل خداوند کے ہیں۔

رزق میں فرق کی وجہ

سورہ نحل آیت ۷۱ میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ کہ خداوند نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض پر رزق میں فضیلت و برتری دی ہے۔

انسان کے اندر جو استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے وہ سب میں یکساں نہیں ہے اس میں فرق کی وجہ ماں باپ کی تربیت و کوشش ہے کہ اس بچے کی پیدائش میں انہوں نے قوانین فطرت اور احکام اسلام کا کس حد تک خیال رکھا، اس سے انسان کی صلاحیتوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے، خداوند نے ہر انسان کی سرشت میں ہر طرح کی صلاحیت قرار دی ہے کسی کو محروم نہیں رکھا، اب وہ اسباب وعوامل انسانوں کے اختیار میں ہیں جو ان صلاحیتوں کو پرورش دے کر بارور کر سکتے ہیں، تشکیل نطفہ سے شروع ہو کر مراحل تربیت تک ماں باپ کی ذمہ داری ہے جو بچے میں اچھی یا بری صلاحیتوں کے بیج بو سکتے ہیں اور پھر انسان کی اپنی ذمہ داری شروع ہوتی ہے کہ ان صلاحیتوں کو اجاگر کرے تنہ ور کرے، یہ وہ صلاحیتیں ہیں جن کے بارے میں یہ آیت کہہ رہی ہے کہ خداوند نے فرمایا کہ خداوند نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے یہ بے سبب اور بلاوجہ اعطاء نہیں ہوتا نہ خداوند کی ایسی سنت ہے، اس نے کائنات کو اصولوں کے تابع فرمایا ہے ان کے مطابق چلو دنیا میں کامیابی ہوگی ورنہ نہیں۔

اتفاق کیا ہے؟

یہ جو کہہ دیتے ہیں اتفاقاً ایسا ہو گیا کیا یہ قانون علت سے مستثنیٰ ہوتا ہے؟

جواب:۔ اگر اتفاق سے مراد یہ ہو کہ ایک کام بغیر کسی علت کے (علت طبیعی وغیر طبیعی) انجام پا جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا، ایسا کوئی اتفاق کائنات میں موجود نہیں ہے۔

اسلامی فلسفہ میں بخت واتفاق کی ایک بحث ہے جس کے خاص معنی مراد ہیں۔

ایک اتفاق کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ایک کام ایسے عوامل کے نتیجے میں انجام پا جائے کہ ان اسباب وعوامل کی توقع نہ تھی، مادی اسی طرح اتفاق کے قائل ہیں کہ مادہ میں انفجار ہوا اور پھر خود بخود فعل وانفعال کے نتیجے میں اس منظم کائنات کی صورت اختیار کر گیا کہ یہ بات عقل سے میل ہی نہیں کھاتی، بے شعور مادہ کیسے ایک منظم کائنات کی شکل اختیار کر سکتا جب تک ایک عالم صانع اسے خاص نظم عطا نہ کرے۔

ایک اور اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام یا واقعہ ایک ایسے سبب یا عامل سے حاصل ہو جو کلیت نہ رکھتا ہو مثلاً آپ کہتے ہیں میں بازار میں جا رہا تھا اتفاقاً وہاں فلان دوست سے ملاقات ہوگئی، یا کنواں پانی کے لئے کھود رہے تھے

Presented by Ziaraat.Com

اتفاقاً وہاں سے خزانہ نکل آیا، یہاں اتفاق کا یہ مطلب نہیں کہ یہ واقعہ بغیر علت وسبب کے ہوا ہے بلکہ اس اتفاق کا مطلب یہ ہے کہ ایسے واقعہ کا ہونا کسی کلیے اور ضابطے کے تحت نہیں آتا یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہر بار کنواں کھودیں اور خزانہ مل جائے۔ یا ہر بار بازار جائیں تو وہاں کسی دوست سے ملاقات ہو جائے، ورنہ خزانے کا ملنا یا دوست کا ملنا خالی از علت و اسباب نہیں ہے۔ اس نقطہ پر خزانہ کا پایا جانا اسباب وعلل رکھتا ہے اور آپ کا اس خزانے تک پہنچنا بھی علل واسباب سے خالی نہیں ہے۔ ہاں بسا اوقات ظاہراً اسباب انسان کے دسترس سے دور ہوتے ہیں خداوند سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کو وہ اسباب فراہم کر دے جو آپ کو خزانے تک پہنچا سکتے ہیں خداوند آپ کے لئے وہ اسباب متحرک کر دیتا ہے جو آپ کو خزانے تک پہنچا سکتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہم اپنی زندگی میں جسے اتفاقات اور نصیب وخوش نصیبی قرار دیتے ہیں یہ سب قانون علت سے خارج نہیں ہیں سب اسباب وعوامل کے تابع ہیں اور آپ کے لئے خوش نصیبی کہلانے والے کام بھی آپ کو بغیر علت و سبب کے نہیں حاصل ہوتے، پس قسمت و بدقسمتی کا اس کائنات میں کوئی تصور نہیں ہے جہاں محرومی ہوتی ہے وہاں انسان کی اسباب فراہم کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے۔

حقیقی رہبر

لوگوں اور رہبر کے درمیان رابطے کا نام ولایت ہے ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ ......﴾ ولایت کے معنی پیروی ہمراہ با محبت کے ہیں، رہبر الٰہی تکلف نہ رکھتا ہو۔ ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (سورہ ص:۸٦) خود کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتا۔ ﴿اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (کہف:۱۱۰) نہ اپنا حق دوسروں سے زیادہ قرار دیتا ہے اور نہ خطرات میں دوسروں کو تنہا چھوڑتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگوں میں ہم سے زیادہ دشمن کے نزدیک ہوتے تھے۔ رہبر الٰہی خداوند کی طرف سے مامور ہے کہ لوگوں پر درود ورحمت بھیجے۔ ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (توبہ:۱۰۳)

احترام والدین کے تقاضے

حضرت یوسف علیہ السلام صدیق نبی خدا شاہ مصر تھے، ان کے والد نبی خدا حضرت یعقوب ان سے ملاقات کے لئے مصر تشریف لائے، حضرت یوسف والد کے استقبال کے لئے خدم وحشم کے ہمراہ باہر آئے اور اپنے والد کے احترام میں انہیں سواری سے اترنا چاہئے تھا لیکن وہ نہ اترے (اس وجہ سے کہ وہ اترتے تو باقی امراء مملکت کو اترنا پڑتا) اسی وقت حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہا: اپنا دایاں ہاتھ مجھے دیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت یوسف کا دایاں ہاتھ پکڑا تو انگلیوں سے ایک نور نکلا اور آسمان پر چلا گیا۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا: یہ کیسا نور تھا؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ نور نبوت ہے جو والد کا احترام

Presented by Ziaraat.Com

نہ کرنے کی وجہ سے آپ کی نسل سے نکال دیا ہے اب آپ کی نسل سے کوئی نبی نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف کی وفات کے بعد کوئی نبی نہ آیا مگر ۴۰۰ سال بعد جناب لاوی کی اولاد سے حضرت موسیٰ نبی بنے۔

(علل الشرائع، ج۱، ص۵۵)

موسیٰ علیہ السلام

قبطی لغت میں ''مو'' پانی کو کہتے ہیں اور ''سی'' درخت کو چونکہ انہیں لکڑی کے بنے تابوت میں فرعون نے پانی سے لیا تھا لہٰذا آپ کا نام موسیٰ پڑا۔ (علل الشرائع، ج۱، ص۵۵)

انعام خداوندی

حضرت شعیب علیہ السلام حبّ خدا میں اتنا روئے کہ آپ کی بینائی چلی گئی۔ خداوند نے بینائی لوٹا دی۔ پھر دوبارہ روئے کہ بینائی چلی گئی۔ خدا نے پھر لوٹا دی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہوا۔ چوتھی مرتبہ جب بینائی چلی گئی تو خدا نے فرمایا: اے شعیب کیوں اتنا روتے ہو۔ اگر جہنم کے خوف سے روتے ہو تو میں نے تم پر حرام کی۔ جنت کے شوق میں روتے ہو تو میں نے جنت تمہارے لئے واجب کی۔ عرض کیا: ﴿الٰهی و سیّدی انت تعلم انی ما بکیت خوفا من نارك ولا شوقًا الی جنتك و لکن عقد حبّك علی قلبی فلست اصبر او اراك فاوحی الیه امّا اذا کان هذا هکذا ساخدمك کلیمی موسٰی بن عمران﴾ خداوندا تو جانتا ہے یہ جنت کا شوق یا جہنم کا خوف نہیں ہے بلکہ تیری محبت دل میں گھر کر چکی ہے جو چین نہیں لینے دیتی۔ خداوند نے فرمایا: اے شعیب! جب ایسا ہے تو میں اپنے مقرب بندے موسیٰ بن عمران کو تیری خدمت کے لئے بھیجوں گا۔ (علل الشرائع، ج۱، ص۵۷)

حضرت خضر علیہ السلام

آپ کا نام بالیا بن ملکان بن عابر بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے، آپ کو خضر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ جہاں بیٹھتے ہیں وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے حتیٰ اگر خشک لکڑی پر بیٹھ جائیں وہ بھی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ (علل الشرائع، ج۱، ص۵۷)

حکمت

﴿من کبرت همّته کثرت قیمته﴾ جس کی ہمت بڑی ہو اس کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے حسن بصری سے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے لکھا: ﴿انّ الذی یصحبك لا ینصحك والّذی ینصحك لا یصحبك﴾ جو تمہارا دوست بن کر رہتا ہے وہ تمہیں نصیحت نہیں کرے گا اور جو تمہیں نصیحت کرے گا وہ تمہارا ساتھی نہیں ہو سکتا۔

Presented by Ziaraat.Com

معاویہ نے احنف بن قیس سے سوال کیا: ﴿کیف الزمان؟﴾ زمانہ کیسے ہوتا ہے؟ اس نے کہا: ﴿انت الزمان ان صلحت صلح الزمان و ان فسدت فسد الزمان﴾ زمانہ تمہارے اوپر موقوف ہے تم اچھے ہو گے تو زمان اچھا ہوگا تم فاسد ہو گئے تو زمانہ فاسد ہو جائے گا۔

آفات

آفة الملوك سوء السيرة	آفة الوزراء خبث السريرة
و آفة الجند مخالفة القادة	و آفة الرعية مخالفة الساسة
و آفة الرؤساء ضعف السياسة	و آفة العلماء حبّ الرّياسة
و آفة القضاة شدّة الطمع	و آفة العدول قلّة الورع
و آفة القوى استضعاف الخصم	و آفة الجرى اضاعة الحزم
و آفة المُنعِم قبح المنّ	و آفة المذنب حسن الظن
بادشاہ کی آفت بری سیرت ہے	وزراء کی آفت بدباطنی ہے
لشکر کی آفت اپنی قیادت کی مخالفت ہے	رعیت کی آفت اپنے سردار کی مخالفت ہے
رؤساء کی آفت سیاست کی کمزوری ہے	علماء کی آفت حب جاہ و ریاست ہے
قاضیوں (ججوں) کی آفت سخت طمع ہے	عدول افراد کی آفت وَرَع کی کمی ہے
طاقتور شخص کی آفت دشمن کو کمزور سمجھنا ہے	جرأت مند کی آفت دور اندیشی کا ضائع کرنا ہے
احسان کرنے والے کی آفت احسان جتلانا ہے	گناہ گار کی آفت خوش گمانی ہے

(عجائب الآثار، الجبرتی، ج۱)

غِسلین

جہنم میں کافروں کے بدن سے بہنے والی پیپ کو غسلین کہتے ہیں۔

آدابِ شبِ زفاف

(۱) ولیمہ دینا جو کہ دن میں ہو، (۲) زفاف اور حَجلہ میں جانا رات کو ہو، (۳) شب زفاف مَرد دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگے: ﴿اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ اِلْفَهَا وَ وُدَّهَا وَ رِضَاهَابِیْ وَ اَرْضِنِی بِهَا وَ اجْمَعْ بَيْنَنَا بِاَحْسَنِ اِجْتِمَاعٍ وَ اَنْفَسِ ائْتِلَافٍ بِاَنَّكَ تُحِبُّ الْحَلَالَ وَ تَكْرَهُ الْحَرَامَ﴾، (۴) دلہن بھی وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، (۵) اس کے بعد مرد اپنا ہاتھ عورت کے سر پر رکھے اور کہے: ﴿اَللّٰهُمَّ بِاَمَانَتِكَ اَخَذْتُهَا وَ بِكَلِمَاتِكَ

اِستَحلَلتُ فَرجَهَا فَاِن قَضَیتَ لِی فِی رَحِمِهَا شَیئًا فَاجعَلهُ مُسلِمًا سَوِیًّا وَلَا تَجعَلهُ شِرکَ شَیطَان ﴾،

(۶) بہتر ہے کہ شب زفاف قمر درعقرب کی راتوں میں نہ ہو۔ (۷) بہتر ہے شب زفاف پیر، منگل، جمعرات اور جمعہ کی راتوں میں ہو، (۸) مستحب ہے جب دلہن کمرہ میں داخل ہو تو اس کے جوتے اتروا کر اس کے پاؤں دھلائیں پانی کسی برتن میں جمع ہو اس پانی کو دروازہ سے لے کر پورے گھر میں چھڑک دے اس سے خداوند ۷۰ ہزار قسم کے فقر کو گھر سے نکال دیتا ہے۔

کرّوبیان

خداوند نے فرشتوں کے مختلف گروہ خلق کئے ہیں ان میں سے کروبی نام کے فرشتے بہت ہی بلند مرتبہ کے ہیں۔

ایک حدیث میں مرفوع ہے: امام صادقؑ سے کہ کروبیون پہلی مخلوق میں سے ہمارے شیعہ کی ایک جماعت ہے جنہیں خداوند نے خلف العرش قرار دیا ہے اگر ان میں سے ایک کا نور اہل زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب خداوند سے سوال کیا رؤیت کا تو خداوند نے انہی کروبیون میں سے ایک کو کہا کہ وہ پہاڑ پر تجلی کرے، جس کی تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ (بحار الانوار، ج ۵۶، ص ۱۸۴)

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: خداوند کی کوئی مخلوق ملائکہ سے زیادہ نہیں ہے، ہر روز ۷۰ ہزار فرشتے صبح اور ۷۰ ہزار فرشتے شام کو بیت المعمور کا طواف کرنے کے بعد بیت اللہ پر نازل ہوتے ہیں وہاں طواف کرتے ہیں، پھر حضور پاکؐ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں پھر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ سلام عرض کرتے ہیں پھر امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں رات ساری سحر تک وہاں رہتے ہیں پھر انہیں آسمان کی طرف عروج کا حکم ہوتا ہے، یہ دوبارہ لوٹ کر کبھی نہیں آئے، ہر روز اس طرح ہوتا ہے۔

(بحار، ج ۵۶، ص ۱۸۴)

ازدواج نورانی

﴿عن جابر بن سمرہ قال قال رسول اللّٰہؐ... جاء نی جبرئیل فی اربعۃ و عشرین من شھر رمضان فقال یا محمد العلیّ الاعلیٰ یقرؤك السلام وقد جمع الروحانیین و الکرّوبیّین فی واد یقال الافیح تحت شجرۃ طوبیٰ و زوّج فاطمۃ و علیًّا وامرنی فکنت الخاطب واللّٰہ تعالیٰ الولیّ وامر شجرۃ طوبیٰ فحملت الحلیّ والحلل والدُرّ والیاقوت و امر الحور العین فاجتمعن فلقطن فھنّ یتھادینہ الی یوم القیامۃ و یقلن ھذا نثار فاطمۃ﴾

زمین پر یہ ازدواج مبارک انجام دینے سے پہلے خداوند نے آسمان پر اسے انجام دیا، وادیٔ افیح میں شجرہ طوبیٰ

Presented by Ziaraat.Com

کے نیچے تمام ملائکہ اور کروبیوں کو جمع کر کے جبرئیل سے فرمایا: تم فاطمہ کی خواستگاری کرو اور خود خداوند ولی فاطمہ بنا۔ پھر صیغہ نکاح پڑھا۔ بی بی کی طرف سے خود خدا نے پڑھا اور علیؑ کی طرف سے قبول جبرئیل نے کیا۔

شجرہ طوبیٰ کو حکم ہوا وہ زیورات وحلوں سے آراستہ ہوا، درّ و یاقوت نثار کرنے کا حکم ہوا، حورالعین اور ملائکہ نے انہیں چنا، یہ قیامت تک اس نثار کو ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے ہیں اور فخر کرتے ہیں کہ ہم نے نثار فاطمہ اٹھایا تھا۔

(بحار الانوار، ج ۴۳، صفحہ ۱۳۹)

غذاءِ ملائکہ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ملائکہ کی غذا نسیم عرش ہے۔ فرمایا: ﴿لا یاکلون ولا یشربون ولا ینکحُون وانما یعیشون بنسیم العرش وانّ للّٰہ ملائکۃ رُکّعًا الی یوم القیامۃ وان للّٰہ ملائکۃ سُجّداً الی یوم القیامۃ﴾ حیاتِ ملائکہ نسیم عرش سے ہے ورنہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں۔

(بحار، ج ۵۶، ص ۱۷۴)

آدابِ مشورہ

مقنعہ و فتح الابواب نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب آپ میں سے کوئی کام کرنا چاہے کسی سے مشورہ نہ کرے مگر یہ کہ سب سے پہلے خداوند سے مشاورہ کرے، پوچھا گیا: مشاورہ باخدا کیا ہے؟ تو فرمایا: خداوند سے اس بارے استخارہ کرے، اس استخارہ کا مطلب طلب خیر کرنا ہے یعنی سب سے پہلے خداوند کی طرف مراجعہ کرے اور اس کام کے بارے اس سے طلب خیر کرے، اس کے بعد کسی سے مشورہ کرے، خداوند اگر بھلائی چاہتا ہے تو اس مشورہ دینے والے کی زبان پر اسے جاری فرمادے گا۔

دوسری روایت میں اس استخارہ کا طریقہ بھی بیان ہوا ہے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں: امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اذا اراد احدکم ان یشتری او یبیع او یدخل فی امر فلیبتدی باللّٰہ و یسئلہ قال قلت فما یقول، قال یقول اللّٰھم اُرِیْدُ کذا و کذا فَاِنْ کَانَ لی خَیراً فِی دِینِی وَ دُنْیَایَ وَ آخِرَتِی و عَاجِلَ اَمرِی و آجِلَہ فَیَسّرلِی و اِنْ کَانَ شَرًّا فِی دِینِی و دُنْیَایَ فَاصْرِفْہُ عَنِّی رَبِّ اعْزِمْ لِی علی رُشدی و ان کَرِھَتْہُ و اَبَتْہُ نفسی،

ثم یستشیر عشرۃ من المؤمنین فان لم یقدر علی عشرۃ ولم یُصِبْ الّا خمسۃ فیستشیر خمسۃ مرتین فان لم یصیب الّا رجلین فیستشیر ھما خمس مرات فان لم یصیب الّا رجلا و احدا فلیستشیرہ عشر مرات﴾

Presented by Ziaraat.Com

دعا مانگ کر دس افراد سے مشورہ کرے، اگر دس نہ ملیں پانچ ملیں تو ان سے دو بار مشورہ کرے، اگر دو ملیں تو ان سے پانچ بار مشورہ کرے اور اگر ایک ملے تو اس سے دس بار مشورہ کرے۔

وہ جس سے مشورہ کیا جائے

کتاب المحاسن نے حلبی سے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ان المشورة لا تكون الا بحدودها الاربعة فمن عرفها بحدودها والاّ كانت مضرّتها على المستشير اكثر من منفعتها، فاوّلها ان يكون الذى تشاوره عاقلاً والثانية ان يكون حرًّا متديّنًا و الثالث ان يكون صديقا متواخيا والرابعة ان تطلعه على سرّك فيكون علمه به كعلمك ثم يسر ذلك و يكتمه فانه اذا كان عاقلا انتفعت بمشورته واذا كان حرًّا متدينا اجهد نفسه الى النصيحة لك واذا كان صديقًا مواخيا كتم سرّك اذا اطلعته عليه واذا اطلعته على سرّك فكان علمه كعلمك تمّت المشورة و كملت النصيحة﴾ (بحار، جلد ۸۸، ص ۲۵۳)

جس سے مشورہ لیں اس میں چار خصوصیات ہوں یہی چار مشورہ کے حدود ہیں: (۱) وہ عقلمند ہو، (۲) حُر و دیندار ہو، (۳) اخوت و بھائی چارے کا خیال رکھنے والا ہو، (۴) اسے آپ راز پر مطلع کریں تو اسے راز رکھے اور چھپائے اس کا تمہارے راز کو جاننا ایسا ہی ہو جیسے تم خود جانتے ہو، عقلمند ہوگا تو مشورہ ٹھیک دے گا، حُر و دیندار ہوگا تو تمہاری بھلائی کی پوری کوشش کرے گا، صدیق و بھائی چارے والا ہوگا تو تمہارا راز راز رکھے گا جب آپ اسے راز بیان کریں گے یوں وہ مشورہ ٹھیک دے گا۔

(صاحب درّۃ الغواص نے کہا: مشورہ میم کی زبر اور شین کے سکون کے ساتھ غلط الاعم ہے۔ صحیح مشورہ ہے شین کی پیش اور واو کے سکون کے ساتھ، لیکن فیروز آبادی نے کہا: ﴿المشورہ مفعلة﴾ کے وزن ہے نہ کہ مفعولۃ کے وزن پر، جوہری نے کہا: ﴿المشورة الشورىٰ و كذا المشورة بضم الشين﴾ ان کے نزدیک دونوں ٹھیک ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ﴿مشاورة العاقل الناصح يُمْنٌ و رُشدٌ و توفيق من الله عزوجل﴾ عقلمند خیر خواہ کا مشورہ برکت، رشد اور خداوند کی توفیق ہے۔

کنوز البرّ (نیکی کے خزانے)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اربعة من كنوز البِرّ كتمان الحاجة و كتمان الصدقة و كتمان الوجع و كتمان المصيبة﴾ فرمایا: چار چیزیں نیکی کے خزانے ہیں: (۱) حاجت کو چھپانا، (۲) صدقہ کو چھپانا، (۳)

Presented by Ziaraat.Com

درد کو چھپانا، (۴) مصیبت کو چھپانا۔

تواضع کی تعریف

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿التواضع الرضا بالمجلس دون شرفه و ان تُسلِّم علی من لقیته و ان تترك المِراء و ان کنت محِقًا ﴾ تواضع یہ ہے کہ اپنی شان سے کم جگہ پر بیٹھ جائے۔ جسے ملے اسے سلام کرے اور اپنے دعویٰ پر اصرار نہ کرے اگرچہ حق پر ہو۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند

زید شحام امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: ﴿قال سمعت ابا عبداللّٰه یقول طلب ابوذر رسول اللّٰه فقیل انّه فی حائط کذا و کذا فتوجّه فی طلبه فوجده نائما فاعظمه ان یُنبّهه فاراد ان یستبرء نومهٗ من یقظته فاخذ عسیبًا یابسًا فکسّره لیُسمعه صوته فقال رسول اللّٰه یا اباذر أتخدعنی، اما علمت انی اریٰ اعمالکم فی منامی کما اراکم فی یقظتی ان عینیّ تنام و لا ینام قلبی ﴾۔ (مجمع الرجال، ج ۲، ص ۵۷، رجال کشی)

ابوذر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب میں نکلے تو کہا گیا وہ فلاں باغ میں ہیں۔ وہاں گئے دیکھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے ہیں۔ ابوذر کو جگانا اچھا نہ لگا، سوچا دیکھوں حضورؐ سوئے ہیں یا جاگ رہے ہیں، ایک خشک شاخ لے کر توڑی تا کہ آواز سنائی دے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! مجھے آزما رہے ہو۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں نیند میں بھی تمہارے اعمال ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے بیداری میں دیکھتا ہوں۔ میری آنکھیں سوتی ہیں روح نہیں سوتی۔

عریف ونقیب اور منکب

عریف:۔ کسی قوم کے سرپرست اور مدیر کو عریف کہا جاتا تھا اور جو اس قوم کے امور کی معرفت رکھتا ہو اور ان کی تدبیر کر سکے، لسان العرب نے کہا: ﴿والنقیب دون الرئیس ﴾ کہ عریف وہی نقیب ہے یہ رئیس سے کمتر عہدہ ہے۔ اقرب الموارد میں ہے: ﴿العریف من یعرف اصحابه... القیّم بامر القوم الذی عرّف بذلك و شهر ﴾ یعنی عریف وہ ہے جو قوم کے تمام امور کو مکمل طور پر سمجھتا ہو۔

علامہ حلی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سال ششم ہجرت خیبر کے موقع پر عریف معیّن فرمائے اور ظاہر یہ ہے کہ حضرتؐ نے تمام قبائل کے لئے عریف معیّن فرمائے۔

علامہ تذکرہ میں فرماتے ہیں: ﴿و ینبغی للامام ان یتخذ الدیوان الذی فیه اسماء القبائل قبیلةً قبیلةً و یکتب عطایاهم و یجعل لکلّ قبیلة عریفًا و یجعل لهم علامةً بینهم و یعقد لهم الویةً لانّ

النبیؐ عرّف عام خیبر علیٰ کلّ عشرة عریفًا﴾

کہ امام کو چاہئے کہ ایک رجسٹر میں قبائل کے نام لکھے اور عطایا لکھے اور ہر قبیلہ کے لئے عریف قرار دیے۔ حضور پاک ﷺ نے عام خیبر میں ہر دس افراد پر عریف قرار دیا۔

روایات میں عریف کی مذمت وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قضاوت کی طرح بڑا حساس اور اہم عہدہ ہے خطرہ اس میں بہت ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عریف جہنمی ہے، غزوہ حنین میں بنی ہوازن کے قیدیوں کو چھڑوانے کے لئے جب لوگ آئے تو حضور ﷺ نے مسلمانوں سے ایک ایک سے پوچھا: اکثر نے اجازت دے دی، کچھ نے نہ دی تو حضور ﷺ نے فرمایا: پتہ نہیں کون دل سے اجازت دے رہا ہے کون اوپر سے؟ جاؤ اپنے عریفوں کو بھیجو وہ پوچھ کر بتائیں، عریف کا عہدہ بڑا اہم تھا اور حاکم کیلئے مثل آنکھ، کان اور بازو کے ہوتے تھے یہ عریف قبائل کی مکمل رپورٹ دیتے تھے اور حکومت کی طرف سے عطایا بھی عریف کے واسطے سے ملتے تھے۔ اگر کسی عریف کے ماتحت افراد میں سے کوئی ایک فرد حکومت کے خلاف اقدام کرتا تو اس کے تمام افراد کی عطا روک لی جاتی تھی یہ چیز حکومت کے خلاف اقدامات کو روکنے میں بہت موثر تھی۔ حضرت مسلم بن عقیل کے ہمراہ افراد کی تعداد کو کم کرنے میں اس چیز نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ عبیداللہ ابن زیاد نے عرفاء کو حکم دیا کہ اپنے اپنے ماتحت افراد جو مسلم کا ساتھ دے رہے ہیں الگ کرو ورنہ سب کی عطا روک دی جائے گی اس اعلان کے بعد بہت بڑی تعداد جناب مسلم کا ساتھ چھوڑ گئی۔ اسی طریقے سے چوری، ذخیرہ اندوزی جیسی اجتماعی بیماریوں کا بھی سدباب کیا جاتا تھا۔

آیت اللہ احمدی میانجی ''اطلاعات وتحقیقات دارالسلام'' صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں کہ **المفصّل فی تاریخ العرب** میں ڈاکٹر جواد علی نے اس بارے مفصل بحث کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ عہدہ موجود تھا اور اسلام نے بھی اس منصب کو اصلاح کر کے باقی رکھا۔ وہ لکھتے ہیں: جو افراد حاکم کی طرف سے ایک قوم یا ایک گروہ کی سربراہی پر معیّن کئے جاتے عریف کہلاتے تھے۔ یہ لوگوں کے حالات حاکم کو بتلاتے۔

نقیب:۔ نقب سوراخ کو کہا جاتا ہے، یہ فرد چونکہ اسرار قوم پر گہری نظر رکھتا ہے گویا ان میں سوراخ سوراخ کر رہا ہے اس لئے اسے نقیب کہا جاتا ہے۔

قرآن میں ۱۲ عدد نقباء بنی اسرائیل ذکر کئے گئے ہیں، حضرت موسیٰ نے یہ ۱۲ نفر جبار حاکموں کی طرف بھیجے تا کہ ان کے حالات قریب سے گہری نظر سے دیکھ کر اطلاع دیں، یہ عریف سے بلند مرتبہ ہے اور منکب نقیب کے مددگار اور معاون کو کہا جاتا تھا۔ مجمع البیان نے کہا: ﴿**نقیب القوم ینقب عن الاسرار و مکنون الاضمار**﴾ کہ یہ قوم کے اسرار میں نقب زنی کرتا ہے اور ان کے مافی الضمیر کا پتہ چلاتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے بھی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد

Presented by Ziaraat.Com

فرمایا: اپنے بارہ نقیب میرے پاس بھیجو تاکہ تمہاری بیعت کی کفالت دیں۔

گناہ گار کی مدح کا اثر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جب کسی گناہ گار کی مدح وتوصیف کی جاتی ہے تو عرشِ الٰہی کانپ اٹھتا ہے اور خداوند غضب ناک ہو جاتا ہے۔ (سفینۃ البحار، جلد۲)

کسی معاشرہ میں جب گناہ گاروں کی مدح شروع ہو جاتی ہے تو وہاں طاغوت کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور توحید کمزور ہو جاتی ہے، یعنی گناہ گار کی تعریف کرنا روح خدا پرستی وتوحید سے منافات رکھتا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام عہد نامہ میں مالک اشتر کو لکھا کہ نیک و بد فرد تمہارے نزدیک برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ اس سے اثر یہ ہوگا کہ نیک شخص کا نیکی سے دل اٹھ جائے گا اور برے کو برائی کی تشویق ہوگی۔
(نہج البلاغہ، خطبہ ۵۴)

نیز فرمایا: کسی کی لیاقت سے زیادہ اس کی تعریف کرنا چاپلوسی ہے اور کسی کی لیاقت سے کم اس کی تعریف کرنا حسد ہے۔ (حکمت نمبر ۳۴۷)

دعائے کمیل میں ہے: ﴿اللّٰھم اغفرلی الذنوب التی تھتك العِصم﴾ خدایا میرے وہ گناہ بخش دے جو عصمتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ عِصم عاصم کی جمع ہے جس کے معنی بچانے والے کے ہیں۔ خداوند نے انسان کے اندر ایسی قوتیں قرار دی ہیں جو اسے ناپسندیدہ باتوں سے بچاتی ہیں۔

آثارِ گناہ

گناہ معنوی نجاست ہے جو روح، فکر، اندیشہ، باطن اور قلب کو ناپاک کر دیتا ہے اور الطاف الٰہیہ و فیوضات الٰہیہ سے محرومی کا باعث بنتا ہے، امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اما انہ لیس من عِرقٍ یُضرب ولا نکبۃ ولا صداع ولا مرض الاّ بذنبٍ و ذلك قول اللّٰہ عزوجل: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (شوریٰ:۳۰) کہ کوئی رگ نہیں کاٹی جاتی، کوئی مصیبت، سر درد یا مرض نہیں ہوتا مگر گناہ کی وجہ سے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے جو کچھ تم کو پہنچتا ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کا کسب کیا ہوا ہے اور خداوند زیادہ سے عفو فرما دیتا ہے۔ (اصول کافی باب الذنوب)

نیز آپ نے فرمایا: ﴿انّ الرجل یذنب الذنب فیُحرم صلوٰۃ اللیل انّ العمل السّیٔ اسرع فی صاحبہ من السکین فی اللحم﴾ (اصول کافی، باب الذنوب) جب کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ نماز شب کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے، برا کام اس کے کرنے والے میں اس سے زیادہ اثر کرتا ہے جتنا چھری گوشت میں کرتی ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے: ﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَھْتِكُ الْعِصَمَ﴾ وہ گناہ جو پردہ دری کرتے ہیں شرب مسکر (نشہ آور چیز کا استعمال) قمار بازی، بیہودہ کام اور لوگوں کو ہنسانے کے لئے بے جا مزاح، لوگوں کے عیوب بیان کرنا اور بدکار کی ہمنشینی ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿من یموت بالذنوب اکثر ممّن یموت بالآجال و من یعیش بالاحسان اکثر ممّن یعیش بالاعمار﴾ کہ موتیں گناہ سے زیادہ ہوتی ہیں بنسبت طبعی موت کے اور احسان کی وجہ سے لوگ زیادہ جی جاتے ہیں طبعی زندگی کی بنسبت۔

مہر نبوت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت کا ذکر سابقہ انبیاء نے کیا تھا اور حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلام لانے میں جو علامتیں دریافت کی تھیں ان میں سے ایک مہر نبوت تھی۔

اس کی صورت کیا تھی اس بارے اختلاف پایا جاتا ہے بیس قول ذکر کیے گئے ہیں، بعض نے کہا: ﴿مثل زرّ الحجلة﴾، بھٹ تیتر کے انڈے کی مانند دونوں کندھوں کے درمیان تھی بعض نے کہا: ﴿کبیضة الحمامة﴾ کبوتر کے انڈے کی طرح تھی۔

احمد حنبل، ترمذی، حاکم، ابویعلی اور طبرانی نے روایت کی کہ عمرو بن اخطب انصاری نے کہا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ اور میری پشت کو ملو، میں نے اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر پھیرا اور میں نے اپنی انگلیاں مہر پر رکھیں، اس سے پوچھا گیا: مہر نبوت کیسی تھی؟ تو اس نے کہا: حضور کے کندھے کے پاس بالوں کا مجموعہ تھا۔

امام احمد، ابن سعد و بیہقی کی ایک روایت میں ہے: ﴿مثل السلعة بین کتفیه﴾ کہ حضور کے کندھوں کے درمیان ایک پھوڑے کی مانند تھی۔ ایک اور روایت میں ﴿لحم ناشز بین کتفیه﴾ کہا گیا ہے کہ گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ حلقۂ قمر کی مانند تھی جس میں دو سطریں لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر میں ﴿لا الٰہ الاّ اللہ﴾ لکھا تھا اور دوسری سطر میں ﴿محمد رسول اللہ﴾ لکھا تھا لیکن اس حدیث کو باطل کہا گیا ہے۔ اس بارے اور بھی روایات ہیں ان سب سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضور کے شانوں کے درمیان گوشت کا ایک ٹکڑا ابھرا ہوا تھا جو کہ کبوتر کے انڈے کے برابر تھا جس پر کالے تل تھے اور اس کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے گھنے بال تھے۔

تاثیر شجرہ طوبیٰ و امام صادق علیہ السلام

بحار الانوار میں ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں کوفہ کے رہنے والے دو بھائی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے

Presented by Ziaraat.Com

نکلے راستے میں پیاس سے برا حال ہوا۔ ایک گر گیا۔ دوسرے بھائی نے اہل بیت سے توسل کیا امام صادق علیہ السلام سے بار بار توسل کیا، اسی اثناء میں ایک آدمی آیا اس نے ایک درخت کی شاخ دی اور کہا تمہارا بھائی اب زندہ نہیں ہے یہ شاخ اس کے منہ میں رکھو، جب اس نے وہ شاخ اس کے منہ میں رکھی تو قدرت خداوند سے وہ زندہ ہوگیا۔ وہ آدمی غائب ہوگیا۔ یہ دونوں حج کے بعد مدینہ آئے امام پاکؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مولا نے پوچھا: تمہارے بھائی کا حال اچھا ہوگیا لیکن اس شاخ کا تم نے کیا کیا؟ عرض کیا: مولا جب بھائی زندہ ہوگیا تو اسی خوشی میں شاخ کو بھول گیا۔ مولا نے فرمایا: جب تم دعا کر رہے تھے برادر خضر میرے پاس تھے میں نے شجرہ طوبیٰ کی شاخ دے کر اسے بھیجا، تمہارا کام ہوگیا تو وہ شاخ پھر میرے پاس واپس آ گئی اس کے ساتھ آپ نے سجادہ اٹھایا اور وہی شاخ اٹھا کر اسے دکھلائی اور فرمایا: یہ وہی شاخ ہے۔

حدیث

ایک شخص امام صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: ﴿**سیدی علی ماذا بنیت امرك؟**﴾ آپ کے امر کی بنیاد کیا ہے؟ فرمایا: ﴿**علی اربعة اشیاء علمت انّ اللّٰه مطّلعٌ علیّ فاستحییتُ و علمت انّ آخری امری الموت فاستعددت و علمت انّ عملی لا یعمله غیری فاجهدتُ و علمت انّ رزقی لا یاکله غیری فاطمئننت**﴾ (بحار، جلد ۷۵، ص ۲۲۸)

فرمایا: چار چیزوں پر، میں نے جان لیا کہ خداوند میرے ہر کام پر مطلع ہے لہٰذا اس سے حیاء کیا۔ میں نے جان لیا کہ بالآخر مجھے مرنا ہے تو میں نے اس کی تیاری کی، میں نے جان لیا کہ میرا عمل میرا غیر نہیں کرے گا لہٰذا میں نے اس کے لئے کوشش کی اور میں نے جان لیا کہ میرا رزق میرا غیر نہیں کھائے گا لہٰذا میں اُس طرف سے مطمئن ہوگیا۔

حسن البصری

حسن بن یسار ابوسعید بن ابی الحسن البصری، اس کی ماں حضرت ام سلمٰی کی کنیز تھی۔ مشہور زندیق ابن ابی العوجاء اس کا شاگرد تھا اور وہ توحید سے منحرف ہوگیا اس سے کہا گیا تم اپنے استاد کا مذہب چھوڑ کر بے حقیقت عقیدے کی طرف کیوں آ گئے تو اس نے کہا میرا استاد خود نہیں جانتا تھا وہ کیا ہے کبھی جبری ہوتا کبھی قدری ہوتا میں نے اسے کسی ایک مذہب کا پابند نہیں دیکھا۔

یہ شخص دشمن امیر المومنین علی علیہ السلام تھا۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں یہ حضرت علی سے بغض رکھتا تھا اور جنگ جمل کے حوالے سے حضرت پر سخت معترض تھا۔ اسے حضرت نے فرمایا تھا وضو میں بہت پانی ضائع کر رہے ہو (یہ وہمی تھا) تو اس نے کہا آپ نے جو مسلمانوں کا خون بہایا وہ کیا کم ہے۔ حضرتؑ نے اسے وضو میں یوں پانی ضائع کرتے دیکھا تو فرمایا:

Presented by Ziaraat.Com

﴿اسبغ طهورك يا لفتى﴾ (لفتی اسے بچپن میں ماں پکارتی تھی نبطی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں) تو اس نے جواب میں کہا آپ نے بھی کل جو لوگ قتل کیے اسی طرح وضو کرنے والے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں ان کا غم ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں تو حضرت نے فرمایا: ﴿فاطال اللہ حزنك﴾ خدا تمہیں ہمیشہ غمگین رکھے۔ ایوب بجستانی کہتے ہیں ہم نے حسن بصری کو ہمیشہ یوں غمگین دیکھا۔ جیسے ابھی اپنے عزیز کو دفن کر کے آیا ہو۔ اس سے اس غم کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: ﴿عمل فیّ دعوة الرجل الصالح﴾ میرے بارے رجل صالح (حضرت علیؑ) کی دعا کام کر گئی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت امیرؑ خطبہ دے رہے تھے یہ بھی موجود تھا تو حضرت نے فرمایا: ہر قوم کا سامری ہوتا ہے اور اس امت کا سامری یہ ہے وہ سامری لا مساس رکھتا ہے یہ سامری لا قتال کہتا ہے ۸۹ سال کی عمر بے برکت کے بعد فوت ہوا۔

رحم خداوند

حضرت موسیٰؑ نے بارگاہ خدا میں عرض کیا: خدایا فرعون دعوائے خدائی کرتا ہے پھر بھی تو اسے رزق دیتا ہے تو ارشاد ہوا اے موسیٰ فرعون نے عبودیت چھوڑ دی ہے میں اپنی ربوبیت تو نہیں چھوڑ سکتا۔

امتحان خداوند

حضرت موسیٰؑ جب تیس دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو سامری نے لوگوں سے سونا جمع کر کے اس سے بچھڑا بنا لیا اور اس کے اندر اور منہ میں وہ مٹی ڈال دی جو اس نے جبرئیلؑ کی گھوڑی کے سموں والی جگہ سے اٹھائی تھی۔ یوں یہ بچھڑا بولنے لگا اور سوائے حضرت کے سب لوگ گوسالہ پرست ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو سب کو مشرک پایا۔ خداوند سے عرض کیا: بارِالٰہا! گوسالہ تو سامری نے بنایا لیکن یہ تو بتا اسے بولنے کی قدرت کس نے دی؟ فرمایا: میں نے دی۔ عرض کیا: خدایا اگر تو اس بچھڑے کو نہ بلواتا تو یہ گمراہی نہ ہوتی، تو فرمایا گیا: اے موسیٰ! ہم تیری قوم کو آزمانا چاہتے تھے۔

سفر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علی جب سفر پر جاؤ تو سورہ یٰسین زیادہ پڑھو اور یٰسین کے بعد دس مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھو اور صلوات و درود بھیجو۔

Presented by Ziaraat.Com

باب الحکایات

امام علیہ السلام کا خواب

امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس ان کا ایک رشتہ دار آیا اور کافی دیر آپ کی شان میں گستاخی کرتا رہا۔ جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے اہل مجلس سے فرمایا: آپ لوگوں نے سن لیا اس نے کیا کچھ کہا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں آپ سب میرے ساتھ آئیں تا کہ اسے جواب دیں، سب نے عرض کیا مولا ہم تو چاہتے تھے کہ آپ اسے جواب دیتے۔ سب چل پڑے اور امام یہ آیت مبارکہ ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) (ترجمہ: غصہ پر کنٹرول کرنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے) تلاوت فرما رہے تھے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ حضرت کیا جواب دیں گے۔ جب اس کے گھر پر جا کر دق الباب کیا تو وہ یہی سمجھا کہ میری گستاخی کے جواب میں آپ بھی ویسی باتیں کریں گے لیکن جب وہ باہر آیا تو آپ نے فرمایا: جو کچھ تم نے کہا اگر وہ سب کچھ مجھ میں ہے تو خدا مجھے معاف فرمائے اور اگر وہ سب مجھ میں نہیں تو خدا تمہیں معاف فرمائے۔ جب اس شخص نے یہ سنا تو آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کیا جو میں نے کہا وہ آپ میں نہیں ہے۔ میں اس برائی کا زیادہ مستحق ہوں۔

شیعہ واقعی

حکیم بن عتیبہ روایت کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، اسی اثناء میں ایک بوڑھا عصا کے سہارے چلتا ہوا وارد ہوا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا: ﴿السلام علیك یابن رسول اللّٰه و رحمة اللّٰه و برکاته﴾، مولا نے جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے حاضرین پر سلام کیا۔ پھر حضرت سے التماس کی کہ مجھے اپنے قریب جگہ دیں جب نزدیک بیٹھ گیا اتنا نزدیک کہ اس کے زانو حضرت کے گھٹنوں سے متصل تھے۔ اس نے عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! میں اپنے عقیدہ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: کہو! تو اس نے کہا: ﴿واللّٰه انی لاحبکم و أُحِبّ من یحبکم و واللّٰه ما احبکم ولا احبّ من یحبکم لطمع فی الدنیا. واللّٰه انی لابغض عدوّکم و ابرء منه و ابغض من یحبّ عدوّکم. واللّٰه ما أُبغضه و ابرء منه بِوَترٍ کان بینی و بینه، واللّٰه انی لَأُحِلّ حلالکم و أُحرّم حرامکم وانتظر امرکم فهل ترجو لی جعلنی اللّٰه فداك﴾۔

”خدا کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور ہر اس سے محبت کرتا ہوں جو آپ سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کسی دنیاوی طمع کی خاطر نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں آپ کے دشمنوں سے بغض و نفرت رکھتا ہوں اور ہر اس سے دشمنی رکھتا

Presented by Ziaraat.Com

ہوں جو آپ کے دشمنوں سے محبت کرتا ہے لیکن یہ نفرت و دشمنی میری ان کے ساتھ کسی انتقام کی وجہ سے نہیں ہے (بلکہ خدا کی خاطر ہے) میں آپ کے حلال کو حلال قرار دیتا ہوں اور آپ کے حرام کو حرام قرار دیتا ہوں اور آپ کے امر (ظہور دولت) کا منتظر ہوں کیا اس عقیدہ کے ساتھ میرے لئے امید نجات ہے؟ آپؑ نے فرمایا: میں اپنے بابا علیؑ بن الحسینؑ کے ساتھ بیٹھا تھا ایک شخص نے آ کر بابا سے یہی سوال تو بابا نے اسے جواب دیا جب تم اس دنیا سے جاؤ گے ہمارے نانا پر وارد ہو گے وہاں ہمارے جد علی بن ابی طالب بھی ہوں گے، میرے بابا حسین بھی ہوں گے اور میں بھی ہوں گا وہاں تم ایسی چیزیں پاؤ گے کہ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، خوش ہو جاؤ گے، کرام الکاتبین کے ساتھ خوش و خرمی کے ساتھ ملاقات کرو گے یہ اس وقت ہو گا جب تمہاری جان گلے تک پہنچے گی۔ اس بوڑھے نے جب یہ سنا تو اتنا خوش ہوا کہ عرض کیا: مولا ایک دفعہ پھر فرمانا۔ مولا نے پھر فرمایا: تو وہ اتنا خوش ہوا کہ یہ کلمات تکرار کر رہا تھا اور گریہ کر رہا تھا مولا اپنے دست مبارک سے اس کی آنکھوں سے آنسو صاف فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا: مولا اپنا دست مبارک مجھے دیں۔ ہاتھ ہاتھ میں لے کر چومنے لگا اور آنکھوں پر مس کرنے لگا، بٹن کھول کر مولا کا ہاتھ اپنے سینے پر مس کیا اور پھر سلام عرض کر کے باہر چلا گیا، حضرت اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور پھر فرمایا: جو بھی کسی جنتی کو دیکھنا چاہے وہ اس بوڑھے کو دیکھے، حکیم بن عتیبہ کہتے ہیں: اس سے پہلے میں نے کوئی مجلس ایسی نہیں دیکھی تھی جس میں اتنا گریہ شوق ہوا ہو۔

(روضۂ کافی، ص ۷۶)

عبرت کی ہنسی

جب برادرانِ یوسفؑ نے انہیں کنویں میں لٹکایا تو وہ بجائے محزون و غمگین ہونے کے ہنسے، بھائی یہ دیکھ کر تعجب کرنے لگے کہ یوسف اس مرحلے میں ہنسے کیوں ہیں؟ یہودا جو سب سے بڑا تھا اس نے سوال کیا۔ یوسف اس جگہ پر رونے کے بجائے آپ ہنسے کیوں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایک دن میں نے آپ سب بھائیوں کو اکٹھے بیٹھے دیکھا تو دل میں سوچا جس کے اتنے شجاع برومند دس بھائی ہوں اسے کیا خطرہ۔ اگر کوئی میرے ساتھ دشمنی کرے گا تو یہ دس بھائی میرا دفاع کریں گے، لیکن آج یہی میرے بھائی میری قمیص اتار کر میری جان کے درپے ہیں۔ یہ سبق آج ملا ہے کہ خدا پر اعتماد و توکل چھوڑ کر کسی اور پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خوشی کی ہنسی نہیں تھی یہ عبرت کی ہنسی تھی۔

(داستانہای شگفت انگیز از تفسیر جامع، ج ۳)

حجر بن عدی

حجر ابن عدی اپنے بھائی ہانی کے ساتھ مدینہ میں حاضر ہوئے حضورؐ کی حیات طیبہ میں ایمان لائے۔ باوجود جوانی کے آپ کے خلوص و جوش کی وجہ سے حضورؐ نے آپ کو بعض جنگوں میں پرچم بھی عطا کیا (الدرجات الرفیعہ از شہید

Presented by Ziaraat.Com

اول) حضورؐ سے قربت کی وجہ سے حضور بعض اسرار بھی انہیں بتلاتے تھے۔ حضور پاک ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کوفہ آ کر سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں قبیلہ کندہ کے رئیس و سربراہ تھے۔ مولا امیرؑ کی ظاہری حکومت میں دلجمعی کے ساتھ مولا کے ساتھ تھے اور بڑے پُر جوش حامی و مدافع تھے اور ہمیشہ مولاؑ کے دشمنوں کے ساتھ چپقلش میں رہتے تھے۔ مولا کی تمام جنگوں میں شریک تھے، جنگ صفین میں لشکر مولا کے سات حصے تھے ان میں سے قبیلہ کندہ، حضرت موت اور قضاعہ کے افراد پر آپ سالار مقرر کیئے گئے۔ (اعیان الشیعہ، ج ۲۰، ص ۱۵۸)

جنگ صفین میں ۷ صفر سنہ ۳۷ ہجری میں آپ اپنے چچازاد حجر بن یزید کندی کے مقابل قرار پائے تو آپ کو ''حجر الخیر'' اور اسے ''حجر الشر'' کا لقب دیا گیا۔ (قاموس الرجال، ج ۳)

جنگ نہروان میں آپ میمنہ لشکر کے سالار تھے۔

مولا علیؑ کو ضربت لگ چکی حجر مولا کے سرہانے بیٹھے اظہارِ محبت و ادب کر رہے ہیں کچھ شعر مولا کے لئے پڑھے۔ مولا نے فرمایا: اے حجر اس وقت تم کیا کرو گے جب تمہیں مجھ سے بیزاری کے لئے مجبور کیا جائے گا؟ حجر نے روتے ہوئے بڑے اخلاص سے عرض کیا: اگر مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور آگ کے شعلوں میں پھینک دیں تب بھی آپ کی محبت سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا اور کسی حال میں آپ سے بیزاری کا اظہار نہیں کروں گا۔ مولا نے دعا دی اے حجر خداوند تمہیں موفق کرے اور تجھے خاندانِ رسولؐ کی طرف سے جزا خیر دے۔ (بحار، ج ۴۲، ص ۲۹۰)

مولاؑ کی شہادت کے بعد جب امیر شام مطلق حاکم بن گیا تو اس نے مغیرہ بن شعبہ جیسے خونخوار کو کوفہ کا حاکم بنا دیا، اس نے اموی روش کا احیاء کرتے ہوئے مولا کی شان میں گستاخی کی بر سر منبر۔ ہر بار حجر اسے دندان شکن جواب دیتے۔ اے مغیرہ جو لائق مدح و ثنا ہے تم اس کی بدگوئی کرتے ہو خدا سے ڈرو اور اپنی زبان کو لگام دو خداوند قرآن میں فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ﴾ اے ایمان والو راہ عدالت میں استوار رہو اور خدا کی خاطر گواہی دو اگر چہ اس سے خود تم کو نقصان ہو۔ (نساء: ۱۳۵) مغیرہ حجر کو سخت دھمکاتا اور پھر حکومت کے سخت ردعمل کی تڑی لگاتا، مغیرہ دنیا سے چلا گیا اس کی جگہ زیاد بن ابیہ کوفہ کا حاکم بن گیا، اس نے بھی امیر شام کی نصیحت کے مطابق بر سر منبر مولا کی شان میں گستاخی کی انتہاء کر دی، حجر اسے اس عمل سے مسلسل روکتے رہتے۔ اس نے حجر سے کہا میں جانتا ہوں تم مغیرہ کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن وہ حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتا تھا جبکہ میں ایسا نہیں کروں گا اور پھر کچھ نصیحتیں کیں، حجر جب چلے گئے تو زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں حضرت علیؑ سے بیزاری پر وادار کیا، حجر نے اٹھ کر احتجاج کیا، زیاد اپنے دوسرے قصر حکومت یعنی بصرہ چلا گیا اور کوفہ میں عمرو بن حریث کو اپنی جگہ منصوب کر گیا، حجر شیعیان علی علیہ السلام کو جمع کر لیتے اور دشمنان مولاؑ کے خلافت شعار دیتے، عمرو بن حریث نے زیاد کو لکھا کہ جلد کوفہ آ ؤ

Presented by Ziaraat.Com

اور اسے سنبھالو حالات میرے کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے ہیں، زیاد جلد ہی کوفہ آیا اور بڑی شدت سے مولاؑ کی توہین کرنے لگا۔ ایک دن تو حد کر دی وقت نماز داخل ہو گیا تب بھی وہ اپنی گفتگو میں مصروف رہا۔ حجر نے آواز بلند کی اے زیاد بس کرو نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اس نے پروانہ کی اور گفتگو جاری رکھی، حجر نے پھر کہا: نماز کا وقت ہے مزید لوگ بھی حجر کا ساتھ دینے لگے یہاں تک مجبوراً زیاد کو منبر سے اترنا پڑا۔

اس طرح حجر مسلسل مولا سے دفاع کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ زیاد نے حجر کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کرنے لگا۔ آپ کے ساتھی درج ذیل افراد تھے:

عمرو بن حمق اور رفاعہ بن شداد آپ دونوں کوفہ سے نکل کر مدائن چلے گئے اور وہاں سے موصل گئے حاکم موصل کے لشکر سے جنگ ہوئی عمرو گرفتار ہو گئے اور حاکم موصل عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے معاویہ کو آپ کی گرفتاری کی خبر دی، اس نے جواب میں لکھا قتل کر کے سر میرے پاس بھیج دو۔ اور رفاعہ نے نجات پائی۔ عمرو بن حمق کا سر اسلام میں وہ پہلا سر تھا جسے ہدیہ کے طور پر نیزے پر بلند کیا گیا۔ (الغدیر، ج ۱۱، صفحہ ۴۲) سید الشہداء علیہ السلام نے انہی کے بارے معاویہ کو لکھا: ﴿الذی اخلقت و ابلت وجهه العبادہ﴾ تم نے اس ہستی کو قتل کیا جس کے جسم کو عبادت نے بوسیدہ کر دیا۔

صیفی بن فیسل، قیس بن عبادہ شیبانی نے زیاد کو خبر دی کہ ہمارے قبیلے کا ایک فرد صیفی بن فیصل حجر کے بڑے ساتھیوں میں سے ہے، زیاد نے اسے گرفتار کروا لیا۔ زیاد نے کہا: ابوتراب کے بارے کیا کہتے ہو؟ صیفی نے کہا: میں ابوتراب کو نہیں جانتا، زیاد نے کہا: علی بن ابی طالب کو کیسے نہیں جانتے ہو؟ وہی ابوتراب ہے۔ صیفی نے کہا: نہیں وہ حسن و حسین کے والد ہیں۔ اظہار برأت پر مجبور کیا لیکن انہوں نے مولا کی تعریف کی۔ زیاد نے عصا سے آپ کو اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے، پھر پوچھا: علی کے بارے کیا کہتے ہو؟ کہا: ﴿واللّٰہ لو شرحتنی بالمواسی والمدی ما قلت الاّ ما سمعت منّی﴾ تم مجھے ٹکڑے کر دو تب ہی وہی کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں۔ آپ کو زندان میں ڈال دیا گیا۔

عبداللہ بن خلیفہ، آپ بڑے غیرت مند شجاع تھے آپ کو مسجد عدی بن حاتم سے گرفتار کیا گیا آپ پر مسلسل سنگباری کی گئی جس کی وجہ سے آپ زمین پر گر گئے تب آپ کو گرفتار کیا گیا۔ لیکن آپ کی بہن بیثاء نے قبیلہ والوں کو مدد کے لئے پکارا تو زیاد کے کارندے قبیلہ طی کے خوف سے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زیاد نے قبیلہ طی کے سربراہ عدی بن حاتم طائی کو بلا بھیجا اور جب وہ آئے تو انہیں زندان میں ڈال دینے کا حکم دیا اور حکم دیا عبداللہ کو ہمارے حوالے کرو۔ انہوں نے کہا مجھے اس کے بارے پتہ نہیں وہ کہاں ہیں۔ عبداللہ نے عدی کو پیغام بھیجا کہ میں آ کر اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرتا ہوں تاکہ مجھے زیاد کے حوالے کر سکو تو عدی نے کہا تم میرے قدم کے نیچے ہو تو تب بھی میں قدم اوپر نہیں اٹھاؤں گا۔ زیاد نے قبائل کے سرداروں کی ناراضی سے بچنے کی خاطر عدی کو رہا کر دیا یہ شرط لگا کر کہ عبداللہ کو قبیلہ طے کے پہاڑ کی طرف

Presented by Ziaraat.Com

نکال دو گے۔ انہوں نے یہ قبول کر لیا، عبداللہ کو جب عدی نے کہا کہ ابھی مصلحت یہ ہے کہ آپ کوفہ سے چلے جائیں بعد میں موقع کی مناسبت سے میں زیاد سے آپ کی سفارش کروں گا۔ یوں عبداللہ وہاں سے چلے گئے اور تا وفات وہیں رہے۔

جھوٹی گواہی

زیاد بن ابیہ نے حجر کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ اور چار قبائل کے سرداروں کو اکٹھا کیا جو کہ عمرو بن حریث (رئیس اہل مدینہ) خالد بن عرفطہ (رئیس تمیم و ہمدان) قیس بن ولید (رئیس ربیعہ و کندہ) اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ (رئیس مذحج واسد) تھے، انہوں نے گواہی دی کہ حجر نے کچھ افراد کو اکٹھا کیا اور خلیفہ کو گالیاں دیں اور لوگوں کو خلیفہ کے خلاف جنگ کے لئے بھڑکایا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے خلافت کا حق صرف اولاد علیؑ کو حاصل ہے، زیاد نے کہا: یہ شہادت کافی نہیں ہے اور افراد بھی ہونے چاہئے۔ ستر افراد نے شہادت دی، زیاد نے کہا ان سے کم کریں صرف وہ لوگ لیں جن کا مذہبی عقیدہ ہمارا پسندیدہ ہو۔ چالیس افراد پر اکتفا کیا گیا۔ شمر و شبث بن ربعی و زحر بن قیس بھی ان میں شامل تھے، شریح بن حارث کو بھی گواہوں میں لکھا جبکہ انہوں نے کہا حجر بہت روزہ رکھنے والے اور بہت عبادت کرنے والے ہیں۔ شریح بن ہانی کا نام بھی گواہوں میں لکھا گیا۔ جب انہیں اس کی خبر ملی تو انہوں نے معاویہ کو خط لکھا جس میں حجر کی نیکی و عبادت کی گواہی دی اور کہا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہیں، ان کا خون بہانا حرام ہے اب اگر انہیں قتل کرنا چاہتے ہو تو کر دو، چاہو تو انہیں رہا کر دو۔

زیاد نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا، جب وہ میدانِ عزوم کے پاس پہنچے تو قبیصہ بن ضبیعہ کی نظر اپنے گھر پر پڑی کہ آپ کی بیٹیاں چھت پر چڑھ کر یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ سپاہیوں سے التماس کی کہ اجازت دیں گھر والوں سے الوداع کر لوں، وہ گھر گئے، ان کا گریہ دیکھا، پھر کہا صبر کرو اس راہ میں یا مجھے شہادت کی سعادت نصیب ہوگی یا سلامتی سے آپ کے پاس واپس آ جاؤں گا اور پھر وہ واپس آ گئے اور قبیلہ والے ان کے لئے دعا کر رہے تھے۔

حجر کو ساتھیوں کے ہمراہ شام سے بارہ میل باہر مرج عذراء نامی جگہ تک لائے اور وہاں انہیں قید کر دیا یہ بارہ افراد درج ذیل تھے: (۱) حجر بن عدی، (۲) عاصم بن عوف، (۳) شریک بن شداد، (۴) صیفی بن فسیل، (۵) قبیصہ بن ضبیعہ، (۶) کریم بن عفیف، (۷) ورقاء بن سمی، (۸) کدام بن حیان، (۹) عبد الرحمٰن بن حسان، (۱۰) محرز بن شہاب، (۱۱) عبداللہ بن خویہ، (۱۲) ارقم کندی۔

زیاد نے ان کے پیچھے پیچھے دو اور افراد بھی گرفتار کر کے بھیجے، کل چودہ افراد ہو گئے۔ معاویہ نے زیاد کا خط ان

Presented by Ziaraat.Com

کے بارے لوگوں کو سنایا اور ان کے بارے ان سے مشورہ مانگا مختلف جواب دیئے گئے۔

معاویہ نے جریر بن عبداللہ کی سفارش پر بعد میں لائے جانے والے دو افراد کو بخش دیا۔ وائل بن حجر نے ارقم کندی کی سفارش کی۔ انہیں بھی معاف کر دیا گیا۔ ابو الاعور نے عقبہ بن اخنس کی سفارش کی انہیں بھی معاف کر دیا گیا۔ حمزہ بن مالک ہمدانی نے سعید بن نمران کی سفارش کی انہیں بھی معاف کر دیا گیا۔ حبیب بن مسلم کی سفارش پر عبداللہ بن خویہ کو آزاد کر دیا گیا۔ مالک بن ہبیرہ نے حجر بن عدی کی سفارش کی لیکن معاویہ نے اسے قبول نہ کیا جس کی وجہ سے مالک کافی مدت تک گھر سے نہ نکلے۔ معاویہ نے تین افراد حدبہ بن فیاض، حصین بن عبداللہ اور شریف بدری کو بھیجا یہ غروب کے وقت وہاں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا خثعمی یک چشم سب سے آگے ہے تو انہوں نے کہا ہم میں سے نصف مارے جائیں گے اور نصف بچ جائیں گے۔

معاویہ کے وفد نے آ کر اعلان کیا کہ چھ افراد آزاد ہیں اور البتہ آٹھ افراد کے قتل کی خبر دی، ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے اگر علیؑ سے بیزاری کا اظہار کر دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ سب نے کہا ہم ایسا کام کبھی نہیں کریں گے، ان کی قبریں کھود دی گئی، کفن حاضر کر دیئے گئے وہ رات انہوں نے عبادت و راز و نیاز میں گزاری، صبح پھر ان سے کہا گیا علیؑ سے بیزاری کا اعلان کرو، انہوں نے کہا ﴿بل نتولاه﴾ ہم علی سے محبت کرتے ہیں، ایک ایک کر کے انہیں قتل کیا گیا حجر نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اور کہا: خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے وضو کیا ہو اور اس کے ساتھ دو رکعت نماز نہ پڑھی ہو، اجازت دی گئی۔ نماز ختم کر کے بارگاہِ خدا میں عرض کیا: خداوندا میں نے کبھی اس طرح تیز نماز نہیں پڑھی آج اس لئے جلدی پڑھی کہ یہ نہ کہیں کہ موت کے ڈر سے نماز لمبی کر رہا ہے۔

کہا گیا: گردن آگے کرو، فرمایا: میں اپنے قتل میں تمہاری مدد نہیں کروں گا، حدبہ نے تلوار کا وار کیا اور یوں اس عابد و زاہد صحابی کو قتل کر دیا گیا۔

حجر کے اصحاب میں سے دو افراد عبدالرحمن بن حسان عنزی اور کریم بن عفیف خثعمی نے کہا ہمیں معاویہ کے پاس لے جاؤ جو وہ چاہتا ہے وہ کہیں گے۔ معاویہ سے اس بارے اجازت مانگی گئی تو معاویہ نے اجازت دے دی۔ دونوں نے حجر سے خدا حافظی کی اور جاتے ہوئے کہا: انشاء اللہ ہماری منزل ایک ہی ہوگی، خثعمی جب معاویہ پر وارد ہوا تو اس سے کہا: خدا سے ڈرو کل خدا پر وارد ہوگے وہاں ہمارے قتل کے بارے تم سے سوال ہوگا۔ معاویہ نے کہا: تم علی کے بارے کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: جو تم کہتے ہو وہی میں کہوں گا۔ کیا تم دین علیؑ سے جو کہ خداوند نے اس کے علاوہ کوئی دین پسند نہیں کیا، بیزاری کا اظہار کرتے ہو۔ معاویہ نے خاموشی اختیار کی۔ شمر بن عبداللہ خثعمی نے ان کی سفارش کی اور معاویہ نے ایک ماہ کی قید کا حکم دے کر انہیں معاف کر دیا۔ اس شرط کے ساتھ کہ معاویہ جب تک زندہ ہے وہ کوفہ نہیں جائیں گے۔ وہ بھی

Presented by Ziaraat.Com

موصل جا کر ساکن ہو گئے اور مرگ معاویہ سے ایک ماہ پہلے داعی اجل کو لبیک کہا۔

معاویہ نے عبد الرحمٰن عنزی سے کہا تم علی کے بارے کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ سوال نہ کرو تو بہتر ہے۔ معاویہ نے کہا: تمہیں ضرور بتلانا ہوگا۔ تو انہوں نے کہا: ﴿اشهد انه كان من الذاكرين الله كثيرا و من الامرين بالمعروف والناهين عن المنكر و العافين عن الناس﴾ اور اپنا عقیدہ حق مکمل ظاہر کر دیا، معاویہ نے انہیں زیاد کے پاس بھیجا اور کہا جن کو تم نے قید کر کے بھیجا تھا ان میں سے سب سے بدتر یہ شخص ہے اسے سخت موت کی سزا دو، زیاد نے انہیں فرات کے کنارے قس ناطف نامی جگہ پر زندہ درگور کر دیا۔ (نقل از پند تاریخ و داستانہای شگفت انگیز)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سيقتل منكم سبعة نفر من خيار كم بعذراء مثلهم كمثل اصحاب الاخدود﴾ تم سے بہترین سات افراد عذراء نامی جگہ پر قتل ہوں گے ان کی مثال اصحاب اخدود والی ہے۔

(تاریخ ابن عساکر، ج ۴، ص ۸۴)

امام حسین علیہ السلام نے امیر شام کو خط لکھا جس میں لکھا: ﴿او لست قاتل حجر و اصحابه العابدين المخبتين الذين كان يستفظعون و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر فقتلتهم ظلمًا و عدوانا من بعد ما اعطيتهم المواثيق الغليظة والعهود المؤكدة جرأةً على الله و استخفافاً به داستان اصحاب کهف﴾۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ سرزمین روم میں ایک شہر تھا جس کا نام افسوس تھا۔ اس کا بادشاہ ایک صالح شخص تھا، ان کے حالات خراب ہوئے تو فارس کے دقیانوس نامی بادشاہ نے ان پر حملہ کر دیا اور "افسوس" شہر پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنا دار الخلافہ بنا لیا۔ وہاں بڑا عظیم ترین محل بنا لیا جسے شیشے اور سونے چاندی سے مزین کیا، سونے کا تخت بنایا۔ سونے کا تاج بنایا۔ ۵۰۰ خادم خاص بڑے بڑے رؤساء کے بیٹوں سے منتخب کئے اور دانشمندوں کی اولاد سے ۶ افراد وزیر کے طور پر منتخب کئے۔ تین وزراء دائیں ہاتھ ہوتے جن کے نام تملیخا، مکسلینا اور عسمینا تھے اور تین وزراء بائیں طرف تھے جن کے نام تھے مرطوس، کیتطوس اور ساربیوس۔ ان سے وہ امور مملکت میں مشورے کرتا تھا۔ جب اس کی مملکت مستحکم ہوگئی اور جاہ و جلال میں اضافہ ہوا تو اس نے ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔ سرداروں سے تقاضا کیا کہ اسے رب مانیں۔ جس نے مان لیا اسے مال کثیر عطا کیا۔ اور جو نہ مانتا اسے قتل کر دیتا۔ ہر سال ایک دن بارگاہ عام لگاتا جس میں لوگوں کو اجازت بار دی جاتی ایسے ہی دن اسے اطلاع دی گئی کہ فارس کے لشکر نے حملہ کر کے مملکت کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا ہے دقیانوس اس خبر سے اتنا افسردہ ہوا کہ تاج اس کی پیشانی سے گر پڑا۔ تملیخا جو اس کی

Presented by Ziaraat.Com

دائیں طرف بیٹھا تھا اس نے جب یہ دیکھا تو سوچا اگر یہ خدا ہوتا تو اسے غمگین وافسردہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان سب چھ افراد کی یہ عادت تھی کہ سب کھانے کے لئے کسی ایک کے پاس اکٹھے ہوتے، اس دن تملیخا کی باری تھی، اس نے بہترین کھانا تیار کیا اور کھانے کے بعد کہا دوستو! ایک چیز نے مجھے پریشان کر رکھا ہے جس سے کھانا پینا مجھ سے چھن چکا ہے انہوں نے کہا وہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے آسمان کے بارے بڑا سوچا ہے کہ اسے کس نے خلق کیا ہے بغیر ستون کے اسے کس نے بپا کر رکھا ہے کون سورج و چاند کو حرکت دیتا ہے۔ کس نے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا ہے۔ میں نے اپنے بارے بھی بڑا سوچا ہے کہ کس نے مجھے ماں کے پیٹ سے زندہ نکالا ہے کیا ان سب کا مدبر دقیانوس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ دقیانوس تو صرف دوسرے بادشاہوں کی طرح ایک ظالم بادشاہ ہے۔ دوسرے ساتھی اس کے قدموں پر گر گئے اور کہا: خداوند نے تمہارے ذریعے ہمیں ہدایت کی اور اب آپ جو کہیں گے ہم وہی کریں گے۔ تملیخا نے کچھ مقدار کھجوریں اپنے باغ سے بیچی اور یہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے نکل آئے۔ شہر سے تین میل باہر آنے کے بعد تملیخا نے کہا گھوڑوں سے اتر آؤ اور اب آگے پیدل چلو، اس دن وہ سات فرسخ شہر سے دور آئے اور خون ان کے پاؤں سے جاری ہو گیا۔ ایک چرواہے پر گزرے اس سے پانی یا دودھ طلب کیا اور اس نے کہا جو چاہتے ہو میرے پاس ہے لیکن تمہارے چہروں سے لگتا ہے تم لوگ بادشاہ ہو یہ بتلاؤ تم کہیں دقیانوس کے ہاتھ سے تو نہیں بھاگے؟ انہوں نے کہا: ہم جھوٹ پسند نہیں کرتے صحیح یہی ہے اور وجہ یہ ہے۔ چرواہا بھی ان کے قدموں پر گر گیا اور کہا جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہی میرے دل میں بھی ہے اجازت دو میں گوسفندوں کو مالک کے حوالے کر آؤں اور آپ کے ساتھ چلوں گا۔ چرواہا ان کے ساتھ شامل ہو کر چل پڑا۔ پیچھے دیکھا کہ ریوڑ کا کتا بھی ہمراہ آ رہا ہے۔ ابلق (ڈبا) رنگ کا یہ کتا قطمیر کہلاتا تھا، انہوں نے اسے واپس مڑنے کے لئے پتھر بھی مارے لیکن کتا واپس نہ ہوا ساتھ چلتا رہا۔ چرواہے نے انہیں ایک پہاڑ کی غار کی طرف رہنمائی کی جس غار کا نام "وصید" تھا وہاں پر چشمہ بھی تھا اور پھل دار درخت بھی، وہاں سے کھا پی کر وہ غار میں داخل ہوئے۔ خداوند نے فرشتے کو حکم دیا کہ ان کی ارواح قبض کر لے۔ اور ہر ایک پر دو فرشتے مقرر کر دیئے جو ان کے پہلو دائیں بائیں بدلتے تھے دقیانوس کو جب ان کے فرار کی اطلاع ہوئی تو وہ ان کی تلاش میں نکلا۔ غار پر پہنچ کر دیکھا وہ سب غار میں محو آرام ہیں، اس نے کہا: میں نے انہیں سزا ہی دینا تھی، اس سے بڑھ کر کیا سزا ہوگی کہ اس طرح غار میں انہیں بند کر دیں، دروازہ غار کو محکم بند کروا کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، یہ آسمانوں کے خدا کو مانتے تھے اب اسے کہیں کہ وہی انہیں یہاں سے آزاد کروائے، وہ تین سو نو سال وہاں اسی حالت میں باقی رہے، پھر منشاء خدا کے مطابق اسرافیل نے ان میں روح پھونکی اور یہ زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے، انہوں نے دیکھا سورج نکل چکا ہے ایک دوسرے سے کہنے لگے گزشتہ شب ایسے سوئے کہ خداوند کی عبادت بھی نہیں کر سکے غار سے باہر نکلے دیکھا چشمۂ آب کا نام ونشان باقی نہیں

Presented by Ziaraat.Com

رہا۔ درخت سب خشک ہو چکے تھے۔ بڑے حیران ہوئے کہ ایک رات میں یہ سب کیسے ہوگیا۔ اب بھوک کا احساس ہوا کہا: ایک آدمی شہر جائے اور اچھا سا حلال و پاکیزہ کھانا لے کر آئے، خیال رہے اسے کوئی دیکھ نہ پائے، تملیخا نے کہا: میں جاتا ہوں۔ چرواہے کا لباس پہن کر وہ شہر آیا، راستے میں جو چیزیں دیکھ رہا تھا وہ انہیں پہچان نہیں پا رہا تھا، جب دروازۂ شہر پر پہنچا وہاں دیکھا زرد رنگ کا پرچم ہے جس پر لکھا ہے: ﴿لا الٰہ الا اللّٰہ عیسیٰ رسول اللّٰہ و روحہ﴾ تملیخا حیران تھا یہ سب کیا ہے۔ شہر میں داخل ہو کر نانوائی کی دکان پر پہنچا۔ پوچھا: اس شہر کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: افسوس ہے اب اسلامی نام طوسوس ہے، پوچھا: بادشاہ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: عبدالرحمٰن۔ تملیخا نے اسے پیسے دیئے کہ روٹی دو۔ اس نے جب پیسہ (سکہ) دیکھا تو تعجب سے پوچھا کیا تمہیں خزانہ ملا ہے، کہا نہیں یہ تو میں نے اپنا خرما بیچا ہے اس سے پیسے ملے تھے۔ نانوا نے کہا: یہ جس بادشاہ کا سکہ ہے وہ تین سو سال پہلے دنیا سے گزر چکا ہے۔ اسے پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے کہا اے شخص پریشان مت ہو۔ اگر تمہیں خزانہ ملا ہے تو دین مسیح میں خزانے سے خمس دے دیں تو باقی تمہارا ہے لہٰذا خمس دے دو۔ اس نے کہا بادشاہ میں اجنبی نہیں ہوں، اسی شہر کا رہنے والا ہوں، بادشاہ نے پوچھا اگر یہاں کے ہو تو لوگوں کے نام بتلاؤ؟ تملیخا نے ہزار افراد کے نام بتلائے لیکن بادشاہ کسی کو بھی نہیں پہچانتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا تمہارا اس شہر میں گھر ہے؟ کہا: ہاں، بادشاہ نے ساتھ لیا، اس گھر کی طرف گئے۔ بادشاہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بوڑھا فرتوت باہر نکلا، پوچھا: کیا ہے۔ کہا گیا: یہ شخص کہتا ہے یہ میرا گھر ہے، اس بوڑھے نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے۔ تملیخا نے نام بتلایا تو وہ بوڑھا قدموں پر گر گیا اور کہا: تملیخا میرا دادا تھا۔ اس وقت بادشاہ نے اسے پہچان لیا اور اسے کندھوں پر سوار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ سب نے پوچھا: ساتھی کہاں ہیں، کہا: غار میں ہیں۔ سب لوگ غار کی طرف چلے، تملیخا نے کہا: پہلے مجھے جانے دیں تا کہ انہیں خبر کروں، وہاں جا کر ان سے ملا اور کہا: جانتے ہو ہم غار میں کتنی دیر رہے۔ انہوں نے کہا ایک دن یا کمتر۔ کہا: ہم ۳۰۹ سال غار میں رہے۔ دقیانوس مر چکا ہے اب بادشاہ اور لوگ ہمیں لینے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا اے تملیخا اپنے آپ کو لوگوں کے مایہ آزمائش قرار نہ دیں تو بہتر ہے۔ آؤ خدا سے دعا کریں وہ ہمیں موت دے دے اور جنت میں اپنے جوار میں جگہ دے، سب نے دعا کی، خداوند نے ان کی روح قبض کر لی اور غار کا نشان دنیا کی نظروں سے چھپا دیا۔ (تفسیر برہان، ج ۲، صفحہ ۴۶۰)

قرآن سورہ کہف میں ان کی گفتگو بھی نقل فرماتا ہے: ﴿فَقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا﴾۔

داستان حضرت ابراہیمؑ و ماریا

۴۲ صدیاں پہلے ماریا نامی شخص دریا کے کنارے رہتا تھا، وہ دریا کا خوبصورت پانی اور گل و شگوفہ کو دیکھتا۔

Presented by Ziaraat.Com

پرندوں کی چہچہاہٹ سنتا، رات کو ستاروں کا دلربا منظر دیکھتا تو دل میں کہتا یہ خدا بزرگ و برتر کے وجود کی علامت ہے، وہ ہے جس نے یہ مناظر خلق کیئے۔ وہ ہے جس نے اس کائنات کو نظم دیا۔ جب یہ فکر اس کے دل و دماغ پر چھا گئی تو اس نے دنیا سے قطع تعلق کر لیا اور اپنے آپ کو عبادت سے مختص کر دیا۔ یہاں تک کہ عابد کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اطراف میں سیر کرتے ہوئے ایک دن اس کی توجہ چرنے والی گائے اور گوسفندوں کی طرف چلی گئی، نزدیک گیا دیکھا ایک بہت خوبصورت جوان ان کا چرواہا ہے۔ نزدیک جا کر پوچھا تم کون ہو اور یہ گائے و گوسفند کس کے ہیں؟ اس جوان نے کہا: میں اسحاق ہوں ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا جو کہ پیغمبر خدا ہیں۔ ماریا نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام سنا تو اس کے دل میں ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوگیا۔ اب اس کی خداوند سے دعا ہی یہی تھی کہ ابراہیم کی زیارت کروا دے۔ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر سے نکلے کہ فلسطین کے دشت و صحرا کی سیر کریں، آپ صحرا دیکھ رہے تھے، پہاڑوں کے منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ دریائے میڈیٹرین کے کنارے آ گئے۔ اس کے مناظر دیکھ رہے تھے کہ آپ کی نظر پڑی کہ ایک بوڑھا عبادت خدا میں مشغول ہے، حضرت ابراہیم ایسے لوگوں کو بہت پسند فرماتے تھے لہٰذا اس کی طرف بڑھے، نزدیک جا کر منتظر بیٹھ گئے کہ نماز مکمل کر لے۔ جب اس کی نماز مکمل ہوگئی تو پوچھا تم کون ہو اور کس کی نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ ابراہیمؑ نے سوچا کہ کیا خدائے حقیقی کی عبادت کر رہا ہے یا کسی اور کی بنام خدا۔ لہٰذا پوچھا: خدا سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ خدا جس نے تمہیں اور مجھے پیدا کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ عابد خداوند حقیقی کی عبادت کر رہا ہے لہٰذا بڑے خوش ہوئے حضرت ابراہیم نے کہا تمہارے عقیدہ و عبادت نے مجھے اسیر کر لیا ہے اگر اجازت دو تو کچھ عرصہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں ایک بھائی کی طرح باہم اکٹھے رہیں۔ عابد نے کہا یہ میری خوشبختی ہے تشریف لے آئیں ابراہیم نے پوچھا تمہارا ٹھکانا کہاں ہے، اس نے کہا دریا کی اس طرف۔ پوچھا: دریا کیسے پار کرتے ہو؟ اس نے کہا میں بندہ خدا ہوں، اس کی عبادت کرتا ہوں اس وجہ سے اس نے پانی کو حکم دیا ہے کہ مجھے غرق نہ کرے لہٰذا میں باذنِ خدا پانی پر چل کر اپنے گھر پہنچ جاتا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جس خدا نے تم پر یہ لطف فرمایا شاید مجھ پر بھی یہ لطف کر دے اور پانی کو میرے لئے مسخر کر دے اور میں بھی پانی پر چل سکوں۔ لہٰذا آؤ آج میں تمہارا مہمان ہوں۔ جب دریا پر پہنچے تو عابد نے نام خدا لے کر پانی پر پاؤں رکھا اور چلنے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی بسم اللہ پڑھ کر پانی پر قدم رکھ دیا۔ اور چلتے ہوئے اس پار پہنچ گئے۔ عابد نے بڑا تعجب کیا دل میں سوچا ان کی شخصیت عظیم ہے لہٰذا زیادہ احترام کرنے لگا۔ جب گفتگو شروع ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا کھانا کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا: ان درختوں کے پھلوں کو جمع کر لیتا ہوں یہی میری غذا ہے۔ پوچھا: کون سا دن سب سے بڑا ہے؟ اس نے کہا: جس دن خداوند لوگوں کو حساب کے لئے جمع کرے گا۔ آپ اس

Presented by Ziaraat.Com

کے جواب سے خوش ہوئے اور فرمایا: آؤ مل کر خدا سے گناہ گاروں کے لئے دعا کریں کہ خداوند انہیں اس بڑے دن معاف کردے عابد نے کہا نہیں میں دعا نہیں کروں گا۔ پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں تین سال سے خدا سے ایک دعا کر رہا ہوں لیکن وہ پوری نہیں کرتا لہٰذا اب مجھے شرم آتی ہے کہ کوئی اور دعا خدا سے کروں۔ میں یقیناً اتنا اچھا بندہ خدا نہیں ہوں کہ میری دعا قبول ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ایسا مت کہو۔ خداوند دعا جو قبول نہیں کرتا اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ عابد نے پوچھا: کیا وجہ؟ فرمایا: جب خدا بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے راز و نیاز و مناجات کو بھی پسند فرماتا ہے، کچھ عرصہ خدا اس کی دعا مستجاب نہیں فرماتا تا کہ بندہ زیادہ مناجات کرے، لیکن اگر وہ کسی بندے پر ناراض ہو تو یا اس کی دعا جلدی قبول کر لیتا ہے یا مایوس کر دیتا ہے کہ مزید دعا نہ کرے، جو دعا و مناجات پاک دل سے نکلے وہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔

تم بتاؤ تمہاری دعا کیا تھی؟ عابد نے حضرت اسحاق سے ملاقات کا واقعہ سنایا اور دل میں ابراہیم خلیل کے شوق دیدار کا حال بتلایا اور کہا: یہی دعا کرتا رہا کہ ابراہیم خلیل سے ملاقات ہو، ابراہیم نے فرمایا: میں ابراہیم خلیل ہوں، عابد نے جب یہ سنا تو اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا بوسے دیئے اور کہا الحمد للہ رب العالمین۔ (بحار، ج ۱۲، ص ۷۶)

شجاع نامہ بر

چھٹے سال ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اس دور میں ایران اور روم دو بڑے ملک اور بڑی طاقتیں تھے۔ ایران کا بادشاہ خسرو پرویز تھا۔ یہ ظالم طاغوت تھا۔ انتہائی متکبر تھا کسی کو اس کے حضور بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جو خط لکھا اسے عبداللہ بن حذافہ کے حوالے کیا تا کہ وہ مدائن خسرو پرویز کے پاس لے جائے اور خود اس کے ہاتھ میں جا کر دے۔ عبداللہ اونٹ پر سوار ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا قصر مدائن جا پہنچا، دروازۂ محل پر دربانوں نے روک لیا، اس نے کہا میں سفیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لایا ہوں تا کہ خود خسرو پرویز کے ہاتھ میں دوں۔ دربان نے بادشاہ کو جا کر پیغام دیا۔ اس نے ورود کی اجازت دی۔ اس سے پہلے دربار کو مکمل سجانے کا حکم دیا تا کہ یہ سفیر مرعوب ہو جائے۔ عبداللہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وارد ہو کر اس نے کوئی احترام انجام نہ دیا بلکہ سیدھا جا کر کھڑا ہو گیا، خسرو نے ایک محافظ سے کہا خط اس سے لے کر مجھے دو۔ عبداللہ نے کہا: نہیں۔ بلکہ مجھے حکم ہے کہ خط تمہارے ہاتھ میں دوں۔ خسرو نے عبداللہ سے خط لیا اور مترجم کو دیا کہ جو فارسی میں ترجمہ سنائے ابتداء یوں تھی: از محمد رسول خدا۔ کسریٰ بزرگ فارس کی طرف۔ یہ سنتے ہی خسرو غصے میں لال پیلا ہو گیا اور کہا یہ کون ہے جس نے یہ جرأت کی کہ اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھے۔ مزید خط سننے سے انکار کر دیا اور خط لے کر پھاڑ دیا۔ وہ (حضور پاک) کیسے یہ جرأت کر سکتے ہیں جبکہ وہ ہماری رعیت ہیں۔ اس قاصد کو نکال دو۔ عبداللہ بے

Presented by Ziaraat.Com

خوف و خطر باہر نکلا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو چل پڑا۔ مدینہ پہنچ کر سیدھا حضور کی خدمت میں پہنچا اور رپورٹ پیش کر دی۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا: اسے نیک فال شمار کرو، اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ خداوند اس کی مملکت کو نیست و نابود فرما دے گا۔

خسرو نے اور بدبختی یہ کی کہ یمن کے بادشاہ باذان کو خط لکھا کہ کسی کو بھیجو مدینہ جا کر محمد کو (نعوذ باللہ) گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو۔ جب باذان کو یہ خط ملا تو وہ اعلیٰ حضرت کے فرمان سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اپنی فوج سے دو شجاع ترین افراد چن کر بھیجے، یہ دونوں فرد بابویہ اور خرخسرہ ایرانی تھے اور ایرانی رسم کے مطابق کمر کے ساتھ سونے کے کمر بند اور بازو پر سونے کے بازو بند باندھے ہوئے تھے اور لمبی مونچھوں کے ساتھ اور مونڈی ہوئی داڑھی کے ساتھ وارد ہوئے اور حضور کو ساری صورتحال بیان کی۔ حضورؐ نے فرمایا: کس نے یہ حکم دیا ہے کہ تم ایسی شکلیں بناؤ، اس نے کہا ہمارے حاکم خسرو پرویز نے، حضورؐ نے فرمایا: میرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ مونچھیں مونڈی ہوں اور داڑھی رکھی ہو بہرکیف بیٹھو؟ پھر حضور نے قرآن کی کچھ آیات کی تلاوت فرمائی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کر دیا اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے پر زور دیا۔ حضورؐ نے فرمایا: کل صبح آنا میں جواب دوں گا۔ صبح جب وہ آئے تو حضور نے فرمایا: کل رات اتنے بجے خسرو اپنے بیٹے شہرویہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ یمن جاؤ، باذان کو کہنا اگر اسلام قبول کر لے تو اس کی حکومت چلتی رہے گی اور اگر قبول نہ کرے تو اس کی حالت خسرو والی ہوگی۔ جب یہ قاصد اس کے پاس پہنچے اسی وقت ایران سے قاصد حکم لایا جس میں شہرویہ نے لکھا تھا میں نے خسرو کو (اپنے والد کو) قتل کر دیا ہے، یمن میں میرے لئے بیعت لو اور مدینہ والے مدعی نبوت سے کوئی سروکار نہ رکھو۔ (مکاتیب الرسول صفحہ ۹۰)

شجاعت مسلمان

ایک جنگ میں عبداللہ بن حذافہ دوسرے اسی افراد کے ساتھ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے انہیں روم کے شہنشاہ ہرقل کے پاس لے جایا گیا، اس نے عبداللہ سے کہا تم عیسائیت قبول کر لو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ عبداللہ نے کہا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہرقل نے کہا اگر ہمارا مذہب قبول کر لو تو تمہیں مقام و منصب عطا کر دیں گے۔ اور تم بڑے معقول اور اچھے آدمی نظر آتے ہو میں تمہیں حکومت میں شریک کر لوں گا۔ عبداللہ نے کہا: اگر تم جو کچھ تمہاری حکومت میں ہے وہ سب مجھے دے دو تو ایک لحظے کے لئے بھی اسلام سے رخ نہیں موڑوں گا۔

ہرقل نے دھمکی دی۔ کہا اسے دار پر آویزاں کر دو اور تیروں سے نشانے مارو، عبداللہ پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے دار سے اتارا گیا۔ اور بادشاہ نے حکم دیا آگ پر ایک بڑا سا برتن رکھو اس میں روغن زیتون ڈال کر خوب گرم کرو، ایک مسلمان قیدی کو اس میں ڈالا گیا، اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو گیا، بادشاہ نے عبداللہ سے کہا اگر عیسائیت کو

Presented by Ziaraat.Com

قبول نہیں کرو گے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ عبداللہ نے کہا کبھی نہیں، اسلام نہیں چھوڑوں گا۔ بادشاہ نے کہا: اسے دیگ کے نزدیک لے جاؤ۔ جب دیگ کے نزدیک پہنچے تو عبداللہ نے گریہ شروع کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو۔ کہا میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس خاطر کہ ایک جان چلی جائے گی کاش میرے بدن کے بالوں برابر میری جان ہوتی اور میں اسلام پر قربان کر دیتا۔ بادشاہ عبداللہ کی عظمت پر حیرت زدہ رہ گیا۔ کہا: اگر عیسائیت قبول کر لو تو اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کروں گا اور نصف مملکت دے دوں گا۔ عبداللہ نے کہا قطعاً ممکن نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا: چلو آ کر میرے سر کا بوسہ لو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ عبداللہ نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہوسکتا میں اپنی جان بچانے کے لئے ایک طاغوت کا سر نہیں چوم سکتا۔ بادشاہ نے کہا اگر میرے سر کا بوسہ لو گے تو تمہیں اور تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دوں گا۔ عبداللہ نے اس شرط پر قبول کیا کہ اپنی آستین اس کے سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے بوسہ دے گا۔ یوں شرط پوری کر دی اور تمام مسلمان رہا ہو گئے۔ جب واپس مدینہ آئے اور مسلمان اس کی داستان سے مطلع ہوئے تو سب نے اس کا احترام کیا اور احترام میں اس کے سر کے بوسے لیتے۔ ہرقل نے حاکم مسلمین کو خط میں عبداللہ کے بارے لکھا اگر یہ ہمارے دین پر ہوتا تو عبادت کی حد تک اس کا احترام کرتا۔ (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ٦٦، اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۴۳)

نامہ بر کون کون تھے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی مختلف اطراف میں قاصد بھیجے تھے۔ (۱) یعقوبس کو یروشلم کی طرف بھیجا۔ (۲) یوحنس کو افسوس کی طرف بھیجا (یہ اصحاب کہف والی بستی ہے جو کہ اردن میں تھی)۔ (۳) ابن ثلما کو عربی علاقوں کی طرف یعنی حجاز کی طرف بھیجا۔ (۴) تھامس کو بابل کی سرزمین پر بھیجا۔ (۵) فیلیپس کو افریقہ کی طرف بھیجا۔ (۶) پطرس اور پولس کو روم کی طرف بھیجا۔ (۷) دو نفر کو انطاکیہ بھیجا جہاں وہ گرفتار ہو گئے ان کے پیچھے حضرت شمعون الصفا کو بھیجا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ بر

جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصد کیا کہ مختلف حکام کی طرف قاصد بھیجیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ بادشاہ مہر کے بغیر خط کو نہیں پڑھتے۔ تو حضور نے مہر بنوائی۔ کلینیؒ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے حضور کی انگشتری مبارک چاندی کی تھی اور اس پر "محمد رسول اللہ" تحریر تھا۔ (فروع کافی، ج ٦، ص ۴۷۴)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ ہجری آواخر ذی الحجہ کو چھ قاصد چھ اطراف بھیجے: (۱) شجاع بن وھب اسدی کو (بدری تھے)، حارث غسانی کی طرف بھیجا جو کہ شام میں رومی بادشاہ کی طرف سے حاکم تھا۔ (۲) حاطب بن ابی بلتعہ قریشی کو مقوقس کی طرف بھیجا جو کہ اسکندریہ میں رومی حکومت کا نمائندہ تھا۔ (۳) سلیط بن عمرو عامری کو ہوذہ بن علی کی طرف یمامہ بھیجا۔ (۴) عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی طرف حبشہ بھیجا۔ (۵) عبداللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔ (۶) دحیہ

Presented by Ziaraat.Com

بن خلیفہ کلبی قیصر روم کی طرف بھیجا گیا۔ (۷) حضور پاک ﷺ نے قبائل غطفان کو بھی خط بھیجا۔ فتح خیبر سے پہلے رُفاعہ بن زید جذامی رسول اللہ ﷺ پر وارد ہوا اور اسلام لے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی قوم کو خط لکھا اور اسے دیا کہ تم یہ خط لے جاؤ، وہ لے گیا اور قوم نے اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔

شجاعت زن مؤمنہ

سودہ بنت عمارہ شجاع ترین عورت تھی تاریخ نساء میں، جنگ صفین میں اپنے اشعار کے ذریعے لشکر حق میں جوش و جذبے بیدار کرتی رہی، یہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ معاویہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی، معاویہ نے اپنے کاتب سے کہا اس عورت کا نام لکھ لو، اس نے ہمیں بہت تنگ کر دیا ہے، جب بعد میں موقع ملا تو اس سے حساب کتاب کریں گے اور سخت انتقام لیں گے۔ جنگ صفین میں اپنے بھائی کو مخاطب قرار دیتے ہوئے یہ شعر کہے۔

بھائی! اے عمارہ کے بیٹے اب حق و باطل کی جنگ شروع ہو چکی ہے اپنے باپ کی طرح کمر ہمت باندھ لو اور شجاعانہ طریقے سے کھڑے ہو جاؤ اور علی علیہ السلام اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کا دفاع کرو۔

وقت گزر گیا، حضرت علی علیہ السلام شہید ہو گئے، معاویہ حاکم اسلامی بن گیا، ظالم حاکم شہروں پر مسلط کر دیئے، ان میں سے ظالم ترین گورنر بسر بن ارطاۃ تھا۔ سودہ نے جب اس کا ظلم دیکھا تو شکایت لے کر معاویہ کے دربار شام پہنچ گئی۔ معاویہ کو بتایا گیا یہ وہی سودہ ہے جو جنگ صفین میں ہمارے خلاف شعار دیتی تھی۔ اب قصر کے باہر اجازت کی منتظر ہے سودہ کو اجازت دی گئی۔ امیر شام تخت پر بیٹھا ہے کہتا ہے تم وہی ہو جس نے جنگ صفین میں ہمارے خلاف لشکر علی کی حمایت کی حد کر دی۔ وہ اشعار جو تم نے پڑھے اور آج بھی ان کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے کس کے تھے؟ سودہ نے کہا وہ میرے اپنے اشعار تھے اور چھپاؤں گی نہیں۔ معاویہ نے کہا تم نے ہمارے خلاف شعر اور شعار کیوں کہے۔ سودہ نے کہا علی کی محبت اور حق کی پیروی کی خاطر۔ پھر بات لمبی ہوئی تو سودہ نے کہا گزشتہ کو چھوڑو میری شکایت سنو اور اس کا ازالہ کرو۔ پوچھا: کیا ہے؟ سودہ نے کہا: تم اس وقت ہمارے حاکم ہو۔ کل قیامت کے دن تمہیں حساب دینا ہے ہم پر جو گزر رہی ہے تم اس کے ذمہ دار ہو، گورنروں کے تم مسئول ہو۔ بسر کو تم نے ہم پر مسلط کر دیا ہے جو ہمیں اسپند کے دانوں کی طرح اپنے جوتوں کے نیچے پیس رہا ہے اور ہمارے اموال لوٹ لیتا ہے ہمارے افراد کو قتل کرتا ہے میں تمہارے پاس آئی ہوں کہ یا تو اسے ہٹا کر شکریئے کا موقع دو ورنہ ہم اطاعت چھوڑ کر شورش پر آمادہ ہیں۔

معاویہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ ایک عورت اس کے سامنے اس طرح کی گفتگو کرے گی سخت طیش میں آ گیا۔ سودہ کی شکایت کے ازالے کے بجائے اسے دھمکیاں دیں اور کہا مجھے اپنے قبیلے سے ڈراتی ہو۔ میں سوچ رہا ہوں تمہیں اسی بسر کے پاس بھیجوں تاکہ وہ تمہارا حساب کرے۔ سودہ نے جب یہ دیکھا تو اسے علی علیہ السلام کی محبت و عدالت یاد

Presented by Ziaraat.Com

آ گئی اور بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے اور اسی عشق میں یہ دو شعر پڑھے مدح علیؑ میں ؎

صلی الا لہ علی جسم تضمّنہ قبر — فاصبح فیہ العدل مدفونا

قد حالف الحق لا یبغی بہ بدلا — فصار بالحق والایمان مقرونا

درود وسلام ہو اس جسم پر جو قبر میں مدفون ہوگیا اور درنتیجہ عدل اس قبر میں مدفون ہوگیا اس نے قسم کھائی تھی کہ حق سے جدا نہ ہوگا کہ اس کے بجائے کچھ اور لے آئے وہ حق وایمان کے ساتھ مل چکا تھا۔

معاویہ نے پوچھا: تمہاری مراد کون ہے؟ سودہ نے کہا: امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام۔ معاویہ نے پوچھا: علی نے کیا کیا ہے؟ سودہ نے کہا: توجہ سے سنو علی نے کیا کیا۔ علیؑ کی طرف سے ایک نمائندہ زکوٰۃ جمع کرنے آیا، اس نے زکوٰۃ لینے میں سختی کی اور کچھ زیادتی کی۔ میں اس کی شکایت لے کر علیؑ کے پاس گئی۔ مولاؑ اس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے جب مجھے دیکھا تو نماز شروع نہ کی اور مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے عرضی پیش کی مامور کی شکایت کی، جب مولا نے سنا تو سخت پریشان ہوگئے آنکھیں بھر آئیں۔ خدا کی طرف توجہ کی عرض کی یا اللہ تو گواہ رہنا میں نے ان ماموروں کو قطعاً ایسا حکم نہیں دیا۔ پھر بلا فاصلہ اپنی جیب سے ایک چمڑے کا ٹکڑا نکالا اور اس پر اس نمائندے کو لکھا بعد از بسملہ سورہ ہود کی آیت ۸۴ لکھی اور لکھا میرا خط ملتے ہی جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے سنبھال رکھو یہاں تک کہ میرا نمائندہ آ کر تم سے وصول کرے اور تمہاری ذمہ داری ختم ہے۔

اے معاویہ علی نے خط لکھ کر مہر کئے بغیر مجھے دیا میں نے جا کر اس حاکم کو دیا اور وہ برکنار ہوگیا۔ معاویہ نے جب یہ سنا تو متاثر ہوا اور حکم دیا سودہ سے خوش اخلاقی کی جائے۔ سودہ نے کہا یہ صرف میرے لئے ہے یا سب کے لئے یعنی میری قوم کے لئے۔ معاویہ نے کہا: صرف تمہارے لئے ہے۔ سودہ نے چیخ کر کہا: صرف میرے لئے ہو تو یہ باعث ننگ و عار ہے یا سب مومنین میرے ساتھ شریک ہوں یا مجھے بھی ان جیسا رہنے دو۔ معاویہ نے مجبوراً حکم دیا سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان کے اموال واپس کر دیئے جائیں۔ (اعلام النساء از اتلیدی)

فرعونِ امت اسلام

جب سورہ رحمٰن نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے پوچھا: تم میں سے کون جا کر مشرکین پر اس کی تلاوت کرے گا۔ ابن مسعود نے کہا: میں۔ حضورؐ نے کہا: تم بیٹھو۔ پھر پوچھا، پھر ابن مسعود اٹھے۔ حضورؐ نے اجازت دی۔ آپ کعبہ گئے اور جا کر تلاوت شروع کی۔ سب مشرک وہاں بیٹھے تھے۔ جب سورہ مکمل ہوگئی تو ابوجہل نے اٹھ کر ابن مسعود کو اتنا مارا کہ کان کو بھی زخم لگا یا اور ناک سے بھی خون جاری ہوگیا، آپ خون وخون حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

Presented by Ziaraat.Com

میں حاضر ہوئے۔ آپ کی حالت دیکھ کر حضور ﷺ سخت غمگین ہوئے۔ اسی حالت میں جبرئیلؑ ہنستے ہوئے نازل ہوئے۔ حضور ﷺ نے سبب پوچھا۔ عرض کیا: عنقریب اس کا سبب واضح ہو جائے گا۔ کچھ مدت بعد جنگ بدر پیش آ گئی ابن مسعود پر بڑھاپے کی وجہ سے جہاد فرض نہیں تھا۔ حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا: تلوار لے جاؤ زخمیوں کو دیکھو اگر کوئی مشرک زندہ ہو تو اسے مارو، تم شریک جہاد ہو جاؤ گے۔ ابن مسعود گئے دیکھا ابوجہل زخمیوں میں موجود ہے دور سے نیزہ اس کی گردن میں چبھویا کہ کہیں اٹھ ہی نہ بیٹھے، دیکھا وہ حرکت نہیں کر سکتا تو جا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے، ابوجہل نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے چرواہے بڑی بلند جگہ پر چڑھ بیٹھے ہو، کہا: ﴿الاسلام یعلو و لا یُعلی علیه﴾ اسلام بلند ہے اس پر کچھ بلند نہیں ہوتا۔ ابوجہل نے کہا اب جبکہ میری گردن کاٹ رہے ہو تو نیچے سے کاٹنا تاکہ محمد کے سامنے جب نیزے پر سر سوار ہوں تو میرا سر سب سے بلند ہو، گردن کاٹ لی اب اٹھا کر چل نہیں سکتے تھے نیزے سے اس کے کان میں سوراخ کیا اور اس میں رسی ڈال کر کھینچتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں لے گئے، اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: یا رسول اللہؐ! یہ اس زخمی کان کا بدلہ ہے جو ابوجہل نے ابن مسعود کا کیا تھا۔ ابن مسعود نے ابوجہل کی آخری گفتگو حضور ﷺ کو بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: میرا فرعون موسیٰؑ کے فرعون سے زیادہ ہٹ دھرم تھا اس نے آخری وقت توبہ کی خواہش کی، لیکن اس فرعون کی سرکشی موت کے وقت اور بڑھ گئی۔ (مقتنیات الدرر، ج۱۴۳)

مسلمان مجاہد

تاریخ میں آیا ہے کہ جب جنگ احد کا دن آیا تو عمرو بن جموح کے چار شیر دل بیٹے تھے لیکن خود لنگڑا ہونے کی وجہ سے عاجز تھا، بیٹوں نے کہا خداوند نے آپ کو جہاد سے معذور فرمایا ہے لہٰذا آپ گھر میں آرام کریں، سب حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عمرو نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! میرے بیٹے مجھے آپ کا جہاد میں ساتھ دینے سے روکنا چاہتے ہیں میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس امید کے ساتھ ہوں کہ اسی شل پاؤں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: خداوند نے تمہیں جہاد سے معذور فرمایا ہے لہٰذا جہاد تم پر واجب نہیں ہے۔ پھر حضورؐ نے اس کے بیٹوں سے فرمایا: اسے مت روکو، ہو سکتا ہے خداوند اسے درجۂ شہادت نصیب فرما دے۔ یہ عمرو بن حرام کے داماد تھے۔ لہٰذا یہ بھی حضورؐ کے ساتھ نکلے۔ حضور پاکؐ ہزار افراد کے ساتھ احد کے لئے نکلے کہ راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول منافق اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے واپس آ گیا کہ ہم کیوں اپنے آپ کو بلا وجہ موت کے منہ میں دھکیلیں۔ بنی حارثہ و بنی سلمہ بھی واپسی کا سوچ رہے تھے کہ خداوند نے انہیں اس غلطی سے بچا لیا، جابر انصاری کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام لوگوں کو آوازیں دے رہے تھے کہ اے لوگو رسول خدا ﷺ کو دشمن کے مقابلے میں تنہا مت

Presented by Ziaraat.Com

چھوڑو۔ جابر بن عبداللہ انصاری کے والد عبداللہ بوڑھے تھے لیکن جابر کے علاوہ سات بیٹیاں تھیں۔ جابر سے کہا مناسب نہیں ہے ہم دونوں چلے جائیں اور یہ سب عورتیں تنہا رہ جائیں، لہٰذا تم ان کے پاس رہو میں جہاد پر جاتا ہوں۔ یوں یہ دونوں بزرگ جنگ میں شہید ہوگئے۔

تاریخ کا عجیب واقعہ

حضور پاک ﷺ کے دور میں ابوعمرو راہب اسلام لایا لیکن اسے جو توقع تھی مقام کی وہ نہ ملا۔ منافقوں کے ساتھ مل گیا اور مسجد ضرار بھی اس کا کارنامہ تھی۔ اور منافقوں کا رئیس عبداللہ بن اُبی منافق مشہور تھا جو اس جنگ سے واپس بھی چلا گیا۔ اب اس ابوعمرو راہب کا بیٹا حنظلہ تھا جو اس منافق عبداللہ بن ابی کا داماد تھا۔ اس حنظلہ کی شادی جنگ احد والی رات ہوئی، حضور ﷺ سے اجازت مانگی بیوی کے ساتھ رہنے کی، حضور ﷺ نے اجازت فرما دی اور سورہ نور کی آیت ۶۲ اسی بارے نازل ہوئی، صبح سویرے جب ندائے جہاد ہوئی تو یہ اسی حالت جنابت میں جلدی جلدی جہاد پر آگئے اور ابوسفیان کو دیکھا تو اس پر حملہ کر کے اسے گرا لیا، ابوسفیان اٹھ کر بھاگا اور آواز دی لوگو میں ابوسفیان ہوں مجھے حنظلہ سے بچاؤ۔ یوں یہ شہید ہوئے اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے زمین و آسمان کے درمیان دیکھا ہے ملائکہ حنظلہ کو چاندی کے برتنوں میں پانی بھر بھر کر غسل دے رہے ہیں اس وجہ سے یہ ”غسیل ملائکہ“ کے نام سے معروف ہوئے۔

قضیم کون ہے؟

جنگ احد شروع ہوئی تو مشرکین کی طرف سے علمدار طلحہ بن ابی طلحہ (بنی عبدالدار کا کبش الکتیبہ) صفوں کے درمیان آ کر مبارز طلبی کرنے لگا۔ حضرت علی علیہ السلام مقابلے کے لئے نکلے، اس نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں علی بن ابی طالب ہوں۔ طلحہ نے کہا: اے قضیم میں جانتا تھا تیرے علاوہ کسی میں میرے مقابل آنے کی جرأت نہیں تھی۔

قمی نے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے سوال ہوا: طلحہ نے امیر المومنین کو قضیم کہا اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: حضرت ابو طالب کا قریش میں مرتبہ اتنا عظیم تھا کہ قریش حضور اکرم ﷺ کے خلاف کسی اقدام کی جرأت نہیں کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے بچوں کو سکھایا کہ جب حضورؐ باہر آئیں تو انہیں پتھر ماریں۔ حضورؐ نے علیؑ سے ذکر کیا تو عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مجھے ساتھ لے جایا کریں اس کے بعد حضورؐ علیؑ کو ساتھ لے جاتے، اب بچے جب پتھر مارتے تو علیؑ پکڑ کر اسے مارتے بچے گھر جا کر روتے ہوئے بتلاتے ﴿قضمنا علیّ﴾ علی نے ہمیں مارا ہے ہمارے کان کھینچے ہیں۔ اس دور میں عربوں میں علی کا نام قضیم مشہور ہوگیا۔ (تاریخ تحقیقی اسلام از محمد ہادی یوسفی غروی، ج ۲، ص ۵۴)

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

عبداللہ مشہور ترین سخی شخص تھے۔ سفینۃ البحار جلد ۲ میں ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ گزر رہے تھے عبداللہ

Presented by Ziaraat.Com

بچے تھے، دیکھا مٹی سے مختلف چیزیں بنا رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے سوال کیا: ان چیزوں کو کیوں بنا رہے ہو؟ عبداللہ نے جواب دیا: انہیں بیچوں گا، فرمایا: یہ بتاؤ کس لئے بیچو گے یعنی پیسوں کا کیا کرو گے؟ عرض کیا: کھجوریں خریدوں گا اور کھاؤں گا۔ ﴿فقال النبیّ: اللّٰهم بارك في صفقة يمينه﴾ حضور ﷺ نے دعا فرمائی: خدایا اس کی تجارت میں برکت نصیب فرما۔

عبداللہ بعد میں بیان کرتے ہیں اس دعا کے صدقے میں جب بھی جو کچھ بیچتا ہوں ہمیشہ فائدہ اٹھاتا ہوں۔

آپ اتنے سخی مشہور تھے کہ لوگ ایک دوسرے سے قرض لیتے تو واپسی کا وعدہ عبداللہ کی بخشش کے وقت پر دیتے۔

(پند تاریخ، جلد ۴، ص ۴۳)

ھیثم بن عدی کہتے ہیں: تین افراد آپس میں بحث کر رہے تھے کہ اسلام کا سخی ترین شخص کون ہے؟ ایک نے کہا: عبداللہ بن جعفر۔ دوسرے نے کہا: عرابہ اوسی، اور تیسرے نے کہا: قیس بن سعد بن عبادہ۔ طے یہ پایا کہ چلو آزما لیتے ہیں۔ یہ تینوں مکہ میں تھے کہ جو جس کو سخی ترین کہتا ہے وہ اس کے پاس جائے اور کوئی چیز مانگے۔

جو عبداللہ بن جعفر کو سخی کہتا تھا وہ ان کے پاس آیا، جب وہاں پہنچا دیکھا عبداللہ اونٹ پر سوار ہو رہے ہیں، سوال کیا اے رسول خداؐ کے چچازاد میں مسافر ہوں، یہاں پردیسی ہوں میری مدد کریں! عبداللہ فوراً اونٹ سے اتر آئے اور کہا: اس اونٹ پر سوار ہو جاؤ جو کچھ اس کے اوپر سامان ہے وہ سب تمہارا ہے اور یہ تلوار بھی لے لو جو کہ ہمارے عم علی بن ابی طالب کی تلوار ہے، اس نے یہ سب لے لیا، جب دیکھا اونٹ کی خرجین میں چار ہزار دینار اور چند ریشمی ردائیں تھیں۔

دوسرا شخص قیس بن سعد بن عبادہ کے پاس گیا وہ سوئے ہوئے تھے کنیز نے سائل کو بتلایا کہ قیس سوئے ہوئے ہیں کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں مسافر ہوں وطن واپسی کا ذریعہ نہیں رکھتا ہوں، کنیز نے کہا: تمہاری حاجت اتنی نہیں کہ اس کی خاطر قیس کو بیدار کروں، یہ تھیلی لو اس مین سات سو دینار (ستر ہزار درہم) ہیں، خدا شاہد ہے کہ اس وقت قیس کے گھر میں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جاؤ اونٹوں کے باڑے میں وہاں سے اس نشانی کا اونٹ تمام ضروری سامان کے ساتھ لے لو اور ایک غلام بھی لے لو۔

تیسرا عرابہ اوسی کے پاس گیا۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور نظر ختم ہو گئی تھی اپنے دو غلاموں کے سہارے مسجد جا رہے تھے، اس نے مدد کی درخواست کی کہ میں مسافر ہوں میری مدد کریں۔ عرابہ نے کہا یہ دونوں غلام تم لے لو، افسوس کہ لازمی حقوق نے عرابہ کے پاس کچھ اور نہیں چھوڑا۔ اس سائل نے کہا میں یہ غلام نہیں لوں گا یہ آپ کا سہارا ہیں عرابہ نے کہا اگر تم نہیں لو گے تو میں یہ غلام آزاد کر دوں گا۔ چاہو تم لے ورنہ یہ آزاد ہیں یہ کہہ کر عرابہ دیوار کا سہارا لے کر اپنے گھر واپس چلے گئے۔ یہ تینوں جب اکٹھے ہوئے تو نتیجہ یہ نکالا کہ یہ تینوں افراد اپنے دور کے سب سے سخی افراد میں سے ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

اوران تینوں میں انہوں نے کہا: عرابہ زیادہ سخی ہیں۔ (مستطرف، ج۱، ص۸۲)

سامری

سامری وہ شخص ہے جس نے قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت گمراہ کر دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر میقات کے لئے گئے تھے۔ سامری ذہین آدمی تھا۔ قوم موسیٰ جب مصر سے نکل رہی تھی تو یہ سب سے آگے تھا، دریائے نیل پر گھوڑ رک گئے تو حضرت جبرئیل سفید براق گھوڑی پر سوار آئے وہ آگے آگے چلے تاکہ گھوڑے پیچھے چلتے ہوئے آئیں۔ سامری نے دیکھا کہ اس گھوڑی کے قدم جہاں پڑتے ہیں وہاں کی مٹی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اس نے اس کے سموں کی جگہ کی مٹی اٹھالی اور ایک تھیلی میں محفوظ کر لی۔

جب موسیٰؑ میقات پر گئے اور شیطان نے ایک شخص کی شکل میں آکر کہا: موسیٰ تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں تو سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو گئے۔ شیطان نے کہا: تمہارے پاس جو زیور ہیں لے آؤ۔ ان سے اس نے گئوسالہ بنایا۔ سامری نے وہ مٹی اس گئوسالہ کے اندر ڈال دی، جس سے اس میں حرکت پیدا ہوگئی اور گئوسالہ حقیقی کی طرح آوازیں نکالنے لگا اور اس پر بال بھی اُگ آئے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا تو سب سجدے میں گر گئے۔ حضرت ہارونؑ نے بڑا روکا لیکن وہ نہ مانے۔

دس ذی الحجہ کو خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات اور الواح عطا کیں اور کہا ہم نے تیرے بعد بنی اسرائیل کو آزمایا ہے سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے ﴿فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾۔ موسیٰ نے عرض کیا: ﴿العجل من السامری فالخوار ممّن؟﴾ خداوندا یہ گئوسالہ تو سامری کی طرف سے ہے لیکن اس کی آواز کہاں سے تھی؟ ﴿قال منی یا موسیٰ﴾ ارشاد ہوا اے موسیٰ آواز ہماری طرف سے تھی۔ واپس آئے تو دیکھا صورتحال بدتر ہے، سب منحرف ہو کر گئوسالہ پرستی پر مائل ہیں۔ سامری سے پوچھا: تو اس نے کہا جو چیز میں نے دیکھی وہ کسی اور نے نہ دیکھی، میں نے سم اسب جبرئیل کی مٹی اٹھالی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گئوسالہ کو آگ لگا دی اور دریا میں پھینک دیا، اور سامری کے قتل کا ارادہ کیا تو وحی ہوئی خدا نے فرمایا: ﴿لَا تَقْتُلْهُ فانه سخیٌّ﴾ اسے قتل نہ کرو وہ سخی ہے۔

(بحار، جلد۱۳، ص۲۰۶)

ایک واقعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے، ایک کافر یمن سے حاضر ہوا اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافی اذیت کی۔ اس حد تک کہ چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپ اس کے حق میں بددعا کرنا چاہتے تھے کہ جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور عرض کیا: خداوند فرماتا ہے اس کے حق میں بددعا نہ کرنا یہ سخی ہے۔ اپنے قبیلہ میں سائل کو خالی نہیں لوٹاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور پرسکون ہوگیا اور اس شخص سے فرمایا: اگر تم سخی نہ ہوتے تو آج میں تمہیں نمونہ عبرت بنا دیتا۔ اس نے جب یہ سنا تو فوراً اسلام قبول

Presented by Ziaraat.Com

کرلیا اور عرض کیا: بالکل اسی طرح ہے جب بھی کوئی سائل آتا ہے تو میں خالی نہیں لوٹاتا ہوں۔

(فروع کافی، ج ۴، ص ۳۹)

حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت

ایک جنگ میں ایک مشرک آپ کے مقابل آیا، اس نے دورانِ جنگ کہا: اے علی اپنی تلوار مجھے دے دیں، آپؑ نے اپنی تلوار اس کی طرف پھینک دی، اس کافر نے جب یہ دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ عرض کیا: اے علی بن ابی طالب مجھے حیرت ہے اس صورتحال میں آپ نے اپنی تلوار دشمن کو دے دی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم نے مجھ سے سوال کیا اور کریم سے جب سوال کیا جاتا ہے تو وہ خالی نہیں لوٹایا کرتا۔ کافر اپنے گھوڑے سے اتر آیا، اور قدم علیؑ چوم لیے اور ایمان لے آیا۔ (پند تاریخ، جلد ۴، ص ۵۱)

ایک مومنہ عورت

عمرو بن جموح کی بیوی ہند بنت عمرو بن حرام میدانِ احد میں آئی اور اپنے عزیزوں کے لاشوں کو اکٹھا کیا اور اونٹ پر لاد کر مدینہ کی طرف چلی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک شہادت کی خبر پھیل چکی تھی لہٰذا مدینہ کی عورتیں ازواج رسول خداؐ کے ساتھ احد کی طرف آ رہی تھیں۔ ہند کو جب انہوں نے دیکھا تو پوچھا: حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا خبر ہے؟ اس عورت نے اونٹ پر اپنے شوہر، بھائی اور بیٹے کا لاشہ رکھا ہوا تھا، بڑے سکون سے جواب دیتی ہیں بڑی خوشی کی خبر ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور صحیح و سالم اور اس عظیم نعمت کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ اور دوسری خبر یہ ہے کہ خداوند نے کافروں کو ان کے غیظ و غضب کے باوجود واپس لوٹا دیا ہے۔ پھر انہوں نے سوال کیا: یہ اونٹ پر کس کے لاشے ہیں؟ کہا: ایک میرا شوہر ہے، ایک بھائی ہے اور ایک بیٹا ہے۔ مدینہ لے جا رہی ہوں تا کہ وہاں انہیں دفن کر سکوں۔ ہند اونٹ کی مہار پکڑ کر جا رہی تھی کہ ایک مرتبہ اونٹ رک گیا آگے نہیں جا رہا، وہ کھینچ رہی ہے لیکن اونٹ حرکت نہیں کرتا لیکن جب اونٹ کو احد کی طرف چلاتی ہے تو آرام سے چل پڑتا ہے، ہند احد کی طرف واپس آ گئی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا شوہر احد کی طرف نکلا تھا تو اس نے کیا کہا تھا؟ ہند نے کہا: میرے شوہر نے بارگاہ خدا میں دعا کی تھی خدایا مجھے میرے گھر واپس نہ لوٹانا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے شوہر کی دعا خداوند نے مستجاب فرما دی، خدا نہیں چاہتا کہ عمرو کا لاشہ اس کے گھر جائے۔ لہٰذا تمہارے اوپر لازم ہے کہ ان تینوں لاشوں کو یہیں احد میں دفن کر دو۔ جان لو آخرت میں یہ تینوں اکٹھے ہوں گے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرمائیں میں بھی آخرت میں ان کے ساتھ رہوں۔

خولہ مادرِ محمد حنفیہ

بحارالانوار میں ہے کہ خلیفہ اول کے زمانے میں خولہ کو قبیلہ کے ہمراہ ارتداد کی تہمت لگا کر گرفتار کیا گیا اور انہیں مدینہ لایا گیا، مسجد النبیؐ میں انہیں داخل کیا گیا جب خولہ کی نظر قبر اطہر رسول خداؐ پر پڑی تو سلام کیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ میرا سلام سن رہے ہیں اور میرے سلام کا جواب دے سکتے ہیں، یا رسول اللہؐ ہمیں آپؐ کے بعد اسیر کرلیا گیا حالانکہ شہادتین کے قائل ہیں، طلحہ و زبیر کھڑے ہوئے چادر خولہ کے سر پر ڈالی اور کہا جب تجھے کنیزوں کے ساتھ بیچیں گے تو ہم زیادہ سے زیادہ بولی لگا کر تمہیں خرید لیں گے، خولہ نے کہا: میرا مالک وہی بن سکے گا جو مجھے میری ماں کے اس وقت کے خواب کا بتلائے گا جب میں حمل کی صورت میں تھی۔ نیز میری ماں نے مجھ سے کیا کہا اور کیا میں نے اپنی ماں سے کہا یہ بھی بتلائے۔ طلحہ و زبیر نے کہا ہم غیب تھوڑی جانتے ہیں کہ یہ سب بتلا سکیں۔ اسی اثناء میں مولا امیرؑ مسجد میں تشریف لائے۔ ماجرا پوچھا، جب بتلایا گیا تو فرمایا: میں بتلاؤں گا۔ خولہ نے جب یہ سنا تو عرض کیا آپ کون ہیں؟ فرمایا: ﴿انا عیبة علم رسول الله علی بن ابی طالب﴾ میں رسول خداؐ کے علم کا حامل علی ہوں۔ خولہ نے کہا میں سمجھتی ہوں آپ وہی ہیں کہ جسے رسول خداؐ نے غدیر خم میں خلافت پر منصوب فرمایا تھا؟ حضرت نے فرمایا: ہاں میں وہی ہوں۔ جب اس نے یہ سنا تو عرض کیا: ہمیں آپ کی محبت کے جرم میں مارا گیا اسیر کیا گیا دربدر کیا گیا، حضرتؑ نے فرمایا: تمہارا اجر خدا کے ہاں ضائع نہیں ہوگا۔ پھر حضرت نے فرمایا: کیا تمہارا حمل قحط والے سال نہیں تھا جب حیوانوں کو صحرا میں چارا نہیں ملتا تھا، چشموں سے پانی خشک ہو چکا تھا؟ خولہ نے عرض کیا: ہاں ایسا ہی تھا۔ مولاؑ نے فرمایا: تمہاری ماں اپنے شکم پر ہاتھ پھیرتی اور تجھ سے کہتی تم کیسے بدقسمت بچے ہو کہ میں اس قحط والے سال تمہارے حمل سے ہوں اور نویں مہینے تمہاری ولادت کا خواب دیکھا اور تجھ سے کہا غیر مبارک زمانے میں تم سے حاملہ ہوئی، تم اپنی ماں سے کہتی ماں میں غیر مبارک نہیں ہوں، میں بہت خوش بخت ہوں کہ ایک بڑی ہستی میرا شوہر ہوگی اور اس سے خدا مجھے ایک بیٹا دے گا جو قبیلہ حنفیہ کے لئے عزت و شرف کا باعث ہوگا، حضرتؑ نے پوچھا: کیا ایسا ہی تھا؟ خولہ نے عرض کیا: جی ایسا ہی تھا۔ یہ بھی بتلا دیں وہ کون سی علامت تھی جو میرے اور میری ماں کے درمیان تھیں؟ فرمایا: تمہاری ولادت کے بعد تمہاری ماں نے اس خواب کی پوری حقیقت کو تانبے کی لوح پر کندہ کروا کے گھر کی چوکھٹ میں دفن کر دیا، جب تم دو سال کی ہوئی تو اس نے اپنا خواب تمہیں سنایا اور تم نے وہی جواب دیا جو خواب میں اسے کہہ چکی تھی، جب تم چھ سال کی ہوئی تو پھر اس کی تجدید کی اور پھر لوح تمہارے حوالے کی اور کہا: اے بیٹی اگر دشمن آ کر قبیلہ کو غارت کرے اور تم اسیر ہو جاؤ تو یہ لوح اپنے سے جدا نہ کرنا جو تمہیں اس کی خبر دے کوشش کرنا وہی تمہارا مالک بنے، خولہ نے کہا جی مولا ایسا ہی ہوا۔ اب آپ یہ بھی بتلا دیں وہ لوح کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ لوح تم نے بالوں میں چھپا رکھی ہے، خولہ نے بالوں سے وہ

Presented by Ziaraat.Com

لوح نکالی، سب نے اس میں دیکھا جو کچھ حضرتؑ نے فرمایا تھا من وعن سب کچھ ویسا ہی اس میں لکھا تھا، یوں خولہ حضرت علی علیہ السلام کے عقد میں آ گئیں اور محمد حنفیہ کی ولادت ہوئی اور محمد بن حنفیہ کو باپ کی بجائے ماں کی طرف نسبت دینے کی وجہ ماں کی عظمت کا اظہار ہے باپ کی عظمت تو مسلّم تھی یہ بتلانے کے لئے کہ آپ نجیب الطرفین ہیں آپ کی نسبت ماں کی طرف دی گئی۔

انسانیت

ایک انسان اجتماع کے لئے صرف اپنے علم کی وجہ سے مفید نہیں ہوتا بلکہ علم کے ساتھ اس کا شرافت مند، غیور، شجاع ہونا بھی ضروری ہے، حسنین بن اسحاق نامی شخص مامون الرشید کے دور میں بہت سے علوم میں مہارت رکھتا تھا خصوصاً طب اور دواسازی کا ماہر تھا اور ترجمہ و کتابت میں مہارت کی وجہ سے مامون نے اسے یونانی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے پیش کش کی اور کہا جتنا ترجمہ کرو گے اس کے ہموزن سونا تمہیں دوں گا، اس نے قبول کر لیا ایک مدت تک اس کام میں مشغول رہا۔ اس کے علم وفضل اور ہنر کی گونج چہار سو پھیل چکی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں بھی اس کا مقام بہت زیادہ بن چکا تھا لیکن اس کے باوجود اس میں خدمت خلق وتواضع کا جذبہ زندہ تھا۔

جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے حسنین کو بلایا اور اس کا بڑا احترام کیا، کافی مال اسے پیش کیا اور اس کے بعد متوکل نے اسے کہا اے حسنین اے ہمارے زمانے کے بہت بڑے عالم و دانشمند آپ سے ایک درخواست ہے؟ اس نے کہا: بتلائیں۔ متوکل نے کہا: آپ میرے لئے ایک ایسی قاتل زہر تیار کریں کہ جس سے میں دشمنوں کو مار سکوں حسنین جیسے فرشتہ سیرت نے جب یہ خواہش سنی تو بدن کے بال اس کے کھڑے ہو گئے اس نے قطعی لہجے کے ساتھ جواب دیا کہ میں ایسی دوائیں تیار کرتا ہوں جس سے معاشرے کو فائدہ ہو اور ہرگز ایسی دوا نہیں بناؤں گا جس سے نقصان ہو۔ متوکل نے کہا اگر یہ نہیں کرو گے تو تمہیں جیل میں ڈال دیا جائے گا، اس نے کہا: کوئی ڈر نہیں ہے جیل منظور ہے لیکن انسان کی تباہی منظور نہیں ہے، اس دانشمند کو متوکل کے حکم سے جیل میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایک سال تک جیل میں رہا، اس دوران وہ اپنے لکھنے کے شغل میں مصروف رہا، ایک سال کے بعد متوکل کے سامنے اسے پیش کیا گیا، اس کے سامنے بہت سارا مال اور چمڑے کے قالین (جس پر انسانوں کو قتل کیا جاتا تھا) کو تلوار کے ساتھ لا کر رکھ دیا گیا، متوکل نے کہا: اگر یہ دوا بنا دو تو یہ سب اموال تمہارے ہیں ورنہ دوسری صورت ہے کہ اس قالین پر تلوار سے تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔ اس نے کہا: میرا جواب وہی ہے جو پہلے دیا تھا میں نقصان دہ دوا نہیں بناؤں گا، متوکل نے کہا: ایسی صورت میں تمہیں قتل کر دوں گا، حسنین نے کہا: اگر آج میں تم سے بدلہ نہ لے سکا تو کل قیامت کے دن لوں گا آج اگر تم اپنے آپ پر ظلم کرنا چاہتے ہو تو کر لو، متوکل نے دیکھا کہ کام نہیں بنا تو نرمی سے سمجھانے لگا۔ میں تو تمہیں آزما رہا تھا میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا لیکن یہ تو بتلاؤ

Presented by Ziaraat.Com

اس سخت انکار کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا: دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ میں مسلمان ہوں مجھے میرا دین اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور برے وخیانت والے کاموں سے روکتا ہے اور دوسرا یہ کہ صنعت وعلم بشر کی خدمت کے لئے ہیں اگر میں نقصان دہ دوا بناؤں تو یہ علم وصنعت سے خیانت ہوگی۔

حقیقی راہ نجات

محمد بن مسلم نے امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام سے سوال کیا کہ ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ عبادات میں بہت زیادہ جدو جہد کرتے ہیں سخت کوشش کرتے ہیں لیکن آپ ائمہ کی ولایت کا اقرار نہیں کرتے اور حق کو نہیں پہچانتے اس صورت میں ان کی یہ عبادات انہیں فائدہ دیں گی؟

آپؑ نے فرمایا: اہل بیت رسول خدا ﷺ کی مثال بنی اسرائیل کے اس خانوادہ والی ہے کہ جس کا جو فرد بھی چالیس دن عبادت کرتا اور پھر جو دعا مانگتا وہ پوری ہو جاتی، اسی خانوادہ کے ایک فرد نے چالیس دن عبادت کی اور اس کے بعد دعا کی لیکن دعا مستجاب نہ ہوئی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال کی شکایت کی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے وضو کیا نماز پڑھی اور بارگاہِ الٰہی میں اس جوان کا مسئلہ پیش کیا، خداوند کی طرف سے خطاب ہوا: اے عیسیٰ! یہ شخص اس دروازے سے آیا ہے جہاں سے نہیں آنا چاہئے تھا، وہ بلا واسطہ مجھے پکار رہا تھا جبکہ اس کے دل میں تیری نبوت کے بارے شک وشبہ پایا جاتا ہے اس طرح تو یہ اتنا مانگتا رہے کہ اس کی گردن کٹ جائے انگلیاں رہ جائیں میں اس کی دعا نہیں سنوں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس جوان سے کہا تم خدا کو اس حال میں پکارتے ہو جبکہ ان کے پیغمبر کے بارے تمہارے دل میں شک ہے، اس جوان نے عرض کیا: بالکل ایسا ہی ہے، اس نے آپ سے عرض کیا: خدا سے دعا کریں یہ شک میرے دل سے دور کر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور وہ راہ راست پر آ گیا اور پھر اسے وہی خصوصیت حاصل ہوگئی جو اس کے خاندان کے دوسرے افراد کو حاصل تھی۔

ائمہ کا دشمنوں سے رویہ

جلودی ہارون الرشید کی حکومت کے سرکردہ افراد میں سے تھا اور اسے دربار میں انتہا کی اہمیت حاصل تھی۔ ان کی بڑی خدمت کی لیکن بالآخر مامون کے ہاتھوں قتل ہوگیا اس کا ماجرا یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام کے خادم یاسر نے از طرف امامؑ مامون سے کہا آپ کو خراسان میں نہیں بیٹھے رہنا چاہئے جبکہ آپ کا خاندانی مرکز خالی رہے، بہتر ہے کہ آپ خراسان سے بغداد تشریف لے جائیں اور نزدیک سے امور مسلمین پر نظر رکھیں۔

یہ خبر ذوالریاستین کو پہنچی اور وہ مامون کی حکومت میں اس حد تک اثر رکھتا تھا کہ اس کی رائے کے سامنے مامون کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس نے مامون سے کہا آپ کا خراسان میں رہنا زیادہ مفید ہے۔ ایک تو علی بن موسیٰ الرضا کی ولی عہدی

Presented by Ziaraat.Com

اور دوسرا آپ کا اپنے بھائی محمد امین کو قتل کرنا یہ دونوں باعث بنے ہیں کہ وہاں فضا آپ کے خلاف ہو لہٰذا جب تک یہ چیز لوگ بھول نہ جائیں آپ کا وہاں جانا بہتر نہیں ہے۔ اگر آپ میری بات باور نہیں کرتے تو یہاں دوسرے بزرگان موجود ہیں جو آپ کے باپ کے ساتھ بھی کام کر چکے ہیں ان سے مشورہ کر لیں۔ مامون نے پوچھا وہ کون سے ہیں؟ ذوالریاستین نے کہا: جیسے علی بن ابی عمران، ابن یونس اور جلودی۔ یہ وہ افراد تھے جو امام رضاؑ کی ولی عہدی کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے مامون نے انہیں زندان میں ڈالا ہوا تھا۔ مامون نے کہا: ٹھیک ہے مشورہ کر لیتے ہیں۔ اگلی صبح جب امام پاکؑ تشریف لائے تو مامون سے پوچھا اس بارے آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے، مامون نے ذوالریاستین کی بات سامنے رکھ دی اور ان چند افراد کو حاضر کرنے کا حکم دیا، سب سے پہلے علی بن ابی عمران وارد ہوا جب اس کی نظر امام رضاؑ پر پڑی تو کہا اے امیر المومنین خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ آپ خلافت بنی عباس سے خارج کر کے اپنے دشمنوں میں قرار دیں یہ وہی لوگ ہیں جن کو آپ کے آباء و اجداد نے قتل کیا۔ مامون نے کہا او زنا زادہ کیا اتنے دن قید کے بعد بھی اپنی بکواس جاری رکھے ہوئے ہو۔ جلاد کو حکم دیا اس کا سر قلم کر دو۔ جلاد نے اسے اسی وقت جہنم واصل کر دیا۔

اس کے بعد ابن یونس کو لایا گیا، جب اس کی نظر امام رضاؑ پر پڑی تو اس نے کہا: اے امیر المومنین یہ جو آپ کے پہلو میں بیٹھیں ہیں (نعوذ باللہ) یہ بت ہے جس کی خدا کی بجائے عبادت کی جاتی ہے، مامون نے کہا: یابن الزانیۃ! تم نے بھی ابھی تک اپنی بکواس کو چھوڑا نہیں ہے لہٰذا جلاد کو حکم دیا اس کا سر بھی قلم کر دو۔ اس کے بعد جلودی کو لایا گیا جب محمد بن جعفر بن محمد نے مدینہ میں قیام کیا تھا تو ہارون نے اسی جلودی کو لشکر کا سالار بنا کر اسے سرکوب کرنے کیلئے بھیجا تھا اور کہا تھا جب محمد پر غالب آ جاؤ تو اس کا سر تن سے جدا کر دینا اور آل ابی طالب کے گھروں کو آگ لگا دیں اور عورتوں کو لوٹ لینا۔ جلودی نے اس پر عمل کیا اور امام رضاؑ کے گھر پر بھی حملہ کیا۔ امام پاکؑ نے سب عورتوں کو ایک کمرے میں داخل کر دیا اور دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ جلودی نے کہا مجھے مامون کا حکم ہے لہٰذا میں اندر جا کر لوٹوں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا: عورتوں کے پاس جو کچھ ہے میں تجھے لا کر دیتا ہوں تم اندر مت جاؤ۔ جلودی سخت اصرار کے ساتھ راضی ہو گیا۔ حضرتؑ نے سب زیورات ولباس جمع کیے اور جلودی کو لا کر دیئے آج جب حضرت کی نگاہ جلودی پر پڑی تو آپ نے مامون سے فرمایا یہ بوڑھا میرے حوالے کر دیں۔ مامون نے کہا: یہ وہی ظالم ہے جس نے خانوادہ رسولؐ پر وہ ظلم کیے تھے اور عورتوں کو لوٹا تھا۔ جلودی نے جب دور سے دیکھا کہ حضرت رضاؑ مامون سے کچھ کہہ رہے ہیں تو اس نے سمجھا اس کے خلاف مامون سے کہہ رہے ہیں اور اس کے قتل کی بات کر رہے ہیں تو اس نے مامون سے کہا: اے امیر المومنین میں نے جو خدمت آپ کے باپ کی کی ہے اس کا واسطہ اس شخص کی باتیں میرے بارے میں قبول نہ کرنا۔ مامون نے امامؑ سے عرض کیا: آقا یہ شخص خود ہی آپ کی سفارش پر راضی نہیں ہے لہٰذا میں بھی اس کی دی قسم کا احترام کرتا ہوں اور جلودی سے

Presented by Ziaraat.Com

کہا: بالکل خدا کی قسم میں حضرت رضاؑ کی بات تیرے بارے قبول نہیں کروں گا اور جلاد کو حکم دیا اس کی گردن اڑا دو۔ یوں یہ تینوں سخت ترین دشمنانِ اہل بیت مقتل ہوئے۔

شب نور باران

خزائن میں مرحوم نراقی نے لکھا ہے کہ کاظمین کے روضہ کے کلید دار شیخ محمد سے میری ملاقات ہوئی وہ متدین شخص تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ جب نادر شاہ ایران کا حاکم تھا تو عراق کا حاکم حسن پاشا تھا، ایک دن جمادی الثانی کے آخری ایام تھے وہ درباریوں کے ساتھ دربار میں بیٹھا تھا بغداد میں۔ تو اس نے سوال کیا: ماہ رجب کی پہلی رات کو شب نور باران کیوں کہتے ہیں؟ ایک شخص نے جواب دیا: چونکہ اس رات ائمہ دین کی قبروں پر نور کی بارش ہوتی ہے۔ اس نے کہا یہاں کافی ائمہ دین کی قبریں ہیں ان کے کلید داروں کو بلا کر پوچھ لیتے ہیں۔ پہلے امام ابوحنیفہ کے قبر کے کلید دار کو بلایا گیا، اس نے کہا: میں نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، پھر شیخ عبدالقادر جیلانی کے کلید دار کو بلایا گیا اس نے بھی کہا میں نے تو نہیں دیکھا۔

حسن پاشا نے کہا: امام موسیٰ کاظم اور امام جواد علیہما السلام ائمہ دین میں سے ہیں اور روافض انہیں واجب الاطاعۃ مانتے ہیں ان کے کلید داروں کو بھی بلا کر پوچھ لیتے ہیں۔

شیخ محمد کہتے ہیں: میرے والد اس وقت کلید دار تھے، اسی وقت اس نے ملازم کو میرے والد کو بلانے بھیجا۔ میں اس وقت بیس سال کا تھا۔ جب والد کو بلایا گیا تو میں بھی والد کے ہمراہ بغداد گیا۔ میں دربار کے باہر رہا، والد اندر گئے، اس نے یہی سوال کیا کہ کیا تم نے شب اول رجب ائمہ کی قبروں پر نور باران ہوتے دیکھا ہے۔ میرے باپ نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا بالکل دیکھا ہے۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے اول رجب نزدیک ہے میں خود آؤں گا۔ باپ باہر آئے تو سخت پریشان تھے کہنے لگے معنوی نور تو میں دیکھتا ہوں یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ سخت پریشانی کی حالت میں واپس آئے، باپ دن رات پریشان رہتا۔ ضریح پر جا کر توسل کرتا تضرع کرتا۔ بالآخر شب اول رجب آ گئی اور بادشاہ بھی آ گیا۔ شام کو حرم خالی کرا لیا گیا صرف بادشاہ تھا اور میرا والد۔ بادشاہ نے اپنے مذہب کے لحاظ سے فاتحہ پڑھا اور نماز میں مشغول ہو گیا، میرا باپ ضریح کے ساتھ لگ کر پیشانی خاک پر رکھ کر مسلسل دعا و تضرع کر رہا تھا۔ دو گھنٹے گزرے تو ایک مرتبہ چھت شق ہو گئی اور اس طرح نور برسا جیسے ہزاروں شمعیں روشن ہو گئی ہوں اور ہزار گنا چاند کی روشنی سے بڑھ کر تھی، اس وقت حسن پاشا بلند آواز سے کہہ رہا تھا: ﴿صلّی الله علیك یا رسول الله، صلی الله علی النبیّ و آله﴾، اس کے بعد اٹھا، آ کر ضریح کو چوما اور میرے باپ کی پیشانی چومی اور کہا: ایسے ہی مولا کی غلامی ہونی چاہیے۔

Presented by Ziaraat.Com

شریک سفر

ایک آدمی گھر جا رہا تھا ایک مرد اسے راستے میں مل گیا دونوں اکٹھے ہوگئے، اس مرد نے پوچھا تم مجھے لے جاؤ گے یا میں تمہیں لے جاؤں۔ اس نے کہا: یہ کیا بات ہوئی۔ دونوں جا رہے ہیں کوئی کسی کو نہیں لے جا رہا۔ آگے قبرستان تھا۔ اس مرد نے پوچھا یہ سب مردہ ہیں یا زندہ؟ اس نے کہا یہ احمقانہ سوال ہے اگر زندہ ہوتے تو گھر نہ چلے جاتے۔ آگے گئے تو گندم کٹی پڑی تھی اس مرد نے سوال کیا: یہ گندم لوگ کھا چکے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: یہ کیا سوال ہے سامنے نظر آ رہی ہے تو لوگ کیسے کھا گئے۔ جب اس کے گھر پہنچ گئے تو اس نے بیوی اور بیٹی سے کہا آج ایک عجیب احمق مہمان اپنے ساتھ لایا ہوں، بیٹی نے پوچھا: وہ احمق کیسے ہے؟ تو اس نے کہا: اس کے سوالات ہی ایسے تھے۔ پہلا سوال بتایا تو بیٹی نے کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ سفر میں آپ واقعات سنائیں گے یا میں سناؤں کہ سفر کٹے، پتہ نہ چلے۔ دوسرے سوال کا مطلب یہ تھا کہ ان مردوں نے اپنا نام نیکی کے ساتھ چھوڑا ہے تو زندہ ہیں ورنہ مردہ، تیسرے سوال کا مطلب یہ تھا کہ یہ گندم مالکوں نے بیچ دی ہے کہ اس کے پیسے کھا چکے ہوں یا ابھی نہیں بیچی، اس مہمان کو جب پتہ چلا کہ اس کی بیٹی اتنی عقلمند ہے تو اس نے اپنے لئے دختر کی خواستگاری کی اور یوں دانشمند انسان کو اس جیسی بیوی خدا نے دی۔

Presented by Ziaraat.Com

باب المرئة (عورت)

عورت میں وہی روح ہے جو مرد میں ہے اور ترقی روح سے ہوتی ہے لہٰذا کاتب تقدیر نے قطعا عورت کے حق میں جہالت اور کمالات سے محرومی نہیں لکھی اور نہ ذمہ داریوں سے اسے کمزور سمجھ کر محروم کیا ہے، یہ انسان کی نصف آبادی پر ظلم ہے کہ اسے صرف مادی منافع کے لئے استعمال کیا جائے اور انسانی کمالات سے اسے محروم رکھا جائے۔

عورت کمال میں کبھی ہاجرہؑ بنی جو تپتے ہوئے پہاڑوں میں نبی خدا کی حفاظت کے لئے ہر کوشش کرتی ہے اس حد تک سعی مسلسل کرتی ہے کہ سعی کو خداوند قیامت تک کے لئے عظیم سے عظیم انسانوں کے لئے فرض بنا دیتا ہے اور پھر اسی کے گھر میں خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور قیامت تک کے لئے یہ شرف عورت ہی کو حاصل ہے کہ مسجد الحرام میں کعبہ کے ساتھ اس کی قبر بنے۔

کبھی عورت آسیہ بنت مزاحم کی صورت میں نظر آئی جس نے موسیٰ کلیمؑ کو نیل سے نکال کر باحفاظت خانہ فرعون میں اس کی پرورش کی۔

کبھی مریمؑ کی صورت میں نظر آئی جو عیسیٰ مسیح حیات بخش کو حامل ہے اور خدیجہ بھی عورت تھی جس نے جاہلیت و شرک کے تاریک ماحول میں خاتم الرسل کے لئے محبت و مہر کے نرم بستر پھیلا دیئے اور انسانیت کی تاریخ میں خاتم الرسل پر ایمان لانے والی پہلی ہستی بنی اور پہلی مقتدیٔ رسول بنی۔

اور پھر عورت نے کمال کی وہ عظمت پائی کہ فاطمہ زہراؑ حجت کبریٰ الٰہی بن گئی اور سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے کوئی ان کی ہمسری کے اہل نہ رہا۔

ام سنان، یہ نسیبہ جراحہ کے نام سے معروف تھیں۔ ام عمارہ اور ام سلیم وہ خواتین تھیں جنہوں نے اسلامی جنگوں میں مصاحبت رسولؐ کو ترجیح دی زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی رہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احد کے دن حضرت علیؑ کے بدن مبارک پر ساٹھ زخم لگے تھے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمیٰ و ام عطیہ کو ان زخموں کی پٹی کرنے کے لئے کہا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! زخم پٹی کرنے کے قابل نہیں ہیں ایک زخم کو پٹی کریں تو دوسری جگہ سے زخم کھل جاتا ہے، آپ نے فرمایا: سب زخموں کو ایک پٹی سے باندھو۔

مفضل نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف کے ساتھ ۱۳ عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے والی ہونگی جیسا کہ زمانِ رسول خداؐ میں کرتی تھیں۔ نسیبہ جراحہ مجاہدین کو پانی بھی پلاتی تھی اور

Presented by Ziaraat.Com

زخمیوں کا مداوا بھی کرتی تھی۔ جنگ احد میں جب بڑے بڑے اصحاب ساتھ چھوڑ گئے تو نسیبہ نے تلوار اٹھالی اور دفاع رسول کا فریضہ ادا کرتی رہی، اسے ۱۳ زخم آئے کندھے کا زخم ایک سال تک باقی رہا۔ ایک بھاگتے ہوئے مسلمان کو حضورؐ نے فرمایا: اپنی ڈھال چھوڑ جاؤ، اس نے ڈھال پھینکی جو ام عمارہ نے اٹھا کر اپنے دفاع میں استعمال کی۔ جب آپ کا بیٹا عبداللہ بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا تو اسے روک کر پوچھا: رسول کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے اور پھر عبداللہ وہیں ان کے سامنے شہید ہوگیا۔

اور پھر عقیلہ بنی ہاشم ثانی زہرا حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی ہستی تاریخ انسانیت کا کمال ہے کہ کربلا کے بعد تمام رسالت وامامت کی ذمہ داریوں کو اٹھا کر رسن بستہ راہی شام ہوئی اور دربار کوفہ وشام، بازار کوفہ وشام میں اسی ام المصائب نے وہ خطبے دیئے کہ لوگوں کو نہ صرف بلاغت علیؑ یاد آئی بلکہ لہجہ علیؑ بھی یاد آ گیا۔ اور شریکۃ الحسینؑ کے نام سے معروف ہوئیں۔

عورت و مرد میں فرق و وحدت؟

اسلام سے پہلے اقوام عالم میں عورت کی کوئی اہمیت نہیں ملتی۔ بلکہ مسیحیت کی تعلیمات میں تو اسے انسانیت کے زمرے سے خارج کر دیا جاتا ہے، بریٹرینڈ رسل (انگلینڈ کے مشہور فلسفی) کیتھولک چرچ کے نظریئے کو عورت کے بارے یوں بیان کرتے ہیں:

"عورت جہنم کے دروازے اور ام الفساد کے طور پر ظاہر ہوئی لہٰذا اسے اپنے عورت ہونے پر شرمندہ ہونا چاہئے اور جو لعنت وہ اس دنیا میں لائی ہے اس سے ہمیشہ در حال توبہ رہے۔ اپنے لباس سے شرمندہ رہے اور اپنے حسن پر بھی شرمندہ رہے کہ یہ شیطان کے مضبوط ترین پھندوں میں سے ہے۔" (از دواج واخلاق، ص ۶۱)

انگلش میں انسانیت کی اصالت کو بیان کرنے کے لئے جس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے: Humanism ہے جس میں مرد کی اصالت کا نکتہ پایا جاتا ہے ان اقوام میں یہ تفاوت اس منحوس فکر کی بنیاد پر تھا کہ عورت اور مرد کے درمیان جوہری و حقیقی فرق موجود ہے۔

لیکن اسلام نے یہ بات زور دے کر کہی کہ عورت و مرد کے درمیان حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا دونوں برابر کے حقوق کا استحقاق رکھتے ہیں البتہ دونوں کے جسموں کے تقاضے الگ الگ ہیں لہٰذا دونوں کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہوں گی۔

قرآن اپنی تعبیرات میں جہاں زن و مرد کی خلقت کی طرف اشارہ کرتا ہے وہاں مونث یا مذکر ہونے کو انسانی حقیقت سے خارج قرار دیتا ہے اور یہ حکمت خداوندی تھی کہ نسل کی بقاء کی خاطر انسانی جسم میں فرق رکھ دیا، بعض کو مادہ کی

Presented by Ziaraat.Com

جسمانی خصوصیات اور بعض کو نر کی جسمانی خصوصیات سے نواز دیا، خداوند نے یہی سلسلہ انسان کے علاوہ دوسری انواع میں قرار دیا ہے بلکہ تمام اشیاء میں یہ سلسلہ برقرار رکھا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذاریات، ۴۹) اور

''اور ہم نے ہر چیز سے نر و مادہ خلق کیے ہیں تا کہ تم رحمت خدا کو یاد کرو۔''

پس فرمایا: مادہ ہونا جسمانی خصوصیات میں سے ہے یعنی مادی چیز ہے اور روح سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسے مرد بالذات ایک انسان ہے اسی اس طرح عورت بھی ذاتاً ایک انسان ہے، اور قرآن حکیم نے بڑے صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ دونوں میں انسانی حقیقت و نوعیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾

''اے لوگو! اپنے اس رب کی نافرمانی سے بچو جس نے تم سب کو ایک نفس (آدم) سے خلق کیا ہے اور اس سے اس کے ساتھی کو خلق کیا۔'' (سورۂ نساء، آیت:۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً﴾

''خداوند نے خود تمہاری جنس سے تمہارا جیون ساتھی خلق کیا ہے اور اس جوڑے سے اولاد، پوتے اور نواسے خلق کیے ہیں۔ (نحل، آیت:۷۲)

قرآن میں من انفسکم کی تعبیر سے مراد من جنسکم ہے یعنی دونوں کی نوعیت ایک ہے۔ مذکر و مونث ہونا اس میں دخالت نہیں رکھتا۔

ابن سینا الٰہیات شفاء میں فرماتے ہیں:

﴿الذكورة و الانوثة انما تؤثر فی كيفية حال الآلات التی بها تكون التناسل و التناسل لا محالة امر عارض بعد الحياة و بعد تنوّع شيئا محصّلاً بعينه فيكون ذلك و امثالها من جملة الاحوال اللاحقة بعد تنوع نوعًا﴾۔

وہ فرماتے ہیں: ذکوریت و انوثیت تولید نسل کی خاطر ہے اور یہ جسمانی فرق حیات و نوع کی تکمیل کے بعد عارض ہوتے ہیں۔

انسان کی تمام شخصیت اس کے نفس ناطقہ (روح) سے ہے اور یہ مرد و زن میں برابر ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

Presented by Ziaraat.Com

مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ (مومن:۴۰)

"جو بھی عمل صالح انجام دے وہ مرد ہو یا عورت درحالیکہ با ایمان ہو تو صرف وہ جنت میں داخل ہوں گے۔"

آپ نے دیکھا مرد کو کوئی فضیلت نہیں دی گئی، نہ ہی عمل مرد کا اجر زیادہ ہے بلکہ دونوں کو برابر قرار دیا گیا ہے۔

سوال:۔ کیا عورت ناقص العقل و ناقص الایمان ہے؟

جواب:۔ روح اور جسم کے درمیان رابطہ متقابل ہے یعنی جیسے روحی حالات و تحولات جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی تحولات روح کو متاثر کرتے ہیں جسے اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں: ﴿الروح والجسم یتعاکسان ایجاباً و سلباً﴾ اس تاثیر متقابل سے مراد دونوں میں ہماہنگی ہے جو روح اور جسم کے درمیان تا دمِ مرگ برقرار رہتی ہے۔

عورت کو اس دنیا میں چونکہ نسل آئندہ کی پرورش کرنا ہے جو کہ رحمت، رأفت، عطوفت اور محبت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا خداوند نے عورت کو ان خصوصیات کا مرکز بنا دیا۔ اس میں ایثار، قربانی، عشق و محبت اور ملاطفت جیسے جذبات وافر مقدار میں رکھ دیئے تاکہ ان صفات کے زیر سایہ بچے کی تربیت کر سکے، یوں وہ بچے بڑے ہو کر معاشرے کے لئے منفی صفات سے پاک وصاف مفید واقع ہو سکیں۔

اس کے برعکس مرد اپنی جسمانی ساخت کے پیش نظر ان جذبات سے خالی ہوتے ہیں چونکہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں ایسی ہیں جو ان صفات سے میل نہیں کھاتی لہٰذا مرد عورت کے مقابلے میں ان جذبات میں انتہائی کمزور ہوتے ہیں اور یہ جذبات چونکہ انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں لہٰذا مردوں کو تکمیل کے لئے عورتوں کی سخت ضرورت ہے، اور مردوں میں اپنی سخت کوش طبیعت کے لحاظ سے قوت عقل زیادہ نمو پاتی ہے جبکہ عورتوں کے عواطف قوہ عقل کو اس حد تک وسعت سے نمو پانے نہیں دیتے۔ یوں چونکہ مرد عورتوں کی بہ نسبت جذبات کا کم شکار ہوتے ہیں لہٰذا عقلانی قدرت میں عورتوں پر برتری پیدا کر لیتے ہیں اور عورتیں اپنی جذباتی و عواطفی قوت کی وجہ سے غلبہ رکھتی ہیں اور مردوں کو نفسیاتی طور پر متاثر کر لیتی ہیں، یہاں عقل کے نقصان کا مطلب کمال کے مقابل نہیں ہے، یعنی عقل کے لحاظ سے ناقص نہیں ہے بلکہ کامل ہے۔ اس نقص سے مراد تام نہ ہونا ہے جیسا کہ مرد میں عواطف کا نقص بھی تمامیت کے مقابل ہے اور چونکہ دونوں کا انسانی زندگی کے لئے تام و تمام ہونا ضروری ہے لہٰذا عواطف تام خداوند نے عورت میں قرار دے دیئے اور عقل تام خداوند نے مرد میں قرار دے دی، یوں دونوں اس زندگی کی تکمیل کی ضرورت قرار پائے۔ اس بیان کو سامنے رکھ کر اگر نہج البلاغہ کے خطبہ نمبر ۸۰ کو دیکھیں جس میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

Presented by Ziaraat.Com

﴿معاشر الناس انّ النساء نواقص الایمان و نواقص العقول و نواقص الحظوظ﴾ تین امور میں مولاؑ نے عورت کو ناقص فرمایا ہے ایمان، عقل اور حظ (میراث میں حصے) کے لحاظ سے اس نقصان عقل کی وجہ وہی عواطف وجذبات کا عقل پر غلبہ ہے۔

نہج البلاغہ وصیت نمبر۱۴ میں فرمایا:

﴿لا تهيّجوا النساء بأذی و ان شتمن اعراضكم و سبّئن امرائكم فانهم ضعیفات القوی و الانفس والعقول﴾ یعنی عورتوں کو برانگیختہ نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اور تمہارے امراء کو گالیاں دیں کیونکہ عورتیں جسمانی قویٰ، نفس اور عقل میں کمزور ہیں۔

یہاں دو آیات کو سامنے رکھیں تو اس کی تائید ہوگی، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (روم:۲۱) یہ خداوند کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے خود تمہاری جنس سے تمہارا جیون ساتھی خلق کر دیا ہے تا کہ اس سے تمہیں سکون و راحت ملے۔

یعنی مرد کو نفسیاتی آرام وسکون عورت سے ملتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں جذبات، عشق اور محبت موجود ہے اور مرد کی بہ نسبت اس میں یہ چیز زیادہ ہے، اس وجہ سے اس لحاظ سے مرد کو عورت کی ضرورت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (نساء:۳۴) مردوں کو عورتوں پر نگہبانی حاصل ہے اس برتری کی وجہ سے ہے جو خداوند نے مرد کو عورت پر دی ہے (یعنی عقل کی تمامیت کی صورت میں)۔

چونکہ زندگی کا قوام وڈھانچہ قوت عقل وتدبیر کا مرہون منت ہے اور مردوں میں یہ چیز عورتوں کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے۔

رسول خدا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿قوام المرء بعقله و لا دین لمن لا عقل له﴾ (بحار، جلد۱، صفحہ ۹۴) انسان کی تشکیل اس کی عقل کے ساتھ ہے اور جس کو عقل حاصل نہیں وہ دین نہیں رکھتا۔

گویا ان دو آیات کے مطابق عورتوں کی ذمہ داری تسکین زندگی ہے اور مردوں کی ذمہ داری تقویم زندگی ہے۔

البتہ یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ یہ خطبہ مولاؑ نے جنگ جمل کے بعد ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ علامہ مجلسی نے بحار جلد۱۰۳ صفحہ ۲۲۸ میں تصریح کی ہے، لہٰذا اس پس منظر میں عورت کے بارے یہ تعبیریں بجا ہیں، ابن ابی الحدید نے بھی

Presented by Ziaraat.Com

اس کی شرح کے ذیل میں کہا ہے کہ اسی جنگ کے پیش نظر حضرت نے یہ فرمایا ہے، اسی کے ذیل میں فرمایا: ﴿فاتقوا شرار النساء و کونوا من خیارھن علی حذر ولا تطیعوھن فی المعروف حتی لا یطمعن فی المنکر﴾ یعنی بری عورتوں سے بچو اور اچھی عورتوں سے بھی محتاط رہو، نیکی میں ان کی پیروی نہ کرو تاکہ برائی میں پیروی کی توقع نہ کریں۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی بیوی سے مشورہ نہ کرے یا اچھے مشورے کو نہ مانے، معاشر الناس فرمایا، یعنی سب لوگوں کو فرمایا ہے کہ معاشرے کے امور خارجی جیسے جنگ، ان کی باگ ڈور عورتوں کے ہاتھ میں نہ دو اور اپنے آپ کو عورت کے تحت فرمان قرار نہ دو، یعنی کوئی عورت اٹھ کھڑی ہو اور کسی تحریک یا نہضت کی لوگوں کو دعوت دے تو یوں نہ ہو کہ آپ سب اس کے پیچھے چل پڑیں یہ عورتوں کا کام نہیں ورنہ جنگ جمل والا حال ہوگا۔

نیز حضرتؑ نے اطاعت کی تعبیر استعمال کی ہے یعنی عورت کو حاکم بنا کر اس کی اطاعت نہ کرنا، اگر ایسا کرو گے تو تم خود ذمہ دار ہو، رسول خدا ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

﴿من اطاع امرئته اکبه الله علی وجهه فی النار﴾ (بحار، جلد۱۰۳، صفحہ۲۴۲) یہ ان مردوں کے لئے خطاب ہے کہ جو اپنی قیمومیت والی ذمہ داری چھوڑ کر اسے عورت کے سپرد کر دیں۔

حضرتؑ نے قطعاً بطور مطلق عورت سے مشورہ کرنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ خود حضرت کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ایاك و مشاورة النساء الا من جربت بکمال العقل﴾ (بحار، جلد۱۰۳، صفحہ۲۵۲) یعنی عورتوں سے مشورہ نہ کرو مگر یہ کہ جس عورت کو کمال عقل کے لحاظ سے جانچ لیا گیا ہو ان سے مشورہ کرو۔

سوال:۔ رسول خدا ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ ﴿شاور والنساء و خالفوھن فانّ خلافھن برکة﴾ (بحار، جلد۱۰۳، صفحہ۲۹۲) یعنی عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو کہ ان کی مخالفت میں برکت ہے۔

اور بحار، جلد۱۰۳، صفحہ۲۲۷ پر روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ خود جنگ پر جاتے ہوئے اپنی ازواج سے مشورہ فرماتے اور اس کے مخالف عمل فرماتے تھے۔

جواب:۔ اس کا تعلق بھی نوع نساء سے ہے تمام عورتوں کے بارے ایسا نہیں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ایاك و مشاورة النساء فانّ رأیھن الی افن و عزمھن الی وھن﴾ عورتوں سے مشورہ کرنے سے بچو کہ ان کی رائے کمزوری پر جا کر ختم ہوتی ہے اور ان کا عزم وارادہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ مردوں کے ارادہ کو کمزور کر دیں۔ یہ مشورہ سے نہی اس صفت کے ساتھ ہے کہ جن عورتوں سے ایسی رائے کی توقع ہو ان سے مشورہ نہ کرو، اور اگر مرد بھی ایسا مشورہ دینے والا ہو تو اس سے بھی مشورہ کرنے سے روکا گیا ہے، جس کی

Presented by Ziaraat.Com

عقل اسیر ہوئی و ہوس ہو اس سے مشورہ کرنا قطعاً سودمند نہیں ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ مشورے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی عقل کے ساتھ دوسرے کی عقل کو ملا کر صحیح راہ حل تک پہنچا جائے، جو جذبات کے تابع ہوں۔ بخیل اور بزدل ہوں ان کی عقل آزاد نہیں ہے لہٰذا مشورہ کرنے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے عہد نامہ مالک اشتر میں یہ فرمایا ہے کہ بخیل و بزدل افراد سے مشورہ نہ کرنا کیونکہ بخیل تمہیں راہ فضیلت سے منحرف کر دے گا اور بزدل تمہیں اہم کاموں کے کرنے سے ڈرائے گا۔

لہٰذا مذکورہ بالا احادیث میں جو عورتوں سے مشورہ سے روکا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نوعاً عورتیں جذبات کے تابع ہوتی ہیں، نہ کہ تمام عورتیں اس طرح ہیں۔ پس اگر عورت، تجربہ کار و سمجھ دار ہو اور صحیح مشورہ دے تو اس کی مخالفت کرنا خلاف عقل ہے، کیوں اس کی کیسے مخالفت کی جائے جبکہ معصومین علیہم السلام حق کی پیروی کا حکم دیتے رہے ہیں، عمرو بن یزید نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا: میں بہترین کھانے کھاتا ہوں، بہترین خوشبو استعمال کرتا ہوں اور اچھی سواری پر سوار ہوتا ہوں اس حال میں کہ میرے غلام میرے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں کیا یہ جباروں کا طریقہ شمار ہوگا؟ فرمایا: نہیں۔ وہ جبار جس پر خداوند نے لعنت کی ہے اور اسے اپنی سرپرستی سے خارج کر دیا ہے وہ شخص ہے جو حق کی پیروی نہ کرے اور لوگوں کی تحقیر کرے۔ (اصول کافی، ج ۳، ص ۲۴۵)

اس کے علاوہ روایت ہے کہ تین چیزیں عورتوں میں کمال ہیں اور مردوں میں نقص، تکبر، بزدلی اور بخل۔ اور آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہ صفات مرد میں ہوں تو اس سے بھی مشورہ سے روکا گیا ہے۔

اور مشورہ کرنے کا اس لئے کہا گیا کہ اس سے میاں بیوی کے درمیان اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے آگے فیصلہ کرنا مرد کا کام ہے مشورہ مناسب ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر مناسب نہ ہو تو اس کے برخلاف کرے۔

صاحب ریاحین الشریعۃ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد صالح رہتا تھا ایک رات اسے خواب میں کہا گیا کہ خداوند نے حکم صادر فرمایا ہے کہ تمہاری آدھی عمر سکون و تونگری میں گزرے گی اور آدھی فقر و پریشانی میں انتخاب تمہارے اوپر ہے، اس نے کہا: میری زوجہ بڑی نیک خاتون ہے میں اس سے مشورہ کر لوں تب جواب دوں گا۔ صبح اس نے خواب بیوی سے بیان کیا تو بیوی نے کہا پہلے نصف کی تونگری و سکون مانگ لو۔ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ فقراء و مساکین پر خوب خرچ کرو تا کہ خداوند دوسری آدھی عمر میں اپنی رحمت تمہارے اوپر نازل کرے اور وہ بھی تونگری و سکون سے گزر جائے۔ اس نے یہی کیا۔

ام المومنین ام سلمہؓ بڑی صاحب عقل و صائب الرائے بی بی تھیں، کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۰۵ میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح نامہ لکھ دیا گیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے فرمایا: اٹھو اپنے اونٹ نحر کرو اور سر منڈواؤ

Presented by Ziaraat.Com

اور احرام سے خارج ہو جاؤ لیکن کوئی بھی نہ اٹھا۔ حضور نے کئی بار تکرار فرمایا کسی نے عمل نہ کیا۔ حضور خیمے میں تشریف لائے اور ام سلمہ کو یہ صورتحال بتلائی تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپ کسی سے کچھ نہ کہیں بس آپ خود یہ کام کر دیں، حضور باہر تشریف لائے اور خود ہی کام انجام دیا، تو آہستہ آہستہ اصحاب اٹھ کر یہ کام انجام دینے لگے۔

عورت کی اہمیت

اسلام نے عورت کے حوالے سے بڑی اہم تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں۔ قرآن میں ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (نساء:۱۹) یعنی عورتوں کے ساتھ بہترین طریقے سے زندگی گزارو۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ﴿من اتخذ امرئة فليكرمها﴾ (بحار، ج ۱۰۲، ص ۲۲۴)

جو کوئی عورت کا انتخاب کرے تو اس کی عزت و احترام کرے۔

سوال:۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۰ سے جو عبارت ذکر ہوئی اس میں عورت کے ایمان کی کمی کی وجہ یہ ذکر کی گئی کہ چونکہ وہ حیض کے دوران نماز نہیں پڑھ سکتی اس کی وضاحت کریں جبکہ اس کا نماز نہ پڑھنا حکم خداوندی ہے لہٰذا یہ عین اطاعت ہے اور اس کے علاوہ اس نماز کے ثواب کا تدارک ذکر و تسبیح سے کر سکتی ہے۔

جواب:۔ ایمان کے ایک معنی عقد قلبی اور باطنی نور کے ہیں یہ انسان کی روحانی کیفیت کا نام ہے اور دوسرے معنی وہ اعمال ہیں جو انسان باطنی اعتقاد کی بناء پر انجام دیتا ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہے مثلاً فرمان ہے: ﴿اعلى درجة الايمان درجة واحدة من بلغ اليها فقد فاز و ظفر وهو ان تنتهي سريرته في الصلاح الى ان لا يبالي صوابها اذا ظهرت﴾ (مواعظ، صفحہ ۷۰) ایمان کا بلند ترین درجہ ایک درجہ ہے اگر کوئی اسے پا لے تو وہ کامیاب ہے اور شیطان و خواہشات پر ظفرمند ہے اور وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کی باطنی اصلاح اس حد تک ہو کہ اس کی نیکیاں ظاہر ہوں یا مخفی رہیں اس کے لئے فرق نہ کرے۔

اصول کافی میں ایک حدیث میں امام صادقؑ نے فرمایا: ایمان عمل میں ہے اور شہادتین جزء ایمان ہے اور ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے عمل کے لحاظ سے۔

اس لحاظ سے امیر المومنینؑ کی مراد اس خطبے میں عورتوں میں ایمان کی کمی سے عبادت کی کمی ہے نہ کہ اعتقاد باطنی کی کمی مراد ہے۔

یہ خطبہ مولاؑ نے جنگ جمل سے واپسی پر ارشاد فرمایا: لہٰذا زیادہ تر مدنظر ایک خاص حالات کی صورتحال تھی نہ کہ صنف نازک کے جملہ افراد مدنظر تھے۔

Presented by Ziaraat.Com

سند

سند کے لحاظ سے یہ خطبہ کلینی مرحوم نے جس سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے وہ مرسلہ ہے در مراسیل علماء کے نزدیک حجت نہیں ہیں، لہٰذا اس کے سندی ضعف کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے ان اقوال کو مسلّمات میں سے شمار نہیں کرنا چاہیئے۔

متن

سند کی جانچ کے ساتھ ساتھ متن کی جانچ بھی ضروری ہے کہ کیا وہ قرآن اور مسلّم روایات کے معارض تو نہیں ہے۔ نیز بداہت عقل کے بھی مخالف نہیں ہونا چاہئے ورنہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

علامہ تقی جعفری نے اس خطبے کے بعض جملات کو اس معیار پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے بھی قابل اشکال قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: یہ جملہ ﴿و امّا نقصان ایمانهن فقعودهن عن الصلوٰة و الصیام فی ایّام حیضهن﴾ یعنی ان کا ایمان ناقص ہے اور وہ نقص ایمانی یہ ہے کہ ایام حیض میں نماز و روزہ انجام نہیں دے پاتیں۔

قطعاً یہاں مراد مقدار ایمان کی کمی مراد نہیں ہے چونکہ اوّلاً ایمان کیفیات نفسانیہ میں سے ہے جو کہ تصدیق جازم مطابق واقع ہے۔ اور یہ چیز کم و زیاد نہیں ہوسکتی۔ ہاں شدت وضعف اس میں اسباب کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

ثانیاً: عورت کا ترک نماز و روزہ حکم الٰہی ہے اور عورت ان ایام میں نماز و روزہ کو انجام نہ دے کر حکم خداوند پر عمل کرتی ہے۔ عام ایام میں نماز پڑھنا ہے حکم الٰہی ہے، اور ان ایام میں نماز نہ پڑھنا حکم الٰہی ہے۔ یہ خداوند کی طرف سے لطف و کرم ہے عورت پر کہ ان ایام میں وہ عبادات سے معاف ہے، امامؑ کی یہ تعبیر از باب مجاز مرسل ہے کہ ایمان کہہ کر اس کا مسبب یعنی نماز و روزہ مراد لیا ہے۔ پس نقصان ایمان سے مراد نقصان نماز و روزہ ہے اور اس کمی کا ازالہ دوسری طرف سے خداوند نے فرما دیا ہے کہ عورت کا بلوغ مرد سے چھ سال جلدی ہو جاتا ہے، یعنی عورت مرد سے چھ سال پہلے عبادات شروع کر لیتی ہے، یہ چھ سال ۲۱۹۰ دن بنتے ہیں۔

نقصان عقل

دوسرا مورد اس خطبہ میں یہ جملہ ہے: ﴿فامّا نقصان عقولهن فشهادة امراتین کشهادة الرجل الواحد﴾ اسی طرح ایک حکمت میں وارد ہے جیسا کہ گزر چکا، ﴿فانهن ضعیفات القوی و الانفس و العقول﴾

تاویل و توجیہہ

بعض علماء نے یہ بات بطور مسلّم کی ہے کہ مرد عورت پر عقلاً برتری رکھتے ہیں لیکن بعض دوسرے علماء نے اس کی توجیہ کی ہے کہ مرد تعقل (سمجھداری) میں قوی ہیں اور عورتیں جذبات و محبت میں قوی ہیں۔ یہ چیز عورتوں کے لئے نقص

Presented by Ziaraat.Com

نہیں ہے بلکہ ایک فطری فرق ہے جو دونوں کی ذمہ داریوں کی مناسبت سے قرار دیا گیا ہے۔ یہ فرق کرامت الٰہی کا باعث نہیں ہے کرامت الٰہی تقویٰ کی مرہون منت ہے۔

علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں: عورت اسلام کی نظر میں آزادی، ارادہ اور عمل کے لحاظ سے مرد کے مساوی ہے اور مرد سے کوئی فرق نہیں رکھتی مگر وہ جو دونوں کے روحی تقاضوں کے لحاظ سے ہے کہ عورت احساساتی زندگی رکھتی ہے اور مرد عقلانی۔

علامہ مرتضیٰ مطہری نے علامہ طباطبائی کی یہ بات قبول کی اور معروف سائیکالوجسٹ خاتون کلیوڈیلسن سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں عورتیں احساسات و جذبات کے تابع ہوتی ہیں اور مرد عقل کے، عورتوں کا نقص انکا حد سے زیادہ جذبات کا شکار ہونا ہے جبکہ مرد عملی تفکر و سوچ رکھتے ہیں، بہترین فیصلہ کرتے ہیں، بہترین رہنمائی کرتے ہیں لہٰذا مردوں کی عورتوں پر روحی برتری خلقت کا تقاضا ہے۔

علامہ تقی جعفری نے اس نظریہ کو رد کیا ہے اور کہا ہے یہ عورت و مرد کا فرق فطری نہیں ہے بلکہ معاشرتی ہے، اس معاشرے نے عورت کو پیچھے رکھا کہ وہ صرف گھر کی چار دیواری میں قید ہو کر رہ گئی، جب حالات سازگار ہوئے عورت تعلیم کے میدان میں وارد ہوئی تو اس نے مردوں کو پیچھے چھوڑ دیا، عقل موہبتی میں عورت کا مرد سے کوئی فرق نہیں ہے، ان روایات میں جو عورتوں میں نقصان عقل کی بات ہوئی ہے یہ عقل اکتسابی و تجربی ہے، شرعی تکالیف عورت و مرد پر برابر قرار دی گئی ہیں۔ جزا و سزا بھی برابر ہے اس کا مطلب ان احکام کے ادراک و فہم کے لحاظ سے عورت و مرد برابر ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن نے بلقیس ملکہ سباء کی مثال ذکر کی ہے جو فہم و ذکاوت میں مردوں پر برتری رکھتی تھی۔

گواہی دینے کا عقل سے تعلق ہی نہیں یہ صحیح دیکھنے سے مربوط ہے۔ شہادت محسوسات میں ہوتی ہے معقولات میں نہیں۔

سوال:۔ عورت و مرد کے درمیان رتبہ کا فرق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو یہ روایت کہتی ﴿ان اقلّ ساکنی الجنة النساء﴾ (امالی عشریہ، صفحہ ۱۵) جنت میں عورتیں بہت کم ہونگی یا یہ روایت جس میں ہے ﴿ماساوی الله قطّ امرئة برجل الاّ ماکان من تسویة الله فاطمة بعلیّ علیه السلام و الحاقها به وهی امرئة بافضل رجال العالمین﴾، (بحار، ج ۱۰۳، ص ۲۵۹) کہ خداوند نے کسی عورت کو مرد کے مساوی قرار نہیں دیا مگر فاطمہ کو علیؑ کے برابر قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ ملحق کیا ہے اور آپ دنیا کے تمام مردوں سے افضل ہیں۔

ان روایات سے تو پتہ چلتا ہے کہ مرد عورت سے افضل ہے۔

جواب:۔ اس کے مقابل روایت وارد ہے عمار بن موسیٰ ساباطی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اکثر

Presented by Ziaraat.Com

اہل بہشت مستضعفین ہیں یعنی عورتیں۔ خداوند نے ان کے ضعف کو جانتے ہوئے ان پر رحم فرمایا ہے۔

(وسائل، ج ۱۴، آداب نکاح، باب ۱۶)

دنیاوی وظائف اور اخروی ثواب کے لحاظ سے عورت مرد کے برابر ہے اور قرآن کی نظر میں اس جہت میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا اس اصول کے مخالف روایت کی توجیہ کرنا پڑے گی۔ پہلی روایت اگر سنداً صحیح ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوئی ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کی ذمہ داریاں بہت سخت ہیں اور عورت کو خوب توجہ کرنا چاہئے ورنہ ان کی مخالفت کر کے جہنم جا سکتی ہے، عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے، عورت کی ذمہ داریاں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں وہ نسلوں کی تربیت کرتی ہے انہیں بنانا بگاڑنا عورت کے ہاتھ میں ہے، حسینؑ و زینبؑ کی تربیت بھی عورت نے کی اور ابن مرجانہ و ہندہ بھی عورت کے پروردہ تھے، اس لئے اسلام نے بیوی کے انتخاب میں ایسے معیار ذکر کئے ہیں جس سے صالح نسل تربیت پا سکے۔

امام صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک بادیہ نشین عورت (بدو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ایک بچہ اس نے اٹھایا ہوا تھا اور دوسرا ساتھ چل رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک روٹی دی، اس نے آدھی روٹی ایک بچے کو دے دی اور دوسری آدھی دوسرے بچے کو، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماں کتنی رحم دل اور شفیق ہوتی ہے، اگر عورتیں دنیا میں زیادہ مشغول نہ ہوں تو سب نماز پڑھنے والی عورتیں جنت میں جائیں گی۔

(بحار، جلد ۱۰۳، ص ۲۲۷)

ابی الصباح کنانی امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ عورت اگر نماز، روزہ، حج کو انجام دے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور علی بن ابی طالبؑ کے حق کی معرفت رکھتی ہو تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

اور جہاں تک دوسری حدیث کا سوال ہے اس میں صرف یہ بیان کرنا مقصد تھا کہ خداوند نے سیدہ سلام اللہ علیہا کو علی علیہ السلام کا کفو خلق کیا ہے، یعنی جناب سیدہؑ کی فضیلت بیان کی ہے، البتہ مرد صالح ایک صالحہ عورت سے بہتر ہے یہ جملہ ایک روایت میں وارد ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مرد کے ذمہ باہر کی ذمہ داریاں ہیں اور باہر جانے سے اسے گناہ سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اب اس کا بچنا اس کا کمال ہے جو پانی میں داخل ہو کر کپڑے بچالے اس کا کمال زیادہ ہے بجائے اس کے جو کنارے کھڑا ہے اور پانی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ عورت اسی طرح ہے لہٰذا اسے اتنے گناہ کے مواقع نہیں ملتے اس کا صالحہ بننا آسان ہے مرد کے لئے یہ مشکل ترین کام ہے، اور یہ بھی نوع کے لحاظ سے ہے ورنہ افراد کے لحاظ سے بہت سی عورتیں اپنے مردوں سے افضل و برتر ہوتی ہیں اور اس کی بہت مثالیں ہیں۔

سورہ نساء آیت ۳۴ میں ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ عورت کے حقوق کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی

Presented by Ziaraat.Com

حامل ہے اسی سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مرد کو عورت پر حاکمیت حاصل ہے، نیز اسی آیت میں عورت ناشزہ ہو تو تیسرے مرحلے میں اسے مارنے کے حوالے سے "فاضربوھن" کی تعبیر بھی آئی ہے، اس آیت کی صحیح تفسیر کے لئے آیت اور اس کے ترجمے کو غور سے دیکھیں۔

۱۔ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾۔

۲۔ ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾۔

۳۔ ﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾۔

۴۔ ﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾۔ (سورہ نساء: ۳۴)

یہ اس آیت کے چار حصے ہیں جو الگ الگ کر کے ذکر کیے ہیں۔

اس آیت میں درج سوالات پیش آتے ہیں:

۱۔ قوام سے آیا مرد کی عورت پر برتری مراد ہے کہ اسے عورت پر حاکمیت حاصل ہے یا ایک فطری صورتحال کی طرف اشارہ ہے؟

۲۔ اگر مذکورہ دو شرائط (فضل و انفاق) عورت میں ہوں تو وہ بھی قوامیت رکھتی ہے؟

۳۔ کیا اس آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ عورت رہبریت، مرجعیت، قضاوت، حکومت اور ولایت کے قابل نہیں ہے۔

۴۔ نساء سے مراد معاشرہ کی تمام عورتیں ہیں یا صرف بیویاں مراد ہیں۔

۵۔ آیا فضل سے مراد فضیلت و برتری ہے یا صرف بعض امکانات سے زیادہ مستفید ہوتا ہے۔

۶۔ آیا قوام ہونے کی وجہ سے مرد کو انفاق کرنا چاہئے یا چونکہ انفاق کرتا ہے لہٰذا قوام ہے۔

۷۔ حافظات للغیب سے مراد کیا ہے۔ صالحات و قانتات کیا ہیں؟

۸۔ نشوز کے حدود کیا ہیں، گھر سے نکلنا بلا اجازت کیا نشوز ہے؟

۹۔ تین سزائیں کیا ہیں کیا ان میں ترتیب ہے؟

جواب

قوامیت کے بارے اکثر مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ صرف خاندانی افراد میں ہے پورے معاشرے میں مراد نہیں ہے۔ چونکہ انفاق کی بات ہوئی ہے اس کے بعد نشوز وغیرہ کا ذکر ہوا ہے۔ یہ سب احکام خاندان سے مربوط ہیں، اور یہ بھی

Presented by Ziaraat.Com

استفادہ ہوتا ہے کہ فضل وانفاق مل کر مرد کی قوامیت کا باعث بنتے ہیں، جب انفاق خاندان کے ساتھ خاص ہے تو مرد کی افضلیت پورے معاشرے کے لحاظ سے نہیں ہوسکتی۔

معنی قوّام، یہ باب قام سے ہے مبالغہ کا صیغہ ہے جو اگر علی کے ساتھ استعمال ہو تو اس کے معنی نگہبانی اور کسی کام پر دوام وثبات کے ہیں۔ اس آیت میں پہلے معنی مراد ہیں یعنی کسی کے کاموں کو بپا کرنے والا اور قوامون علی النساء یعنی عورتوں کی ضروریاتِ زندگی کو بہت پورا کرنے والا۔ اس کے معنی میں اگر چہ مراقبت، مراعات کی لفظیں تو لانا ٹھیک ہے لیکن سرپرستی، حکومت، تسلط، حکمرانی جیسی تعبیریں قطعاً غلط ہیں اور اگر فضل اللہ کو اس کی دلیل بنائیں تو بھی درست نہیں چونکہ اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے۔

اور قوام کے ہم معنی لفظ لغت میں قائم، قیوم، قیّم، اور قیام آئے ہیں اور قیّم بھی لغت میں اسی معنی میں بیان ہوا ہے "قیّم المرأة زوجها" کانّه یقوم بامرها و ما یحتاج الیها، شوہر بیوی کا قیّم ہے چونکہ اس کے امر کو قائم کرتا ہے اور اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور یہ جو قیّم کو سرپرست کے معنی میں لیا گیا ہے یہ فقہی اصطلاح ہے جو بعد میں پیدا ہوئی ہے جبکہ لغت میں قیّم کے یہی معنی ہیں بناء برین شوہر بیوی پر قیّم ہے تو یہ اس کے لئے مرتبہ نہیں بلکہ ذمہ داری ہے جو قرآن نے اس کے کندھوں پر ڈالی ہے۔

خداوند نے ہر شئ کو جوڑا جوڑا خلق کیا ہے اور مرد کے لئے عورت کو ہمسر کے طور پر خلق کیا اور اسے مایۂ آرام و سکون قرار دیا اور اس راحت وسکون کے حاصل کرنے کے لئے خداوند نے کچھ حدود وقوانین مقرر فرما دیئے، انسانیت، بندگی وعبادت اور روحانیت ومعنویت میں دونوں کو برابر و یکساں قرار دیا، لیکن ذمہ داریوں کو تقسیم کرتے ہوئے خداوند نے کمال حکمت سے دونوں کی خلقت کے اصولوں کو مکمل مدنظر قرار دیا ہے۔ عورت کیلئے بچے کا حمل، پیدائش، تربیت اور گھرداری جیسے امور قرار دیئے اور اس کے لوازم عطوفت ومحبت کے جذبات سے اسے بھر دیا۔ اور اپنی رحمت ومہربانی سے عورت کو کسب وکار، انفاق جیسے بیرونی کاموں سے معاف رکھا۔ یہ ذمہ داریاں مرد کے ذمے لگا دیں اور اس کے لوازم کے طور پر اسے جسمانی و ذہنی خصوصیات عطا کیں۔ اسی راہ میں قوامیت اور مسئولیت و ذمہ داری مرد کے حصے میں قرار دی۔

خاندان کی تشکیل اور اس کی بقاء خداوند کو بہت محبوب ہے اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل اس کے مرہون منت ہے لہٰذا عورت و مرد کا اپنی اپنی ذمہ داریوں پر عمل کرنا اس میں بہت دخالت رکھتا ہے، دونوں کو زندگی کے بعض بعض امور میں مسئولیت و ذمہ داری دی گئی ہے اور جن امور میں مرد کو مسئولیت و ذمہ داری دی گئی ہے ان میں عورت کی منفعت ہی مقصود ہے، مرد کی کسی ذمہ داری سے قطعاً کوئی ایسا تصور نہیں ہے کہ وہ عورت کو نقصان پہنچائے یا اس کی تحقیر کرے۔

Presented by Ziaraat.Com

معیار قوامیت

آیت میں آگے فرمایا گیا ہے: ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ان دو جملوں کو معیار قوامیت قرار دیا گیا ہے، یہ مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ﴿بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضِهِن﴾ نہیں کہا اگر ایسا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مردوں کو عورتوں پر وہ بھی بعض مردوں کو بعض عورتوں پر فضیلت دی، لیکن یہ نہیں کہا بلکہ ﴿عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہا یعنی بعض مردوں کو بعض پر فضیلت دی، ہوسکتا ہے مراد یہ ہو کہ اس ذمہ داری کو اٹھانے میں بعض مرد دوسرے بعض مردوں پر فضیلت و برتری رکھتے ہیں اور اس فضیلت سے مراد بھی مقام و رتبہ کی بلندی نہیں ہے چونکہ اس کا معیار تو خداوند نے تقویٰ کو قرار دیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو وظائف مرد کے سپرد ہوئے ہیں وہ ان کے لحاظ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں جیسا کہ عورت بھی ان وظائف کے زیادہ مناسب ہے جو اس کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔

فَضَّل فضل سے بھی ہے اور فضیلت سے بھی ہے، دوسرا معنی برتری پر دلالت کرتا ہے لیکن پہلا معنی کسی شئ کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اور آیت میں پہلا معنی مراد ہے ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ آیت کے اس حصے میں بھی عورت کو حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کی وصف بیان کی گئی ہے اور فاء تفریعیہ ہے جس کا مطلب سابقہ مطالب کے نتیجہ کے طور پر اسے قرار دینا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ مرد عورت پر قوامیت رکھتے ہیں لہٰذا صالح عورتیں اسی قوامیت کے سامنے قانت ہیں اس کے بعد ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ﴾ ﴿نُشُوْزَهُنَّ﴾ فرمایا گیا ہے یعنی عورتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو قانت ہیں یہ صالحات ہیں، دوسری ناصالح ہیں جن کے نشوز کا اندیشہ ہے۔ قنوت کے لغۃً معنی خضوع و فروتنی کے ساتھ اطاعت کے ہیں، سید قطب نے کہا: قنوت کے معنی ارادہ و رغبت کے ساتھ اطاعت کرنے کے ہیں نہ کہ اجبار، تحقیر و مجبوری کے ساتھ۔ اس وجہ سے خداوند نے طائعات نہیں فرمایا بلکہ قانتات فرمایا ہے، اگر یہاں قانتات خدا کے متعلق ہو تو اس کے معنی امور خاندان اور معاملات خانوادگی میں امر خدا کی پیروی ہے۔ اور اگر شوہر کے متعلق ہے تو اس کا مطلب اس کی ان امور میں اطاعت ہے جن میں رضائے الٰہی ہو۔

علامہ طباطبائیؒ نے المیزان میں فرمایا: ﴿فعليها ان تقنت له و تحفظه فيما يرجع الى ما بينهما من شؤون الزوجية﴾ یعنی عورت کو شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئے۔ ازدواجی زندگی کے معاملات میں۔ اور امام کاظم علیہ السلام سے روایت بھی ہے: ﴿جهاد المرأة حسن التبعّل﴾ عورت کا جہاد ہے ازدواجی زندگی کو احسن طور پر انجام دینا۔ (تفسیر المیزان، ج ۴، ص ۳۴۴)

یہ وظیفہ صرف شرعی الزامی حکم نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، اسی طرح کی روایت پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی

Presented by Ziaraat.Com

ہے کہ اسماء بنت یزید انصاری دوسری عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: عورتیں، جہاد وشہادت اور اجتماعات میں شرکت سے محروم ہیں لہٰذا ان اعمال کے اجر سے بھی محروم ہیں، حضور پاک ﷺ نے فرمایا: جاؤ جا کر سب عورتوں کو بتلا دو از دواجی وظائف کی ادائیگی اچھی طرح اور شوہر کی رضایت حاصل کرنے پر عورتوں کو یہ سب اجر ملے گا۔ (تفسیر المیزان، ج ۴، ص ۳۴۴)

نشوز

اس آیت میں آیا ہے: ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾۔

نشوز کے معنی: اس کے مختلف معنی ذکر ہوئے ہیں جیسے سرکشی، نافرمانی، برتری طلبی، ناہماہنگی، شوہر کی بات نہ ماننا، شوہر کے ساتھ بدزبانی کرنا، تمکین نہ کرنا، شوہر سے مربوط احکام پر عمل نہ کرنا، اس کے مقابل سورہ نساء آیت ۱۲۸ میں مرد کا نشوز بھی آیا ہے جس کے معنی عورت پر ظلم کرنا، اسے مارنا، اسے غیر لازمی وظائف پر مجبور کرنا ہے۔

نشوز لغت میں نَشَزَ سے ہے جس کے معنی بلندی وارتفاع کے ہیں، زمین کے بلند حصوں کو نشز کہتے ہیں اس سے یہ کلمہ لیا گیا ہے چونکہ عورت بھی ناشزہ ہوسکتی یہ اور مرد بھی ناشز ہوسکتا ہے لہٰذا ایک ایسا معنی ہو جو دونوں میں مشترک ہو۔

کہا گیا ہے کہ اگر دونوں (زن وشوہر) میں سے ایک کی طرف سے بے رغبتی ہو تو نشوز ہے۔ دونوں طرف سے ہو تو شقاق ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا﴾ (نساء: ۳۵) میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

آیت ۳۴ سورۂ نساء میں نشوز کے معنی عورت کے شوہر کی اطاعت سے خروج کے لیے ہیں۔ مفسرین کے علاوہ فقہاء نے بھی یہی معنی کیے ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا: زن ومرد کا وظائف مقررہ سے خروج نشوز ہے۔ محقق حلی نے کہا: نشوز یعنی عورت یا مرد اطاعت سے خارج ہو جائیں۔

شہید ثانی نے مسالک میں لکھا: نشوز یعنی ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کرنا، ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی نظر میں نشوز یعنی از دواجی احکام کے مقابل متکبرانہ سرکشی وعصیان کرنا۔ اوپر جو موارد ومعانی نشوز ذکر ہوئے وہ معنی نشوز نہیں ہیں بلکہ معنی کے مصادیق ہیں لہٰذا عورت کا تمکین نہ کرنا ایک مصداق ہے نشوز کا نہ کہ اس کے معنی ہیں۔

مرحوم بلاغی نے آلاء الرحمٰن میں لکھا ہے کہ نشوز کے اصل معنی عورت کا برتری طلبی کے طور پر شوہر کی اطاعت نہ کرنا اور اس کی نسبت وظائف وحقوق کو ادا نہ کرنا ہے کہ یہ عمل تدریجاً خطرناک حالت تک پہنچ جاتا ہے، اسی سے بچنے کی خاطر خداوند نے اس میں پہلے سے اس کے سدباب کا طریقہ بتلایا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

پس اس کے مطابق بھی نشوز کے معنی برتر بینی کے ہیں۔ لیکن یہ برتر بینی جو مورد مذمت قرار پایا ہے شوہر کے مقابل مراد نہیں ہے کہ کوئی کہے یہ فکر درست نہیں ہے بلکہ یہ برتر بینی حقوق و وظائف کے مقابلے ہے، جو ازدواج سے عورت و مرد دونوں کے کندھوں پر ڈالے گئے ہیں اور معاشرے کی بقاء وصلاح ان حقوق کی رعایت پر موقوف ہے۔ اس بناء پر وعظ و ھجر وضرب تین حکم الزامی نہیں ہیں بلکہ حکم ارشادی ہے یعنی اس مشکل کی راہ حل کے طور پر یہ تین طریقے پیش کئے گئے ہیں لہٰذا نہ یہ حق مرد ہے، نہ سزا وعقاب اور نہ ہی حکم الزامی۔

اور یہ تینوں کام بالترتیب ہوں گے۔ پہلا مرحلہ وعظ ونصیحت، اور سمجھانا ہے، اس کے عواقب ونتائج سے مطلع کرنا ہے یہ کارگر نہ ہوسکے تو فرمایا: ﴿وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾، مفسرین نے اس کے معنی میں مختلف احتمال ذکر کئے ہیں، طبری نے تو اسے ھجار کے لئے ہیں جو کہ بند شتر کو کہتے ہیں یعنی عورت کو گھر میں بند کردے لیکن دوسرے مفسرین نے اسے قبول نہیں کیا۔ اور اس کو ہجر سے لیا جس کے معنی دوری کے ہیں اور امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ مرد بستر میں پشت پھیر کر سوئے۔ (المیزان، جلد ۴، ص ۳۴۴)

اس سے اگلا مرحلہ ضرب کا ذکر ہوا ہے یعنی مارنا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو کرامت وعزت کے منافی عمل ہے اس کی کیسے اجازت دی گئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ مستقل حکم صادر نہیں ہوا کہ مرد عورت کو مار سکتا ہے بلکہ یہ آیت کے ضمن میں بیان ہوا ہے لہٰذا اسے اسی تناظر میں دیکھنا ہوگا۔

یہاں ضرب سزا وعقاب کے طور پر ذکر نہیں ہوئی بلکہ عورت کی روش کے مقابل پہلے دو طریقے مؤثر نہ ہونے کی صورت میں اگلے سخت مرحلے کے طور پر ذکر ہوئی ہے تاکہ عورت کی روش کے بارے مکمل اظہار تنفر ہو۔ شہید ثانی فرماتے ہیں: عورت کو انتقام کے طور پر، دل ٹھنڈا کرنے کے لئے اور بلاوجہ مارنا حرام ہے۔ (جواہر، ج ۳، ص ۲۰۷)

یہاں ضرب کا طریقہ ہر عورت کے لئے ذکر نہیں ہوا کہ ہر مرد اپنی بیوی کو مار سکتا ہے بلکہ اس عورت کے لئے جو ازدواجی زندگی کی بربادی پر تل گئی ہے بغیر کسی معقول وجہ کے صرف اپنی حاکمانہ طبیعت کی تسکین کی خاطر، باوجود اس کے کہ مرد قوامیت کے وظائف مکمل طور پر ادا کر رہا ہے جو کہ اپنے خاندان کی حفاظت، ان کی ذمہ داری اور ان کے حقوق کی پاسداری ہے۔ اس کے مقابل عورت کو قانت اور حافظ للغیب ہونا تھا تاکہ صالح کہلاتی لیکن عورت نے انحرافی راہ اپنا کر خاندان کی زندگی کو داؤ لگا دیا ہے، اب مرد اس مشکل کو حل کرنا چاہتا ہے لہٰذا اپنی ناپسندیدگی اس روش سے کیسے ظاہر کرے۔ آیت میں یہ طریقہ بتلایا گیا ہے کہ یہ تین مراحل طے کرو، کہ تیسرے مرحلے کی نوبت نہیں آئے گی اس لئے کہ ہر مرحلے کے آگے مراتب ہیں، ان کو طے کر کے مرد سمجھتا ہے کہ طلاق کے علاوہ کوئی راہ چارہ نہیں، لیکن طلاق سے بچنے کی خاطر شریعت آخری راہ کے طور پر مشورہ دیتی ہے کہ ہلکی سی ضرب کو بھی آزما کر دیکھ لو، یہاں شریعت نے مارنے کے حدود

Presented by Ziaraat.Com

مشخص کر دیئے ہیں کہ مبادا سخت مارو کہ اسے درد، زخم یا نیل پڑے جیسے مسواک سے ہلکا سا مارنا یہ صرف اس کی روش سے اظہارِ نفرت کی خاطر ہے، تو گویا یہ مارنا عورت کے حقوق کی پامالی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے حقوق کو خود پامال کر رہی ہے ان کو بچانے کے لئے، عورت کے حقوق کی پاسداری کی خاطر اس کی اجازت دی گئی ہے، یعنی اسلام نے یہ کہا ہے کہ اگر عورت سے نشوز کی علامات ملاحظہ کرو تو بے صبری نہ کرو اور فوراً طلاق کا راستہ اختیار نہ کر لو بلکہ آخر تک نظامِ خاندان کو بچانے کی کوشش کرو ممکن ہے کوئی طریقہ کارگر ہو جائے اور یہ خاندان بکھرنے سے بچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت بعد میں کہتی ہے: ﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ﴾۔ اگر اس طریقے کے بعد عورت راہ راست پر آ جائے اور ازدواجی زندگی بچانے کے لئے اس کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اب تمہارے لئے انہیں طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختصر مارنا بھی اسی صورت میں صحیح ہوگا کہ شوہر کو اس سے اصلاح کی امید ہو ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ علامہ محمد تقی جعفری لکھتے ہیں: یہ تین طریقے جو تجویز ہوئے تاثیر کے احتمال کے ساتھ ہیں کہ اگر صلاح کی امید ہو تب یہ کرو، اگر اصلاح کی امید نہ ہو اور عورت نشوز میں اپنے آپ کو برحق سمجھتی ہو تو پھر یہ شقاق کی منزل ہے جس کی راہ حل آیت میں ذکر ہوئی ہے۔ ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾

(ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، علامہ تقی جعفری، ج ۱۱، ص ۲۸۰)

سوال:۔ ایک مرد چار تک بیویاں رکھ سکتا ہے اس بارے قرآن میں ہے: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (نساء: ۴) تم عدالت کی رعایت کر سکتے ہو تو دو، دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے شادی کر سکتے ہو۔ جبکہ سورہ نساء آیت ۱۲۹ میں فرمایا: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ تم ہرگز عورتوں کے درمیان عدالت نہیں کر سکتے جتنی ہی خواہش کر لو۔ سوال یہ ہے کہ جب عدالت ممکن ہی نہیں تو پھر چار تک شادیوں کی اجازت ہی کیوں دی؟

جواب:۔ پہلی آیت میں عدالت کے معنی ان حقوق میں مساوات ہے جو عورت کے مرد پر فرض ہیں جیسے لباس، گھر، غذا، باہمی ارتباط، اگر کوئی ان حقوق میں عورتوں کے درمیان تساوی و برابری قائم رکھ سکتا ہے تو وہ متعدد شادیاں کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور دوسری آیت میں وہ عدالت جو ممکن ہی نہیں۔ اس سے مراد دلی تعلق و محبت ہے یعنی تم قلبی محبت میں عورتوں کے درمیان تساوی و برابری ہرگز کر نہیں سکتے اور یہ ایک فطری امر ہے چونکہ عورت کے حالات بھی بدلتے رہتے ہیں اور مرد کے بھی، اس کی ایک حالت پسندیدگی کا باعث ہے تو دوسری ناپسندیدگی کا اور شرعاً اس لحاظ سے برابری واجب بھی نہیں ہے لہٰذا ان دونوں آیتوں میں کوئی منافات و تضاد موجود نہیں ہے دونوں دو الگ الگ مطلب کو بیان کر رہی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

عورت کے بارے میں حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کی حدیث ہے: ﴿معاشر الناس لا تطیعوا النساء علی حالٍ ولا تأمنوھنّ علی مالٍ ولا تذروھن یدبّرن امر العیال فانّھن ان ترکن وما اردن اوردن المھالك و عدون امر المالك فانّا وجدناھن لا ورع لھن عند حاجتھن ولا صبر لھن عند شھوتھنّ البذخ لھن لازم و ان کبرن والعجب بھن لاحق وان عجزن ولا یشکرن الکثیر اذا منعن القلیل ینسین الخیر و یحفظن الشرّ یتھافتن بالبھتان و یتمادین بالطغیان و یتصدین للشیطان فداروھن علی کلّ حال و احسنوا لھن المقال لعلھن یحسن الفعال﴾۔ (بحار، جلد۱۰۳، صفحہ۲۲۳)

ترجمہ:۔ اے لوگو! عورتوں کی کسی حالت میں اطاعت نہ کرو، انہیں کسی مال پر امین نہ بناؤ، انہیں مستقل طور پر گھریلو امور کے فیصلے کرنے پر نہ چھوڑ دو (یعنی اگر وہ اس حوالے سے اقدام کریں تو آپ کی نظر کے تابع ہو) کیونکہ اگر ان فیصلوں میں آزاد و خود مختار ہوں تو خاندان کو ہلاکت میں ڈال دیں گی اور مرد کی قیمومیت کو مکمل طور پر تباہ کر دیں گی اور ہم (خاندانِ وحی) نے عورتوں کو ایسا پایا ہے کہ ضرورت کے وقت تقویٰ نہیں رکھتیں اگر رکھتی ہوں تو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی طغیانی میں صبر نہیں رکھتیں اور خود پر اترانا عورتوں کا لازمہ ذات ہے اگرچہ بوڑھی ہو جائیں اور خود پسندی سے بھی دور نہیں رہ سکتیں اگرچہ عمر کے آخری مرحلے میں ہوں اور اگر تھوڑی سی چیز سے انہیں محروم کریں تو اس زیادہ کو بھلا دیتی ہیں جو لے چکی ہوں اور نیکی و اچھائی کو بھلا کر برائی کو یاد رکھتی ہیں اگرچہ وہ بہت پرانی ہو......

اس خطبہ میں بھی مناسبت کو مدنظر رکھنا چاہئے حضرتؑ نے یہ خطبہ جنگ جمل کے بعد ایراد فرمایا ہے اور یہ عمومی طبع ہے جو اس خطبہ میں عورتوں کے حوالے ذکر ہوئی ہے اچھی تربیت، ماحول اور تعلیم سے ایسی کمزوریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس خطبہ کے ابتداء میں عورت کی امانتداری سے روکا گیا ہے۔ حالانکہ بہت سے موارد میں عورت پر اعتماد کیا گیا ہے۔ سید الشہداء علیہ السلام نے مواریث انبیاء و امامت ام المؤمنین ام سلمہ کے سپرد فرمائے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے: ﴿المرئة راعیة علی مال زوجھا و مسئولة عنه﴾ عورت شوہر کے مال کی سرپرست و ذمہ دار ہے۔ اس کے باوجود امانت داری سے روکنا اس خاطر ہے کہ مردوں کی بہ نسبت دھوکہ کھانے کے امکانات عورتوں میں زیادہ ہیں چونکہ ان میں جذبات و عواطف زیادہ ہوتے ہیں اور دھوکہ دہی کے لئے جذبات ہی ابھارے جاتے ہیں۔ یہ ایک عقلی حکم ہے کہ جذباتی آدمی آپ کے امور کو اس طرح درست انجام نہیں دے سکتا جیسے ایک غیر جذباتی دے سکتا ہے دھوکے باز اسی جذباتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا انسان عورت کو امین بنا سکتا ہے لیکن اسے نظر رکھنا ہوگی۔

عورتوں کے بارے بعض روایات

روایات میں بعض عورتوں کے حق میں اور بعض ان کے مخالف وارد ہوئی ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

مخالف روایات

(۱) ﴿قال علی علیه السلام: کلّ امرء تدبّره امرأته فهو ملعون﴾ (مکارم اخلاق، ص۲۲۱) جس شخص کے معاملات کی باگ ڈور اس کی عورت کے ہاتھ میں ہو وہ ملعون ہے۔

(۲) ﴿وقال علیه السلام: وفی خلافهنّ البرکة (// //)﴾ عورتوں کی مخالفت میں برکت ہے۔

(۳) ﴿قال ابی جعفر علیه السلام: لا تشاوروهن فی النجوی ولا تطیعوهن فی ذی قرابة﴾ (// //) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: خلوت میں عورتوں سے مشورہ نہ کرو اور رشتہ داروں کے بارے ان کی بات نہ مانو۔

(۴) ﴿قال رسول اللهﷺ : طاعة المرأة ندامة﴾ عورت کی اطاعت باعث ندامت ہوتی ہے۔

موافق روایات

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿من اخلاق الانبیاء حبّ النساء﴾ (سنن النبیؑ، ج۱، ص۱۴) عورتوں سے محبت کرنا پیامبرانہ اخلاق میں سے ہے۔

(۲) رسول خداﷺ نے فرمایا: ﴿الا خیرکم خیرکم لنسائه و انا خیرکم لنسائی﴾ (// //) تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔

نیز حضور پاکﷺ نے فرمایا: عورت خوشی کا ذریعہ ہے جو شخص عورت کرتا ہے (شادی کرتا ہے) وہ اسے ضائع نہ کرے۔

﴿عن النبیؐ : حُبّب الیّ من دنیاکم ثلاث النساء و الطیب و قرّة عینی الصلوٰة﴾ خداوند نے دنیا سے تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی ہے: عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز۔ (خصال صدوق)

نیز فرمایا: ﴿ما زال جبرئیل یوصینی بالمرأة حتی ظننت انّه لا ینبغی طلاقه﴾ جبرئیل خداوند کی طرف سے مسلسل مجھے عورتوں کے حوالے سے سفارش پہنچاتا رہا یہاں تک کہ میں سمجھا کہ عورت کو طلاق دینا بھی صحیح نہ ہوگا۔

ظاہری طور پر یہ روایات ایک دوسرے کے خلاف نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت وہ روایات جو عورت کی مخالفت کے بارے ہیں وہ اسی صورت میں ہیں جب عورت اپنے حدود سے تجاوز کرے اور خود حق سرپرستی وقیمومتی حاصل کر لے۔ جب اموال کا اختیار اور مرد کے معاملات کا اختیار عورت کے ہاتھ میں آجائے تو اس سے معاشروں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا

Presented by Ziaraat.Com

ہے اور مرد اپنے بہت سے وظائف اور ذمہ داریوں کی ادائیگی سے قاصر ہو جاتا ہے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں سے کٹ کر رہ جاتا ہے ان کے ساتھ احسان و بھلائی نہیں کرتا۔ جو عورت بیوی ہے وہ جب بیٹے کی ماں بنتی ہے تو وہ قطعاً راضی نہیں ہوتی کہ اس کے بیٹے کا اختیار اس کی بیوی کے ہاتھ میں ہو اور وہ بیوی کی باتیں مانے اور اس کے مشوروں کو اہمیت دے۔ (کتابخانہ انٹرنیٹ التبیان)

عورت کی گواہی

فقہی طور پر عورت کی گواہی بعض موارد میں قابل قبول ہے۔ اکیلی ہو یا دو عورتیں جن امور کا علم صرف عورت کی خبر سے ہوسکتا ہے ان میں تنہا ایک عورت کی شہادت قابل قبول ہے جیسے خلوّ رحم من الحیض۔ اور شہادت کے موارد جہاں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی خلقت میں عواطف، احساسات و جذبات کا غلبہ ہے، اور گواہی میں ضروری ہے کہ جذبات و احساسات سے مغلوب نہیں ہونا چاہئے۔ اس لحاظ سے عورت کی شہادت میں یہ خطرہ تو تھا کہ جذبات و احساسات غالب آسکتے ہیں لہٰذا حکمت نے تقاضا کیا کہ دو عورتیں مل کر شہادت دیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام عورت کو گواہی کے معاملے سے دور رکھنا چاہتا ہے اس میں پہلی مشکل تو "تحمل شہادت" ہے کہ اس منظر کو دیکھنا ہے جس کی شہادت بعد میں قاضی کے سامنے ادا کرنا ہوگی، بہت سے مناظر ایسے ہوتے ہیں جو عورت کے دیکھنے کے نہیں ہوتے، اور دوسرا مرحلہ شہادت کی ادائیگی کا ہے کہ اس میں جرح کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے کہ یہ بہت مشکل مرحلہ ہے عورت کیلئے۔ اس لئے اسلام عورت کو گواہی جیسے وظیفے سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ حقوق شہود کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں۔

(۱) وہ جو چار مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتے ہیں: یہ زنا، لواطہ اور سُحق ہیں، اب رجم کے موجبِ زنا میں تین مرد اور دو عورتیں شہادت دیں تو کافی ہے اور کوڑوں کے موجب زنا میں دو مرد اور چار عورتیں شہادت دے سکتے ہیں۔

(۲) وہ جو صرف دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ارتداد، قذف (تہمت) اور حدّ سرقت ہیں۔ (خود سرقت یعنی چوری ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی ثابت ہوسکتی ہے اور ایک گواہ اور قسم سے بھی ثابت ہو سکتی ہے) نیز زکوٰۃ، خمس، نذر، کفارہ، اس قسم کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ حقوق آدمی جو مال نہ ہوں یا ان سے مال مقصود نہ ہو، اس قسم سے اسلام، بلوغ وغیرہ بھی ہیں۔

(۳) وہ جو دو مردوں کی شہادت سے یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت سے اور ایک مرد کی شہادت اور قسم سے ثابت ہو سکتے ہیں، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ خود مال ہو یا اس سے مال مقصود ہو جیسے قرضہ، کہ خود مال ہے اور وہ جنایت جو

Presented by Ziaraat.Com

موجب دیت ہو جیسے قتل خطاء۔

(۴) وہ جو مردوں کی شہادت سے اور عورتوں کی شہادت سے ثابت ہو سکتے ہیں یعنی عورتیں تنہا ہوں مردوں کی شراکت کے بغیر، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ان امور سے ہوں جن کے بارے مردوں کیلئے اطلاع پیدا کرنا مشکل ہو جیسے بچے کی ولادت اور ولادت کے بعد گریہ (استھلال، یعنی ولادت کے بعد گریہ کی آواز بلند ہونا جو کہ بچے کی زندگی کی علامت ہے) نیز عورت کے باطنی عیوب، اجتماع، مال کی وصیت۔

سوال:۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۳ میں ہے کہ عورتوں کے حیض کی حالت میں قریب مت جاؤ کیا یہ عورت کی توہین نہیں ہے جبکہ خداوند نے اس کی طبیعت ایسی قرار دی ہے؟

جواب:۔ اسلام سے پہلے اس حالت میں عورت سے مناسب سلوک نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً یہودیت میں عورت کو بالکل الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے۔ ایک طرح کی قید کی حالت ہوتی ہے، ہر کام سے اسے روک دیتے تھے۔ مجالس ومحافل میں نہیں آسکتی تھی۔ عیسائیت اس کے بالکل برعکس ہے، بالکل بے پروا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ مشرکین عرب کا اس حوالے سے کوئی اصول نہیں تھا، کچھ یہودیوں کی طرح ردعمل کرتے اور کچھ عیسائیوں کی طرح، اور عورت کے ساتھ بعض کے نزدیک ان ایام میں نزدیکی بڑی مبارک شمار ہوتی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا وہ سفاک وخونی ہوگا۔

اسلام نے اس بارے حقیقت پسندانہ موقف پیش کیا، چونکہ عورت کو حمل کی تیاری اور دودھ کی پیدائش اور شکم میں موجود بچے کی غذا کے لئے ضروری تھا کہ ہر ماہ خون دیکھے جس کی وجہ سے روحی وجسمی طور پر ان ایام میں اس میں تبدیلی تو آتی ہے جو اپنے اثرات بھی رکھتی ہے جیسے پاکیزگی کا نہ ہونا، کمزوری کا طاری ہونا، ایسی حالت میں اس کے ساتھ نزدیکی کئی لحاظ سے نقصان دہ ہوسکتی ہے خود اس کے اندرونی نظام کے لئے بھی اور مرد کے لئے، لہٰذا اسلام نے اس عمل کو حرام قرار دے دیا، باقی وہ انسان کی زوجہ ہے بہ تمام معنی، حسن معاشرت کر سکتے ہیں اور اسلام کی نظر میں ان ایام میں زیادہ توجہ ومحبت کا اظہار ہونا چاہئے۔

سوال:۔ مرد کو میراث عورت سے دگنا کیوں ملتی ہے کہ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾۔

جواب:۔ اولاد کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف اولاد میں ہے یا بہن بھائیوں میں یا چچا پھوپھی میں۔ ہر جگہ ایسا نہیں۔ تقسیم ارث میں بعض موارد میں عورت کو مرد سے زیادہ مل جاتا ہے، اور جہاں مرد دو برابر لیتا ہے وہاں عورت کو جو ملا ہے وہ اس کی بچت ہے چونکہ اس کا خرچہ مرد کی ذمہ داری ہے، مرد چونکہ خرچ کرتا ہے یعنی اس پر اولاد کی، بیوی کی، والدین کی ذمہ داری ہے خرچ کے لحاظ سے لہٰذا اس کا حصہ زیادہ ہونا چاہئے۔

Presented by Ziaraat.Com

سوال:۔ عورت کے واجبات و وظائف کیا ہیں؟

جواب:۔ گھر کے کام عورت پر واجب نہیں کئے گئے، حتیٰ کہ بچے کو دودھ پلانا بھی اس پر واجب نہیں ہے۔ یہ صرف اس خاطر کہ مرد عورت کو ایک غلام کے طور پر نہ دیکھے لہٰذا عورت کی شخصیت کے پیش نظر اس پر یہ امور واجب نہیں کئے گئے لیکن خداوند نے فطری طور پر عورت کے دل میں بچے کی محبت رکھی جس کی وجہ سے وہ اسے راتوں کو اٹھ اٹھ کر دودھ پلاتی ہے، اس طرح گھر کی دیکھ بھال بھی اس کی فطرت ہے، باہمی طور پر تقسیم کار کر لیں تو ذمہ داری بن جائے گی جس پر عمل ضروری ہوگا جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے بی بی پاک سے تقسیم کار کیا کہ گھر کے اندر کے کام بی بی کریں گی اور گھر کے باہر کے کام مولا انجام دیں گے۔ پھر بھی مولا گھر کے اندر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے یہ حسن معاشرت ہے جس کا مظاہرہ مرد و عورت دونوں جانب سے ہو تو زندگی بڑی پُرسکون گزرے گی، کوئی ایک طرف اگر اس کا مظاہرہ نہ کرے تو سوائے تلخی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

کیا مرد سے عورت کا قصاص لے سکتے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ ایک مرد عورت کو قتل کر دے تو کیا قتل عمد میں قصاص ہے یا دیت۔ جبکہ مرد مرد کو قتل کر دے تو قصاص ہے، اولیاء دم راضی ہوں تو دیت لے سکتے ہیں۔ اب اگر مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو بھی قصاص میں اس قاتل مرد کو قتل کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہاں قتل کر سکتے ہیں البتہ عورت کے ورثہ جو قصاص میں قاتل کو سزائے موت دلوا رہے ہیں انہیں آدھی دیت ادا کرنا ہوگی۔ اور اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ عموماً مرد گھر کا کمانے والا ہوتا ہے ان کے اخراجات پورے کرتا ہے۔ قصاص میں قتل ہوگا تو مشکل پیش آئے گی۔ لہٰذا مرد کے چلے جانے سے جو نقصان مالی طور پر گھر والوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے وہ عورت کے چلے جانے سے نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام نے عورت و مرد میں یہ فرق رکھا ہے کہ عورت کے ورثہ چاہیں تو عورت کی قاتل سے دیت لے لیں اور چاہیں تو قصاص کر لیں لیکن قصاص کی صورت میں آدھی دیت ادا کرنا ہوگی۔

مرد و عورت میں فرق یا خصوصیات

قرآن میں ہے: ﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ (نجم، ۴۵) خداوند نے نر و مادہ کو خلق کیا۔

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ (آل عمران: ۳۶) مرد و عورت ایک جیسے نہیں ہیں۔

اس بناء پر دونوں کی کچھ خصوصیات الگ الگ ہیں اگرچہ اصل حقیقت و ماہیت میں دونوں مشترک ہیں کہ انسانیت کی جو خصوصیات ہیں وہ دونوں میں ہیں۔

Presented by Ziaraat.Com

مرد کی خصوصیات

(۱) مرد میں جسمانی قوت وقدرت عورت کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے یہی چیز مرد میں بھاری ذمہ داریوں کی اہلیت پیدا کرتی ہے۔

(۲) مرد ٹھنڈے مزاج کا ہوتا ہے لہٰذا اس میں سوچ سمجھ کر اقدام کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے بجائے اس کے کہ جذباتی یا احساساتی ہو کر فیصلہ کرے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے زندگی کے معاملات اور طلاق رجعی کا حق مرد کے اختیار میں دیا گیا۔

(۳) مرد گھر کو آرام وسکون کا مقام سمجھتا ہے جہاں آ کر وہ اپنی پریشانیوں سے نجات پاتا ہے، عورت اگر مرد کی اس ضرورت کی پروانہ کرے تو مرد گھر سے باہر آرام وسکون کی تلاش کرتا ہے اور بے راہروی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن میں اس بارے ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ (روم:۲۱)

خداوند کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہارا جیون ساتھی خلق کیا تا کہ تمھیں اس کے ساتھ آرام وسکون حاصل ہو۔

(۴) مرد عورت کی خوبصورتی، بناؤ سنگھار کا خواہشمند ہے، عورت مرد کی اسی خواہش کو پورا کر کے اس کی گھر کے ساتھ وابستگی کو مضبوط بنا سکتی ہے۔

(۵) مرد میں یہ غیرت زیادہ پائی جاتی ہے کہ عورت صرف اس کے ساتھ خاص ہو، عورت میں اس طرح کا تقاضا اتنا شدید نہیں ہوگا۔

عورت کی خصوصیات

(۱) عورت ظاہری جاذبہ کے ساتھ زیادہ رقیق القلب ہوتی ہے، مرد سے جلدی جذباتی ہو جاتی ہے اور بے سوچے سمجھے کچھ کر گزرتی ہے، حضرت امام سجاد علیہ السلام سے حدیث مروی ہے:

﴿من شان النساء الرقة و الجزع فلم تملك نفسها﴾ (بحار، ج۲، ص۳۵)

عورت کی شان رقت قلبی اور اظہارِ مصیبت ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر اختیار کھو دیتی ہے۔

اور غصے کی شدت ایسی چیز ہے جس سے اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿شدة الغضب تغيّر المنطق وتقطع مادة الحجة و تفرق الفهم﴾

(سفینۃ البحار، ج۳، ص۸۰۰)

Presented by Ziaraat.Com

غصے کی شدت منطق کو بدل دیتی ہے۔ دلیل کا مادہ کاٹ دیتی ہے اور سمجھ میں خلل ڈال دیتی ہے۔

عورت کو غصہ سے بچانے کیلئے مولاؑ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فالطفوا لهن علی کل حال لعلهن یُحسنّ الفعال﴾ (بحار، ج ۱۰۰، صفحہ ۲۵۳)

عورتوں سے ہمیشہ نرم برتاؤ کرو تاکہ وہ اچھا عمل کریں۔

حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿قول الرجل للمرأة انّی اُحبك لا یذهب من قلبها ابداً﴾

(فروع کافی، ج ۵، ص ۵۶۹)

مرد کا عورت کو یہ کہنا "میں تم سے محبت کرتا ہوں" عورت کے دل سے کبھی نہیں جاتا۔

(۲) ماں بننے کی خواہش: ۔اسی خواہش کی نتیجے میں عورت اگلی نسل کی پرورش کرتی ہے۔

(۳) حسن و آرائش سے محبت: ۔قرآن میں ہے: ﴿اَوَ مَنْ یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ﴾ (زخرف:۱۸) وہ اسے خدا کا شریک بناتے ہیں جس کی پرورش زیورات میں ہوئی ہے۔

یہاں مناسبت تو یہ تھی کہ حجاب (پردے) کی بحث بھی کی جاتی لیکن یہ ایک مفصل بحث ہے جس کی گنجائش اس مختصر میں نہیں ہے۔ بعض اہم نکات کی طرف صرف اشارہ کرتے ہیں۔

سوال: ۔کیا وجہ ہے کہ خداوند نے پردہ عورت پر واجب کیا ہے مرد پر نہیں؟ کیا یہ عورت کے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟

جواب: ۔بعض خصوصیات ایسی ہیں جو اس اختصاص کا تقاضا کرتی ہیں۔ یہ عورت کا نقص نہیں ہے جو پردے کا باعث ہے بلکہ ایک تو اس کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ ڈھاپنے کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسرا مرد عورت کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ چیز عورت میں نہیں ہے لیکن مرد شادی شدہ ہو تب بھی اس کی آنکھوں کی بھوک نہیں مٹتی۔ خوبصورت عورت دیکھ کر بے بس سا ہو جاتا ہے اور بعض مردوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور قرآن کریم میں حضور پاک ﷺ کو جب فرمایا کہ اب مزید عورتیں آپ پر حرام ہیں تو اس کے بعد ہے: ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ اگرچہ ان کا حسن لبھانے والا ہو، یہ امر پردے کا تقاضا کرتا ہے اور چونکہ مرد کا زیادہ سروکار باہر سے ہے اور عورت کا زیادہ سروکار گھر سے ہے لہٰذا مرد کو خارجی نظام چلانے کے لئے پردے کے قیود میں مقید نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاں عورت کو چونکہ کم نکلنا ہے لہٰذا اسے پابند کیا گیا اگرچہ مرد کو بھی غض بصر کا حکم ہوا جس کے معنی نامحرم سے آنکھوں کو بند کرنے کے ہیں جس کا مطلب چشم پوشی ہے اور آنکھوں کی ہوس بازی سے رکتا ہے اور حریصانہ نظر کو کنٹرول کرنا ہے۔

Presented by Ziaraat.Com

اس کے علاوہ کہ حجاب ایک شرعی حکم ہے یہ ایک شرف و اعزاز ہے جو اسلام نے آزاد عورت کو بخشا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر اپنے دور خلافت میں لونڈیوں کو مقنع لینے سے روکتے تھے کہ یہ شرف صرف آزاد کو عورت حاصل ہے اور عجیب انداز ہے قرآن کا حجاب کے فرض کرتے ہوئے یہ نہیں کہا جو نہ کرے گا اسے فلاں عذاب ہے اور جو حجاب کرے گا اس کے لئے فلان جزا ہے بلکہ ایک عقلی حکم کو بنیاد بنایا ہے فرمایا ہے:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ یعنی حجاب نہ پہچانے جانے اور اوباشوں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ نہ ہونے کے لحاظ سے بہترین ہے۔

قرآن میں حجاب پانچ مرحلوں میں فرض کیا گیا ہے کہ یہ بحث مفصل ہے جس کا اجمال یہ ہے:

پردہ پانچویں ہجری تک واجب نہیں ہوا تھا، عورتیں عام لباس ہی میں مردوں کے سامنے آتی تھیں۔ سال پنجم ہجری میں حضور پاک ﷺ نے زینب بنت جحش سے شادی فرمائی تو خداوند نے پردہ کا حکم دیا اور لوگوں کو حکم ہوا کہ حضور کی بیویوں سے پس پردہ گفتگو کیا کریں۔ ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ (احزاب:۵۳) یہ پہلا مرحلہ تھا۔

دوسرا مرحلہ:۔ اب جب سوالات پیش آئے کہ کیا نبی کی بیویاں اپنی بیٹی سے بھی بات نہ کریں اپنی بہنوں سے؟ کیا ان کے بھائی بھی انہیں نہیں دیکھ سکتے وغیرہ تو اگلی آیت میں فرمایا: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ (احزاب:۵۵)

اس آیت میں نبی پاک ﷺ کی بیویوں کو اپنے نسبی محرموں سے گفتگو کی اجازت دی گئی بغیر پردہ کے۔ ان آیات سے عمومی حکم حجاب کا استفادہ مشکل ہے اور تنقیح مناط کرتے ہوئے بھی تعمیم نہیں دے سکتے کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں احتمال خصوصیت نہ ہو جبکہ یہاں مورد کی خصوصیت کا قوی احتمال موجود ہے۔

تیسرا مرحلہ:۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (احزاب:۵۹) خداوند نے سابق آیت میں حجاب کا جو امتیاز ازواج النبی کو بخشا تھا اس میں وسعت دی اور مومن عورتوں کو یہ حکم دے دیا۔

حکم حجاب تکلیفی حکم نہیں تھا بلکہ ایک طرح کا شرف و اعزاز تھا یہی وجہ ہے اسے عقلی حکم پر معلق کر دیا ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰـــى.....﴾۔ لہٰذا مدینہ کی عورتوں نے سیاہ چادریں اوڑھ لیں جبکہ حضور ﷺ نے سیاہ چادروں کا حکم نہیں دیا تھا انہوں نے خود اس اعزاز کو یہ امتیاز بخشا۔ اور یہ چادروں کا حکم حکم ہونے کے بجائے حق سمجھا جانے لگا حضرت عمرؓ کنیزوں کو

Presented by Ziaraat.Com

اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیروں کو دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں؟

(۱)**تفسیر قمی** :۔اس کا سبب نزول یہ تھا کہ عورتیں مسجد جاتیں نماز حضور کے پیچھے پڑھنے کے لئے رات کواوباش نوجوان انہیں راستے میں تنگ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲)**روح المعانی** :۔اکثر نے روایت کی ہے کہ رات کو آزاد عورتیں اور کنیزیں نکلتی۔ باغات کی طرف رفع حاجت کے لئے اور دونوں میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ فاسق افراد لونڈیوں کو چھیڑتے تھے بعض دفعہ ان کے دھوکے میں حرائر (آزاد عورتوں) کو معترض ہو جاتے۔ بعد میں کہتے: ہم انہیں لونڈیاں سمجھے تھے۔ اس وجہ سے حرائر کو حکم ہوا لباس میں ان سے فرق کرو اور پردے کے ساتھ باہر آؤ تا کہ اوباشوں پر تمہاری ہیبت وحشمت طاری ہو۔

(۳)**الدر المنثور** :۔ازواج رسول خدا ﷺ جب رات کو رفع حاجت کے لئے جاتیں تو منافقین کا گروہ انہیں اذیت کرتا۔ جب ان سے بات کی گئی تو انہوں نے کہا: ہم تو لونڈیوں کو چھیڑتے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (جلباب کے معنی اس چادر کے ہیں جو پورے بدن کو ڈھانپ لے، نیز دوپٹے کو بھی کہتے ہیں جو کہ ردسری کہلاتا ہے اور حضور ﷺ کے دور میں یہ لفظ چادر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ یُدنین کے معنی نزدیک کرنے کے ہیں لیکن اس آیت میں لیتدان کے معنی میں ہیں یعنی اوپر لینا اور تفسیر میزان میں یتسترن کے معنی ہے یعنی پردہ کرنا۔

چوتھا مرحلہ:۔ ترتیب نزول میں سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی اور سورہ نور بعد میں، اب خدا نے سورہ نور آیت ۳۰ میں فرمایا: ﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ..... ﴾ اس آیت میں خداوند نے مومن و پارسا عورتوں کو پردے کا حکم دیا کہ اپنی آنکھوں کو ناجائز نظر بازی سے بند لو، اپنے جسم کو ڈھانپ لو اور اپنی زیب و زینت کسی پر ظاہر نہ کرو۔ بلاشک وشبہ یہ آیات سورہ احزاب والی آیات کے بعد نازل ہوئی ہیں۔

یہ اہم ترین مرحلہ حجاب ہے جس میں اور امور بھی ذکر ہوئے ہیں۔ غض کے معنی کم کرنے کے ہیں یہاں معنی نگاہیں نیچی رکھنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اس سے نگاہ نیچی کر لیں، چونکہ مومنات و مومنین جمع استعمال ہوئے ہیں اس لئے یہ وظیفہ ہر ہر فرد معاشرہ کا ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک انصاری نوجوان ایک عورت کو دیکھتا جا رہا تھا ایک گلی میں دیوار سے نکلی ہڈی یا شیشہ اس کے چہرے پر لگا اور وہ زخمی ہوگیا۔ اس نے حضور پاک ﷺ سے شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

Presented by Ziaraat.Com

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: قرآن میں جہاں لفظ فروج آیا ہے وہاں زنا مراد ہے سوائے اس آیت کے کہ یہاں فروج سے مراد نظر ہے یعنی مرد و عورت پر لازم ہے کہ فروج پر نگاہ نہ کریں۔

پانچواں مرحلہ:۔ اسی سورہ نور آیت ۵۸ و ۵۹ میں مزید تفصیل دی گئی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ یہ بیٹوں کے ماں پر وارد ہونے کے لحاظ سے تفصیل ہے، اس کی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ومن بلغ الحلم فلا یلج علی امه ولا علی اخته ولا علی خالته ولا علی سوی ذلك الاّ باذن فلا یاذنوا حتّٰی یسلموا سلام طاعة اللّٰه﴾۔ (تفسیر نور الثقلین، ج ۳، ص ۶۲۱) جو بالغ ہو چکا ہو وہ اپنی ماں، بہن، خالہ اور ان کے علاوہ عورتوں پر داخل نہ ہو مگر یہ کہ ان سے اذن لے اور انہیں اذن نہ دیا جائے مگر جب وہ سلام کریں۔

(نوٹ) بعض عرب محقق جیسے محمد سعید القدال (الحجاب فی الخطاب القرآنی)، محمد سعید عشاوی (حقیقة الحجاب و حجیة الحدیث)، عبد الفتاح عبد القادر یہ سب حجاب کو ازواج نبی کے ساتھ خاص حکم قرار دیتے ہیں اور اسے دوسری مومن عورتوں پر واجب نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ بات درست نہیں، ﴿العلّة تعمّم﴾، حجاب کی علت ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ عام ہے لہٰذا حکم بھی عام ہو جائے گا تفسیر اضواء البیان میں یہی دلیل عمومیت مذکور ہے۔

مرد و عورت کے درمیان فرق کے حوالے سے بعض نظریات

افلاطون کہتے ہیں کہ عورت و مرد کی صلاحیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور عورتیں وہی ذمہ داریاں اٹھا سکتی ہیں جو مرد کے ذمے ہیں، اور مرد بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو عورت کے ذمے ہیں، آج کی مغربی دنیا کے اس بارے نظریات جدید نظریات نہیں ہیں بلکہ افلاطون کے نظریات سے متاثر ہیں۔ افلاطون کہتے ہیں جیسے مرد فوجی و رزمی امور سیکھتے ہیں عورتوں کو سیکھنا چاہئے اور مقابلوں میں شرکت جیسے مرد کرتے ہیں عورتوں کو بھی کرنا چاہئے، البتہ افلاطون یہ اعتراف کرتا ہے کہ عورت کی جسمانی و عقلی قوت مرد سے کمتر ہے یعنی کمیت کے لحاظ سے دونوں کے فرق کو قبول کرتا ہے کیفیت کے لحاظ سے قبول نہیں کرتا اور عورت کی اس کمی کی وجہ سے وہ خدا کا شکر کرتا ہے کہ مرد خلق ہوا ہے نہ کہ عورت۔

افلاطون کے بعد اس کا شاگرد ارسطو آیا اور اس نے استاد کے نظریات کی کھل کر مخالفت کی۔ ارسطو قائل ہے کہ عورت و مرد کے درمیان کمیت کے علاوہ کیفیت میں بھی اختلاف و فرق ہے یعنی صلاحیتیں بھی الگ الگ ہیں اور قانون خلقت نے ہر ایک کے ذمے جو ذمہ داریاں قرار دی ہیں اور حقوق جو معیّن کئے ہیں وہ زیادہ تر مختلف ہیں، عورت و مرد کے فضائل اخلاقی بھی بہت سے موارد میں مختلف ہیں، ایک خصلت مرد میں ہو سکتا ہے فضیلت ہو لیکن عورت میں فضیلت

Presented by Ziaraat.Com

نہ ہو وبالعکس۔

بعد والے دانشمندوں نے ارسطو کے نظریات کو افلاطون کے نظریات پر ترجیح دی اور آج کی جدید تحقیقات کے نتیجہ میں عورت و مرد کے درمیان موجود فرق زیادہ بہتر طریقے سے واضح ہوئے ہیں۔

جسمانی فرق :۔ مرد عموماً بڑے ڈیل ڈول کے ہوتے ہیں اور عورتیں جسمانی لحاظ سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ مرد کا قد لمبا ہوتا ہے عورت کا چھوٹا۔ مرد میں نفاست کم ہوتی ہے اور عورت میں نفاست وظرافت کی کثرت ہوتی ہے، مرد کی آواز موٹی ہوتی ہے عورت کی ظریف و باریک۔ عورت کا بڑھنا جلدی ہوتا ہے مرد کا سُست روی سے، عورت بہت سی بیماریوں کے مقابل مرد سے زیادہ قوت برداشت رکھتی ہے عورت مرد سے جلدی بالغ ہوتی ہے اور مرد سے پہلے تولید نسل کی قابلیت سے ساقط ہو جاتی ہے۔ مرد کا دماغ تقریباً عورت کے دماغ سے بڑا ہوتا ہے، عورت کے دل کی دھڑکن مرد سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ مرد کے پھیپھڑے عورت کے پھیپھڑوں سے زیادہ ہوا کھینچ سکتے ہیں۔

بعض خواتین کے واقعات

نسیبہ جراحہ :۔ نسیبہ بنت کعب جسے ام عمارہ بھی کہا جاتا ہے عمارہ آپ کے بیٹے کا نام تھا جنگ احد میں ایک مشک پانی اور کچھ پٹیاں ہمراہ لائیں، اس سے بڑھ کر کچھ ذہن میں نہیں تھا۔ پیاسے مجاہدین کو پانی پلانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا یہی کچھ سوچا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے کم ہونے کے باوجود ابتداء میں مشرکین کو شکست فاش دی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن تل عینین کے محافظوں کی غفلت و کوتاہی سے پانسہ پلٹ گیا دشمن نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے مجاہد بھاگ نکلے۔ نسیبہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مشک زمین پر رکھ دی اور خود جنگ میں وارد ہو گئی، کبھی تلوار سے اور کبھی تیر و کمان سے جنگ کرتی رہی، ایک بھاگتے ہوئے شخص سے کہا اپنی ڈھال مجھے دیتے جاؤ۔ ایک مرتبہ سنا ایک مشرک حضور ﷺ کے بارے بلند آواز سے کہہ رہا ہے محمدؐ کدھر ہے؟ نسیبہ نے اس کے پاس جا کر تلوار سے اسے ضرب لگائی اس نے چونکہ دو زرہیں پہن رکھی تھیں لہٰذا اس پر تو اثر نہ ہوا البتہ اس نے نسیبہ کے کندھے پر تلوار کا بڑا کاری وار کیا اور ایک سال تک مسلسل اس زخم کا علاج ہوتا رہا، جب حضور ﷺ نے نسیبہ کے شانے سے خون بہتے دیکھا تو اس کے بیٹے کو آواز دی کہ ماں کے زخم پر پٹی باندھو۔ اس نے زخم باندھ دیا۔ نسیبہ کا ایک بیٹا زخمی ہوا اور جنگ سے رخ موڑنا چاہتا تھا۔ نسیبہ نے اس کا زخم باندھا تلوار ہاتھ میں دی اور کہا: بیٹا جلد جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اس وقت حضور پاک ﷺ نے نسیبہ سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہی ہے جس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا ہے، نسیبہ نے نر شیر کی طرح اس شخص پر حملہ کیا اور پنڈلی پر تلوار ماری کہ وہ گر پڑا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے خوب انتقام لیا۔ شکر خدا کا جس نے تمہیں فتح دی اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک دی، نسیبہ بہت زخمی ہوئی، حضور ﷺ نے احد کے فوراً

Presented by Ziaraat.Com

بعد حمراء الاسد کی طرف لشکر کو حرکت کا حکم دیا۔ نسیبہ زخموں کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکی، جب حضور ﷺ واپس آئے تو سب سے پہلے نسیبہ کی خیریت دریافت کی جب اس کی سلامتی کی خبر دی گئی تو حضور ﷺ خوش و مسرور ہوئے۔
(داستان راستان شہید مطہری)

قولِ شیطان

ایک دن ملعون ابلیس حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے کچھ سوالات کئے جن کے اس نے جوابات دیئے۔ ایک سوال یہ تھا: تمہارے رفقاء کون لوگ ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: جھوٹے، چغل خور اور عورتیں، پوچھا: تمہارا دام کیا ہے؟ اس نے کہا: عورتیں۔ میں عورتوں کے ذریعے مردوں کو راہ راست سے منحرف کرتا ہوں اور خود عورتوں کو مکر و فریب اور ہمدردی کے ذریعے گمراہ کرتا ہوں۔ پوچھا: کتنی تعداد عورتوں کی تمہاری پیروی کرتی ہے؟ اس نے کہا: بہت زیادہ گنتی سے باہر ہیں۔ ہزاروں عورتوں میں سے صرف ایک ایسی ہوگی جو میری اطاعت نہ کرے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: اب تک کتنی عورتیں ایسی ہوں گی جن پر تمہیں غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس نے کہا: چار عورتیں ایسی ہیں:

پہلی: **آسیہؑ زن فرعون**:۔ ایک عمر یہ فرعون کے ساتھ رہی لیکن ایک لحظہ کے لئے بھی اس نے خدا کے ساتھ کفر نہ کیا، اور اپنے دور کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروکار رہی بالآخر فرعون کے ہاتھوں شہید ہوئی۔

دوسری: **مریم مادر عیسیٰؑ**:۔ پیدائش عیسیٰ کے دن بیت المقدس میں تھی۔ اول سے آخر عمر تک عبادت خدا میں مشغول رہی ہمیشہ پاکیزہ رہی۔

تیسری: **خدیجہؑ**:۔ جو کہ آپ کی بیوی ہے جس نے سب کچھ آپ کے حوالے کر دیا اور چوتھی جو سب سے گرامی ترین ہستی ہے وہ آپ کی بیٹی فاطمہؑ ہے پوری دنیا میں اس جیسی باایمان، اہل علم اور اخلاقی خاتون نہیں آئی۔
(شیطان در کمین، نعمت اللہ صالحی)

شوہر کی اطاعت اور اس کا اجر

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا ﷺ کے دور میں ایک انصاری ضروریات زندگی کی خاطر سفر پر جانے لگا تو اس نے اپنی عورت سے عہد لیا کہ اس کے واپس آنے تک گھر سے نہیں نکلے گی۔ عورت مسلسل گھر میں رہی۔ اسے خبر ملی کہ تمہارا باپ سخت مریض ہے اس عورت نے رسول خدا ﷺ کو کسی کے ذریعے پیغام بھیجا اور جانے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ تم گھر ہی میں رہو، شوہر کی اطاعت میں رہو۔ پھر اسے خبر ملی کہ باپ کی حالت نازک ہے اس نے دوبارہ حضور ﷺ سے اجازت مانگی، حضور ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس عورت کا باپ فوت ہو گیا، اس نے حضور ﷺ سے جنازۂ پدر میں شرکت کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے وہی جواب دیا۔ اس کا باپ کا چالیسواں

Presented by Ziaraat.Com

ہوگیا لیکن عورت شوہر کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر قائم رہی اور نہ گئی تو حضور پاک ﷺ نے اسے پیغام بھیجا: ﴿ان اللہ غفـرلکِ ولابیکِ بطـاعتك لـزوجك﴾ جو تم نے اپنے شوہر کی اطاعت کی ہے اس کی وجہ سے خداوند نے تمہارے باپ کو اور تمہیں بخش دیا ہے۔ (داستان دوستان، محمد محمدی اشتہاردی)

لیلیٰ غفاریہ

لیلیٰ غفاریہ رسول خدا ﷺ کے ہمراہ جنگوں میں شرکت کرتی تھی اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی، ان کے زخموں کی پٹی کرتی تھی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ اس مقصد کے لئے شریک ہوئی، جنگ کے بعد ایک رات دختر علی زینب کبریٰ کی مہمان ہوئی اور ان سے عرض کیا: اگر رسول خدا ﷺ سے کوئی روایت بیان فرما دیں تو بی بی نے فرمایا: ایک دن میں رسول خدا ﷺ کے حضور حاضر ہوئی، وہاں عائشہ بھی موجود تھی، اسی وقت بابا علی حضورؐ کے پاس آئے تو حضورؐ نے بابا کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ﴿انّ ھـذا اوّل الـنـاس ایمانًا و اوّل الناس لی لقـاءً یـوم الـقیـامة و آخر الناس لی عهدًا عند الموت﴾ یعنی علی سب سے پہلے ایمان کا اظہار کرنے والے، سب سے پہلے قیامت کے دن مجھ سے ملاقات کرنے والے اور میری موت کے وقت سب سے آخری مجھے وداع کرنے والے ہیں۔ (داستان دوستان)

ام سلیم

ام سلیم بچپن ہی سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھی۔ ابوطلحہ انصاری نے جب اس سے شادی کی خواہش کی تو اس نے کہا: اس شرط پر قبول ہے کہ اسلام قبول کرلو، اس نے ابوطلحہ کو اسلام کے بارے اور بت پرستی کے بارے کافی کچھ بتایا جس کی وجہ سے ابوطلحہ نے اسلام قبول کرلیا اور ام سلیم سے شادی کرلی، ام سلیم نے اپنا مہر ابوطلحہ کا اسلام قرار دیا تھا، کچھ مدت بعد ان کا بیٹا پیدا ہوا جس سے انہیں سخت محبت تھی۔ یہ بچہ بیمار ہوا اور فوت ہوگیا۔ ام سلیم نے بچے کی میت کپڑے میں لپیٹی اور ایک طرف رکھ دی، اس کا شوہر گھر آیا اسے کچھ نہ بتایا، جو کھانا بنایا تھا اسے کھلایا، ابوطلحہ نے بیٹے کے بارے پوچھا، کہا: وہ سویا ہوا ہے آپ اطمینان سے کھانا کھائیں، جب وہ کھا چکا تو کہا اگر کسی نے آپ کے پاس امانت رکھی ہو اور وہ واپس لے تو واپس کرنے سے کوئی غمگین یا تکلیف ہونی چاہیے، شوہر نے کہا: نہیں، امانت تو لوٹانی چاہیے تو اس عورت نے کہا: خداوند نے بچہ ہمیں امانت کے طور پر دیا تھا اور وہ واپس لے لیا۔ ابوطلحہ نے کہا: تمہارا صبر بہت عجیب ہے۔ میں زیادہ سزاوار ہوں کہ صبر کروں، لہٰذا بچے کو غسل و کفن دیا، دفن کر دیا۔ پھر حضور پاک ﷺ کی خدمت حاضر ہو کر واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ میری امت میں ایسی صابر عورت موجود ہے اور اس پر حضور ﷺ بہت مسرور ہوئے۔ (ا ا)

Presented by Ziaraat.Com

حارثہ بن سراقہ

حارثہ اسلام کے مخلص و فداکار جوانوں میں سے تھا۔ حضور ﷺ سے عرض کیا: کہ دعا کریں خداوند شہادت نصیب فرمائے۔ حضور ﷺ نے اس وقت دعا فرمائی۔ جنگ بدر میں حارثہ شریک ہوا اور گلے میں تیر لگنے سے شہید ہو گیا حارثہ کی ماں اور بہن کو اس کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ دونوں دوسری عورتوں کے ساتھ مدینہ سے حضور ﷺ کے استقبال کے لئے باہر نکلیں، اس کی ماں کہنے لگی میں اپنے بیٹے پر ابھی نہیں روؤں گی۔ پہلے حضور سے پوچھوں گی: میرا بیٹا جنت میں ہے یا جہنم میں؟ اگر فرمایا: جہنم میں ہے تو اتنا روؤں گی کہ کبھی ختم نہ ہوگا اور اگر فرمایا: جنت میں ہے تو اس پر کبھی نہیں روؤں گی بلکہ خوشی کا اظہار کروں گی جب راستے میں حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی تو حارثہ کی ماں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپ جانتے ہیں مجھے حارثہ سے کتنی محبت تھی وہ میری آنکھوں کا نور تھا، اس کی خبر شہادت پر میں نے گریہ نہیں کیا۔ یہی سوچا کہ آپ فرمائیں گے وہ جہنم میں ہے تب گریہ کروں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جنت کے کئی درجے ہیں تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں جنت کے بلند ترین درجے میں ہے، ماں نے جب یہ سنا تو کہا: اب نہیں روؤں گی۔ حضور ﷺ نے پانی منگوایا اور اس سے تھوڑا سا پی کر اسے دیا، کہا: اپنے گریبان پر چھڑک لو، لکھا ہے کہ جنگ بدر کے بعد اس ماں اور بہن سے زیادہ خوشی و مسرور عورت نہیں دیکھی گئی۔ (// //)

پانچ فاطمہ

خاندان بنی ہاشم میں فاطمہ نام کی خواتین کافی تھیں ان میں سے پانچ ہستیاں ایسی ہیں کہ جن کا مقام و مرتبہ بہت عظیم ہے:

(۱) فاطمہ بنت اسد مادر علی بن ابی طالب:۔ بہت ہی باعظمت بی بی ہیں۔ رسول خدا ﷺ جنہیں ماں کہتے تھے۔ پوری کائنات میں وہ واحد خاتون ہیں جن کے وضع حمل کے لئے دیوار کعبہ شق ہوئی اور کعبہ کے اندر آپ نے بیٹے کو جنم دیا آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور وہاں فوت ہوئیں۔

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے انہیں اپنے پیراہن مبارک میں کفن دیا اور ان کی قبر میں پہلے خود لیٹے اور ان کے لئے خداوند سے جزاء خیر کی دعا کی، جب عرض کیا گیا کہ آپ نے فاطمہ بنت اسد کے لئے جو کیا ہے کسی اور کے لئے کبھی نہیں کیا تو فرمایا: ﴿انہ لم یکن بعد ابی طالب ابرّ بی منھا﴾ ابو طالب کے بعد اس ہستی سے زیادہ کسی نے میرے ساتھ نیکی و بھلائی نہیں کی۔ (اسد الغابة فی معرفة الصحابه)

(۲) فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہؐ:۔ آپؑ سیدۃ نساء العالمین ہیں، مظہر قداست و پاکیزگی ہیں۔ آیت تطہیر میں آپ کو مرکزیت حاصل ہے۔ خدا پنجتن پاک کی پہچان کرواتا ہے تو فرماتا ہے: ﴿ھم فاطمة و ابوھا و بعلھا و

Presented by Ziaraat.Com

بنوھا ﴾ گیارہ اماموں کی ماں ہیں، حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا کفو قرار دیا گیا اگر علی نہ ہوتے تو بقول سرور عالمین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ کا کوئی کفو نہیں تھا۔ باپ اس بیٹی پر فخر فرماتے تھے۔ جب اپنے بابا کے پاس آتیں تو ﴿ قام الیھا و قبّل یدیھا ﴾ رسول کھڑے ہو جاتے ہاتھوں کو چومتے اور ﴿ اجلسھا مجلسہ ﴾ اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ ائمہ طاہرینؑ آپ کو اپنے لئے اسوہ قرار دیتے امام حسنؑ و امام حسینؑ آپؑ کے پاؤں چومنے میں فخر محسوس کرتے۔ امام محمد باقر علیہ السلام مریض ہوئے تو اپنی جدہ سے توسل کرتے۔

(۳) فاطمہ بنت علیؑ :۔ یہ ہستی بھی مورد احترام تھی خاندان بنی ہاشم میں انہی نے جابر سے فرمایا تھا: ہمارا تم پر حق ہے اس کی خاطر علی بن الحسین سے کہو عبادت کم کیا کریں کچھ اپنے بدن پر رحم کریں۔

(۴) فاطمہ کبریٰ دختر امام حسین علیہ السلام :۔ دامن عصمت کی پرورش یافتہ یہ بی بی مورد محبت تھی اپنے بابا کے لئے۔ بازار کوفہ میں آپؑ کا خطبہ آپ کی عظمت کا بہترین گواہ ہے۔

(۵) فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام معصومہ قم :۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے نام فاطمہ تھے ایک کے ساتھ کبریٰ اور دوسری کے ساتھ صغریٰ لگتا تھا۔ آپ فاطمہ کبریٰ ہیں، آپ کی شخصیت بہت ہی عظیم ہے۔ ائمہ طاہرینؑ نے بہت ہی جلالت کے ساتھ آپ کا نام لیا ہے۔ یہ آپ کی عظمت ہے اور بزرگواری ہے کہ جس کی وجہ سے قم کو اتنی عظمت حاصل ہوئی اور شیعیت کی پائگاہ و مرکز بن گیا۔ آپ مدینہ میں تھیں۔ مامون نے زبردستی امام رضا علیہ السلام کو خراسان بلوایا یہ سن ۲۰۰ ہجری میں ہوا۔ ۲۰۱ ہجری میں آپؑ اپنے بھائی ولی خدا اور امام کی زیارت کے شوق میں مدینہ چھوڑ کر راہی خراسان ہوئیں۔ شہر ساوہ پہنچ کر آپ سفر کی صعوبتوں سے بیمار ہوئیں۔ آپ نے سوال کیا: یہاں سے قم کتنی دور ہے؟ کہا گیا: دس فرسخ ہے۔ فرمایا: مجھے قم لے جاؤ۔ آپؑ کو قم لایا گیا اور موسیٰ بن خزرج کے گھر مہمان ہوئیں، اور ایک دوسری روایت ہے جو کہ ظاہراً زیادہ صحیح ہے کہ جب قم کے آل سعید کو پتہ چلا کہ آپ ساوہ تشریف فرما ہیں تو وہ سب حاضر ہوئے اور قم تشریف لانے کی درخواست کی۔ موسیٰ بن خزرج آپ کے ناقہ کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لے آیا اور آپ سترہ دن وہاں مہمان رہیں اور پھر آپؑ کی وفات ہوگئی۔ امام رضا علیہ السلام سے پہلے آپ کی وفات ہوئی۔ افسوس کہ اتنی زحمت کے بعد بھی بہن اپنے بھائی سے مل نہ سکی۔ امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۰۳ ہجری میں آخر ماہ صفر میں ہوئی جبکہ بی بی کی وفات ۲۰۱ ہجری میں ہوئی۔

علامہ مجلسی نے تاریخ قم سے از امام صادق روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ﴿ انّ للّٰہ حرمًا و ھو مکّۃ و انّ للرسول حرمًا و ھو مدینۃ و انّ لامیر المؤمنین حرما و ھو الکوفۃ و انّ لنا حرمًا و ھو بلدۃ قم و ستُدفن فیھا امرءۃ من اولادی تسمّٰی فاطمۃ فمن زارھا وجبت لہ الجنۃ ﴾ فرمایا: چار حرم ہیں۔ خدا کا حرم مکہ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرم مدینہ ہے، امیر المؤمنین علیہ السلام کا حرم کوفہ ہے اور ہمارا حرم شہر قم ہے۔ وہاں میری اولاد

Presented by Ziaraat.Com

سے ایک ہستی فاطمہ نام کی دفن ہوگی جو اس کی زیارت کرے گا جنت اس کیلئے واجب ہے۔

ابن قولویہ نے اپنے استاد شیخ مفید سے نقل کیا ہے کہ سعد بن سعد نے کہا: میں نے امام رضاؑ سے بی بی معصومہ قمؑ کی زیارت کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ﴿من زارها فله الجنة﴾ (//   //)

امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: ﴿من زار عمّتي بقم فله الجنة﴾ (ثواب الاعمال، صفحہ ۱۲۴) جہاں روضہ مبارکہ ہے یہ مقبرہ بابلان کے نام سے معروف تھا، یہاں بی بی کے بعد اور بھی افراد بنی ہاشم مدفون ہوئے۔ جیسے (۱) زینب بنت امام جواد علیہ السلام انہی نے معصومہ قم کی قبر پر گنبد بنایا تھا۔ (۲) ام محمد بنت امام جواد علیہ السلام۔ (۳) میمونہ بنت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ (۴) میمونہ بنت موسیٰ مبرقع بن امام رضاؑ۔ (۵) ام اسحاق کنیز تھی۔ (۶) ام محمد دختر موسیٰ مبرقع۔ ائمہ کی اولاد سے اور بھی کافی خواتین کے نام تاریخ میں آئے ہیں جو اسی روضہ معصومہ میں دفن ہوئیں، اور ۲۰ کے قریب امام زادے بھی اس روضے میں مدفون ہیں۔

ازدواج نور بانور

جبرئیل نازل ہوئے پیغام خدا رسول خداؐ کو دیا اے میرے رسولؐ ﴿زوّج النور بالنور كما زوجتهما﴾ میں نے عرش پر نور کی نور کے ساتھ شادی کر دی ہے آپ بھی زمین پر کریں۔ پوچھا: کون؟ فرمایا: علیؑ کی فاطمہؑ کے ساتھ۔

علیؑ کو بلایا۔ فرمایا: جہیز کے لئے کیا ہے۔ عرض کیا: ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹ۔ فرمایا: اونٹ گھر کی ضرورت ہے اور تلوار جنگ کی۔ زرہ کی آپ کو ضرورت نہیں ہے اسے بیچ دو۔ مولا نے زرہ بیچ دی جسے جنگ میں زیادہ ضرورت تھی اس نے خرید لی (پتہ نہیں کبھی اس کی نوبت آئی یا نہیں) پیسے حضورؐ کے پاس لایا۔ نہ انہوں نے پوچھے کتنے ہیں نہ میں نے بتائے۔ آپؐ نے مشت بھر پیسے اٹھائے بلال کو دیئے جاؤ خوشبو خریدو۔ مشت بھر کر دوسرے صحابی کو دیئے جاؤ فلاں چیز خریدو وھکذا۔ سب چیزیں خریدی گئی۔ حضورؐ کے سامنے رکھ دی گئی تو حضورؐ ایک ایک چیز ہاتھ میں لیتے اور فرماتے: خداوندا ان میں اہل خانہ کے لئے برکت قرار دے۔

بارات آمادہ ہوگئی۔ حضورؐ نے علیؑ سے فرمایا: گوشت و خرما و روغن سے کھانا تیار کرو۔ جب کھانا پک جائے تو جاؤ جسے دعوت دینی ہے دعوت دو۔ علیؑ فرماتے ہیں: کھانا پک گیا تو میں مسجد گیا دیکھا وہاں تو تعداد بہت زیادہ ہے۔ بعض کو بلاؤں بعض کو نہ بلاؤں یہ تو نہیں ہو سکتا، ادھر کھانا بھی کم ہے۔ دل میں سوچا سب کو بلاتا ہوں۔ میں ایک بلند جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اعلان کیا ولیمہ دختر رسول خداؐ تیار ہے سب آ جاؤ۔ وہ بھی سب آ گئے میں مسلسل دل میں سوچ رہا تھا کھانا کم ہے کیا کریں گے؟ رسول خداؐ نے دیکھا تو فرمایا: میں دعا کروں گا خدا برکت دے گا۔ کھانا شروع ہوا

Presented by Ziaraat.Com

چار ہزار افراد تھے سب نے پیٹ بھر کر کھایا لیکن کھانا کم نہ ہوا۔ جتنا تھا اتنا ہی باقی رہا۔ حضور پاک ﷺ خود برتن بھر بھر کر ایک ایک بیوی کے گھر بھیج رہے تھے۔ اور ہمسایوں کے گھروں میں بھی بھیجا آخر میں فاطمہؑ کا ہاتھ علیؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: اے علیؑ فاطمہ بہترین بیوی ہے اور علیؑ کا ہاتھ فاطمہؑ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا: اے فاطمہ علی بہترین شوہر ہے۔ (اسلام میں مستحب ہے کہ شادی رات کو ہو اور ولیمہ دن کو)۔ (بحار، جلد۴۳)

دعوت برائے ولیمہ میں اہل مسجد کو دعوت دیں امیر ہوں یا غریب سب آئیں

ایک عورت کے سوالات:

ایک عورت رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ سے پوچھا: یا رسول اللہ شوہر کے بیوی پر کیا حقوق ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: (۱) شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (۲) اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ (۳) شوہر کی اجازت کے بغیر مستحبی روزہ نہ رکھے۔ (۴) اس کے ازدواجی حقوق کی ادائیگی میں منع نہ کرے۔ (۵) اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے صدقہ نہ دے۔

عورت نے سوال کیا: یا رسول اللہؐ! کون سب سے زیادہ انسان پر حق رکھتا ہے؟ فرمایا: ماں باپ۔ عورت نے پوچھا: عورت پر سب سے زیادہ کس کے حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا: شوہر کے۔ اس نے پوچھا: جتنے حقوق میرے شوہر کے مجھ پر ہیں کیا اتنے میرے اس پر نہیں ہیں؟ فرمایا: نہیں، ایک درصد سے بھی کم۔ (مکارم الاخلاق، صفحہ۲۱۴)

رخصتی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

شب عروسی فاطمہ زہراؑ تھی۔ حضور پاک ﷺ کی ایک سواری کا نام شہباء تھا حضور ﷺ اسے گھر لائے فاطمہؑ کو اس پر سوار کرایا۔ سلمان نے لگام پکڑی، رسول خدا ﷺ اس کے پیچھے چلے اور صحابہ ساتھ تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دیکھا آسمان سے فرشتے اتر رہے ہیں، جناب جبرئیلؑ ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ اترے، پھر میکائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اترے، حضور ﷺ نے ان کے آنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا: فاطمہؑ کی رخصتی میں شرکت کی غرض سے آئے ہیں۔ جبرائیلؑ و میکائیل نے تکبیر کہی، رسول خدا ﷺ نے بھی اللہ اکبر کی آواز بلند کی، اس کے بعد رخصتی کے وقت تکبیر سنت قرار پائی۔ ﴿و وضع التكبير على العرائس من تلك الليلة﴾۔ (وسائل الشیعہ، جلد۱۴، صفحہ۶۲)

سیدہ نفیسہ

سیدہ نفیسہ جناب حسن بن زید بن امام حسن مجتبیٰؑ کی بیٹی تھیں ۱۴۵ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئیں اور مدینہ میں پلی بڑھیں۔ دن کو روزہ رکھتیں اور رات کو عبادت میں گزارتیں۔ اور ۳۰ مرتبہ حج کیا اکثر پا پیادہ۔

آپ کے بھائی کی بیٹی جناب سیدہ زینب بیان کرتی ہیں کہ میں نے چالیس سال اپنی پھوپھی کی خدمت کی۔

Presented by Ziaraat.Com

اس پوری مدت میں میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا کہ رات کو سوئیں یا دن کو روزہ سے نہ ہوں۔ سیدہ نفیسہ کے شوہر اسحاق تھے جن سے ایک بیٹا قاسم اور ایک بیٹی ام کلثوم تھے۔ ایک سال آپ اپنے شوہر کے ہمراہ حضرت ابراہیم خلیل کی زیارت پر تشریف لائیں تو واپسی پر مصر تشریف لے گئیں جس گھر میں وہاں قیام کیا اس کے ہمسائے میں ایک یہودی بچی نابینا تھی اس بچی نے سیدہ نفیسہ کے وضو کے پانی سے تبرک لیا اسی وقت اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی۔ جس کی وجہ سے یہودیوں کی بڑی جماعت نے اسلام قبول کرلیا اسی وجہ سے اہل مصر آپ کے عقیدت مند ہوگئے اور آپ سے مصر میں مستقل سکونت کی درخواست کی۔ آپ نے درخواست قبول کرلی اور مصر میں ساکن ہوگئیں اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ اس مخدرہ نے اپنی قبر زندگی میں ہی تیار کرلی تھی، قبر میں بیٹھ کر آپ مسلسل نماز پڑھتیں اور قرآن کی تلاوت کرتیں۔ ۶ ہزار ختم قرآن آپ نے قبر میں کیے ماہ رمضان ۲۰۸ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ جب وقت احتضار ہوا تو ان سے کہا گیا افطار کرلیں۔ فرمایا: ۳۰ سال سے خداوند سے دعا کر رہی ہوں کہ روزے کی حالت میں میرا وصال ہو۔ تو اب وقت وصال میں افطار کیسے کرلوں؟ آپ نے سورہ انعام کی تلاوت شروع کی۔ جب ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ پڑھ رہی تھیں تو جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے شوہر اسحاق مؤتمن بن امام صادق علیہ السلام نے چاہا کہ آپ کا جسد خاکی مدینہ منتقل کریں اور بقیع میں دفن کریں لیکن اہل مصر نے جمع ہوکر درخواست کی کہ اس سعادت سے مصر کو محروم نہ کریں اور مصر ہی میں دفن کریں، وہ نہ مانے، خواب میں رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے فرمایا: نفیسہ کو مصر میں دفن کردو کہ اس کی برکت سے ان پر رحمت خدا نازل ہوگی۔

Presented by Ziaraat.Com

Presented by Ziaraat.Com